ا

مسلمانانِ ہند کی سیاست وطنی

جس میں

۱۸۵۷ء سے ۱۹۳۶ء تک کے اُن سیاسی حالات و واقعات کا تاریخی بیان ہے

جو

ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی تحریک، مسلم لیگ کے قیام اور اس کی جدوجہد انتخاب جداگانہ لیگ اور کانگریس کے مذاکرات اور دیگر ضمنی امور سے متعلق ہیں

مرتبہ

محمد امین زبیری مارہروی

علاوہ محصول

مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ
۱۹۳۸

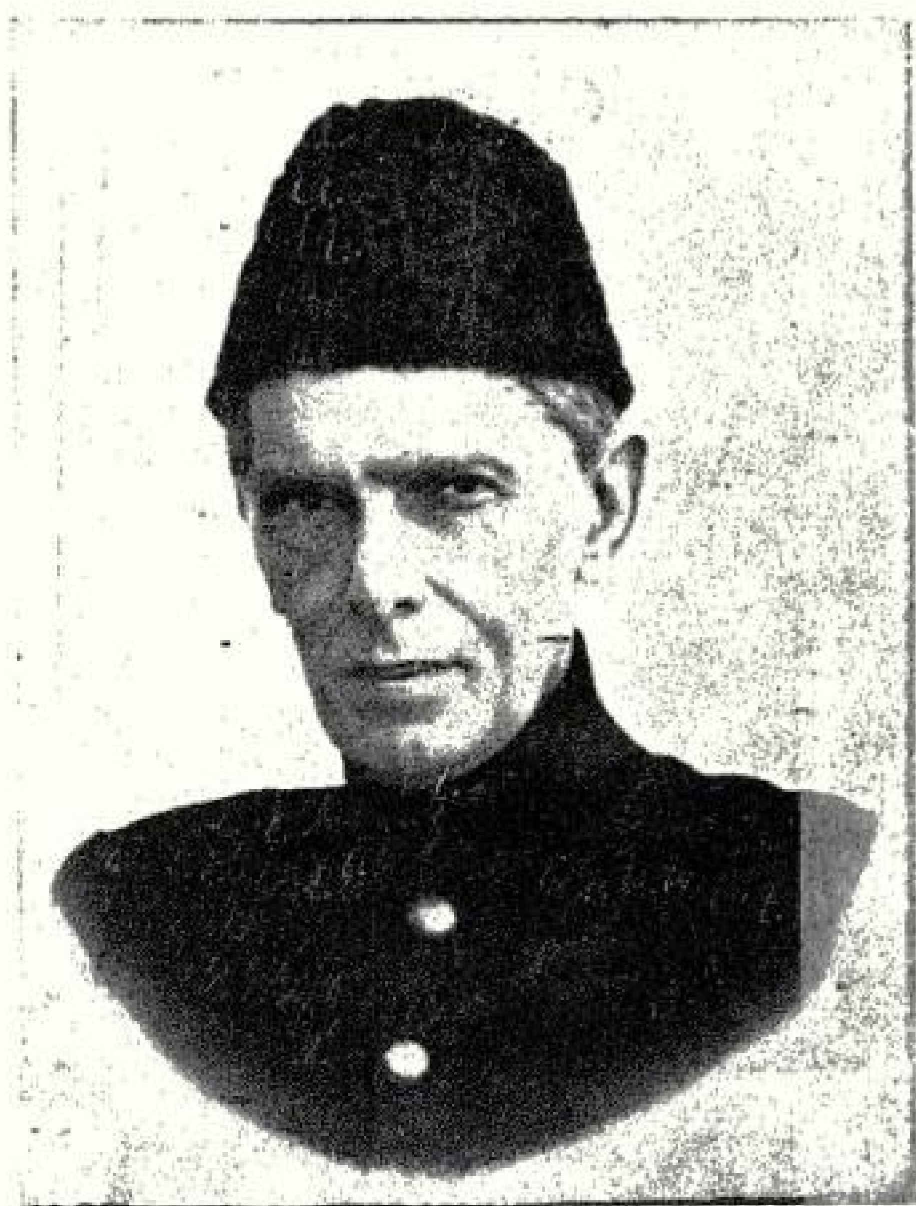
نذرِ عقیدت

محمدؐ با علیؓ آمد جناحِ ملتِ بیضا
سزاوارِ خطاب با وقارِ قائدِ اعظم

بہ یک مرکز نمودہ مجتمع قومِ پریشاں را
حصارِ لیگ، از تدبیرِ صائب کرد مستحکم

شکستہ سحرِ افرنج و طلسمِ کانگرس ہر دو
بجا گویم اگر اعجاز و شانِ موسوی گویم

خدا اورا ز آفاتِ زماں و الم مصئوں دارد
کہ ذاتش مایۂ اُمیدِ مسلم ہست در عالم



عالی جناب قائد اعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ

انتساب

میں اس رسالہ کو جناب راجہ امیر احمد خاں صاحب تعلقدار محمود آباد کے عزیز نام سے معنون کرتا ہوں جن کے ذاتی انہماک اور مالی اعانتوں نے آل انڈیا مسلم لیگ میں حیات تازہ پیدا کی اور جو ہماری قوم کے نوجوانوں اور بالخصوص جواں سال امیروں کے لئے قومی ہمدردی و دلسوزی کا قابلِ احترام نمونہ ہیں۔ ؎

امیر احمدِ عالی ہمم را　　دہد اجرے خداوند تعالیٰ
کہ مسلم لیگ را زندہ نمودہ　　عیاں فرمود اعجاز مسیحا

محمد امین زبیری



عالی جناب راجہ امیر احمد خاں صاحب تعلقدار محمود آباد (اودھ)

دیباچہ

انگریزی دور میں ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے متعلق جو غفلت و بے پروائی برتی اسکی یہ سزا ملی کہ اغیار کی لکھی ہوئی تاریخیں ان کو پڑھنی پڑیں جو مدارس کے ابتدائی درجوں سے یونیورسٹی کی اعلیٰ کلاسوں تک میں داخلِ نصاب ہیں، ان تاریخوں میں جو زہر بھرا ہوا ہے اور مسلمانوں کے جسم میں جس طرح سرایت کر رہا ہے اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اب اسکا احساس کسی حد تک پیدا ہو گیا ہے۔ تاہم اس بات کے کہنے میں کوئی طوالت بیان نہیں منجملہ ان بہت سے بُرے نتائج کے ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان خود اپنی ہی نظر میں حقیر معلوم ہونے لگے یہی حالت ہماری اس سیاسی تاریخ کی ہے جس کا دیباچہ مغل سلطنت کا زوال اور انگریزوں کا آغاز عروج ہے اور جو ۱۸۵۷ء کے معرکہ سے شروع ہوتی ہے۔

اس اسّی سال میں مسلمانوں کو سیاست کے متعدد پُرخار منازل طے کرنے پڑے ہیں لیکن ان کے حالات و واقعات تاریخی طور پر مدون نہیں ہوئے اور گویا تاریخی اعتبار سے ہم بالکل تہی مایہ ہیں۔ اس غفلت و تہی مائیگی کے مضر نتائج بھی کچھ کم نہیں اور سب سے مضر نتیجہ یہ ہے کہ اغیار کی تاریخ اور پروپاگنڈا نے ہمارے نوجوانوں کے دماغ و اذہان، اور افکار و رجحانات پر قابو پا لیا ہے اور ان کا رُخ ایسی سیاست کی طرف ہو چلا ہے جس میں مسلمان ذہنیت اور قومیت کا پرتو نہیں ہوتا۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ہر دو میں

ہمارے نوجوانوں کے مطالعہ کی غرض سے ایسی سیاسی تاریخ کی تدوین و ترتیب کا سلسلہ جاری رہے تاکہ یہ نوجوان سیاسیاتِ ملکی میں اپنی قومیت اور قومی مفاد کو قائم اور پیشِ نظر رکھکر آگے بڑھ سکیں اور ماضی کا تجربہ حال و مستقبل کیلئے ایک بہترین رہبر بن سکے۔

شکر ہے کہ ۱۹۳۵ء سے اس ضرورت کا احساس ہو چلا ہے اور اسی احساس کا تقاضا تھا کہ مولّفِ تاریخ ہذا نے "انتخاب جداگانہ کا تاریخی خلاصہ" مرتب کر کے شایع کیا جو ہماری سیاسی تاریخ کا مستقل عنوان ہے۔ اسی زمانہ میں عبد الوحید خاں صاحب بی، اے (لکھنؤ) نے بھی "آزادی کی جنگ" کے نام سے ایک کتاب شایع کی، چونکہ مولّفین کا مقصد محض ایک قومی خدمت تھی اور ان کتابوں کی ضرورت بھی تھی اسلئے انکو قبولیتِ عام بھی حاصل ہوئی، لیکن تاریخی نظر سے اور جامعیت کے لحاظ سے بہت کچھ مواد کی کمی تھی اور دونوں مولّفین کو اپنی اپنی جگہ اس کا احساس تھا چنانچہ یہ عجیب توارد خیال و فکر ہے کہ بیک وقت دونوں نے اس کمی کو پورا کرنے پر توجہ کی، جناب موصوف نے بہت کچھ اضافہ کر کے "مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ" کے نام سے مکرر اشاعت کی اور مولف کتاب ہٰذا بھی معقول اور ضروری اضافوں کے ساتھ اپنی مولّفہ کتاب شایع کر رہا ہے جس میں سنہ ۱۹۳۸ء کے وسطِ سال تک کے واقعات آگئے ہیں۔ اِن دونوں کتابوں کے یکجائی مطالعہ سے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ پر ایک حد تک عبور ہو سکتا ہے۔ تاہم ایک مفصل تاریخ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ خدا کرے کوئی ادارہ یا قابل و باہمت شخص اس ضرورت کو پورا کرنے کا تہیہ کرے۔

نومبر سنہ ۱۹۳۸ء

خاکسار

محمد امین زبیری مارہروی

عرضِ ناشر

مولوی محمد امین صاحب زبیری نے گذشتہ سال "انتخاب جداگانہ کا تاریخی خلاصہ" مرتب کیا تھا جو ۱۳۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ عزیزی پریس نے بعجلتِ ممکنہ اس کو شایع کیا۔ مؤلف اور ناشر دونوں کا مقصد صرف ایک قومی خدمت تھی۔ اس لئے اس کی قیمت بہت کم رکھی گئی۔ اور تقریباً اصل لاگت پر ہی فروخت کی گئی، بعض اصحابِ خیر نے متعدد نسخے خرید فرما کر اردو داں طبقے میں مفت تقسیم کئے اور مؤلف و ناشر نے بھی صدہا نسخے بغیر قیمت نذر کئے۔ لیکن ابھی ضرورت تھی کہ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر اس مختصر رسالہ کو ذرا تفصیل سے مرتب کیا جائے چنانچہ مؤلف صاحب نے اس ضرورت کو پورا کیا اور اب عزیزی پریس آگرہ صفحات کی کتاب ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہے۔

خاکسار

عبدالرؤف خاں

پبلشر عزیزی پریس آگرہ

مختصر فہرست مضامین کتاب ہٰذا

باب ۸ ہشتم ــــ ۱۳۵

۱۹۳۵ء میں کمیونل ایوارڈ کو تسلیم کئے جانے کے متعلق مسٹر جناح کی ترمیم۔ مسلم اتحاد کے لئے راجندر پرشاد اور مسٹر جناح کی کوشش کانگریسیوں کی شدید مخالفت اور راجندر پرشاد کا اعلان ناکامی۔

باب ۹ نہم ــــ ۱۵۱

فیض پور (خاندیش) میں مسلمانوں پر مظالم اور وہاں ۱۹۳۶ء میں کانگریس کا اجلاس ہندو قوم کی ذہنیت کا اندازہ صدر کانگریس کے خطبۂ صدارت سے۔ کمیونل ایوارڈ سے کانگریسیوں کا پہلے انحراف اور پھر وزارتیں قبول کر لینے کا دلچسپ حال۔

باب ۱۰ دہم ــــ ۱۶۳

مسلمانوں میں مختلف مجالس اور جمعیتیں بنا کر زبردستی کانگریس میں شریک کرنے کی تحریک اور مسلم لیگ کو تباہ کرنے کے لئے سازشیں۔ اس پر مسٹر محمد علی جناح کا ایک زبردست بیان۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کا مکرر اعادہ۔ مسلمانوں کے اندیشے اور انکی تنظیم وغیرہ وغیرہ۔

باب ۱۱ یازدہم ــــ ۱۸۰

مسلمانوں سے مصالحت کرنے پر پنڈت جواہر لال نہرو کا کورا جواب اور مسلم ماس کنٹیکٹ کی پرزور تحریک۔ مولانا حسین احمد صاحب کھلم کھلا کانگریس میں جا ملے۔ جس کے صلہ میں حافظ محمد ابراہیم صاحب کو وزارت نصیب ہوئی۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی خود مسلمان شرکاء کانگریس کی طرف سے کوششیں اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو دعوت صلح کے پیام و سلام۔ اس کے متعلق اہم و دلچسپ خط و کتابت۔ دلی خیالات کا افشار۔

باب ۱۲ دوازدہم ــــ ۲۰۷

مسٹر محمد علی جناح کی تقریر صدارت اجلاس مسلم لیگ کانفرنس کراچی۔ جس سے اہم معاملات پر روشنی پڑتی ہے۔



باب اوّل

"۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۱ء کا درمیانی زمانہ اس ملک میں مسلمانوں پر نہایت سخت گذرا ہے ہنگامہ غدر کا سارا الزام ان کے سر ڈالا گیا۔ اور ان ہی سے شدید انتقام لیا گیا۔ مختصر یہ کہ کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں نہ ہوئی ہو۔ اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی گو وہ رام دین اور ماتا دین نے ہی کی ہو۔ کوئی بلا آسمان پر نہیں چلی جس نے زمین پر پہونچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔"

اس مصیبت کا سب سے سخت اثر دہلی، روہیلکھنڈ اور ان اضلاع میں تھا جہاں مسلمانوں کی زیادہ آبادی تھی۔ اس زمانہ میں سر سید احمد خاں بجنور میں سرکاری عہدہ دار کی حیثیت سے اس ہنگامہ کو فرد کرنے میں شریک تھے۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں وہ مراد آباد تبدیل ہوئے اس ضلع پر حکومت کا سخت عتاب تھا۔ اور یہی ضلع مسلمانوں کا ایک بڑا گڑھ بھی تھا سر سید نے بجنور میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اور یہاں اس تباہی اور بربادی کا اور بھی زیادہ عبرت خیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا۔ انہوں نے بہ اقتضائے وقت بہت جرأت کے ساتھ اپنی قوم کی ہر ایک امکانی خدمت کی، لیکن ساتھ ہی انہوں نے اسباب غدر پر بھی غور کیا اور ۱۸۵۹ء میں "اسباب بغاوت" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اور چھپوا کر باوجود اپنے

(ماخوذ از لکچر سر سید۔ مدرسۃ العلوم کے تاریخانہ حالات پر)

عزیز دوستوں کی فہمایشوں کے گورنمنٹ آف انڈیا میں بھیجدیا۔ اس زمانہ میں یہ ایک ایسی جرأت کا کام تھا جسکو خدا نے صرف سید احمد خان کیلیئے ہی مخصوص کیا تھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے ایک مفصل بحث کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ :۔

"سب لوگ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ واسطے اسلوبی اور خوبی اور پائیداری گورنمنٹ کے مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں واجبات سے ہے بلاشبہ پارلیمنٹ میں ہندوستان کی رعایا کی مداخلت غیر ممکن اور بے فائدہ محض تھی۔ مگر لیجس لٹیف کونسل میں مداخلت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی، اور ہم نہیں چاہتے کہ اس مقام پر ہم سے یہ گفتگو کیجائے کہ ہندوستانیوں کا جو نہایت جاہل ہیں اور بے تربیت لیجس لٹیف کونسل میں شریک ہونا کس طرح ہوتا، اور کیا فائدہ ہندوستانیوں کی شرکت کا نکلتا اور اگر رعایائے ہندوستانکو مثل پارلیمنٹ کے لیجس لٹیف کونسل میں مداخلت دیجاتی تو طریقہ انکے انتخاب کا کیا ہوتا اور اس میں بہت سی مشکلیں پیش آتیں۔ کیونکہ اس مقام پر ہمکو صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ یہ بات گورنمنٹ کیلئے بہت اچھی اور بڑی ضرور تھی اور اسکے نہ ہونے کے سبب یہ فساد برپا ہوئے اور طریقہ مداخلت رعایا کی بابت ہماری علیحدہ رائے ہے اسکو دیکھنا چاہیئے اور جو بحث ہو وہاں کرنی چاہیئے۔"

اسی زمانہ میں اس رسالہ کے سرکاری طور پر ہندوستان و انگلستان میں متعدد تراجم ہوئے۔ اور گورنر جنرل کی کونسل اور پارلیمنٹ میں اسپر بڑے بڑے مباحثے کئے گئے۔

۱۸۶۱ء میں جو فرسٹ انڈین کونسل ایکٹ نافذ ہوا۔ بلاشبہ اسکے نفاذ میں سب نہیں تو ایک حد تک اسی رائے کا اثر ماننا پڑے گا جسکو انگلستان کے بعض اخبارات نے بھی تسلیم کیا ہے اس ایکٹ میں اگرچہ مرکزی اور صوبجاتی مجالس وضع قانون میں صرف ہندوستانیوں کو نامزدگی سے حق شرکت حاصل ہوا تاہم اداراتِ حکومت میں داخلہ اور رائے زنی کا دروازہ کھل گیا۔ ۱۸۷۸ء میں سرسید بھی اسی حق کی رو سے گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر مقرر ہوئے اور ہندوستان میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی ممبری کے زمانہ میں فائدہ عامہ کے بل پیش کئے اور جو کثرت رائے سے منظور ہوئے۔ انہوں نے متعدد قوانین

(۱؎ یہ بل چیچک کے ٹیکہ اور قاضیوں کے تقرر کے تھے)

کے مباحث میں زبردست تقریریں کیں لارڈ رپن کے زمانہ میں جب جنوری ۱۸۸۳ء میں صوبہ متوسط کی لوکل سیلف گورنمنٹ کا بل پیش ہوا تو انہوں نے اپنی تقریر کے ضمن میں کہا تھا کہ :-

"میں اس بات کے خیال سے خوش ہوں کہ میں اسقدر عرصہ تک زندہ رہا کہ میں نے اس دن کا آغاز دیکھ لیا جبکہ ہندوستان اپنے حاکموں کے ہاتھ سے سیلف ہیلپ اور سیلف گورنمنٹ کے وہ اصول سیکھنے کو ہے جنہوں نے انگلستان میں ریپریزنٹیٹو انسٹی ٹیوشن پیدا کئے ہیں اور اسکو دنیا کی قوموں میں بڑا بنا دیا۔

اس صوبہ کی حالت کے لحاظ سے لوکل بورڈوں میں دو ثلث ممبر انتخاب سے، اور ایک ثلث نامزدگی سے قرار دئے گئے تھے۔ سر سید نے اسکی تائید کرتے ہوئے یہ زور دیا کہ یہی اصول پورے ہندوستان پر حاوی رکھا جاوے۔ انکی دلیل یہ تھی کہ :-

"ہندوستان فی نفسہ ایک برا عظم ہے اور اس میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے آدمی کثرت سے بستے ہیں۔ اور مذہبی دستورات کی سختی نے اب تک ہمسایوں کو بھی ایک دوسرے سے جدا رکھا ہے اور ذات کا قاعدہ ابتک بڑے زور شور سے جاری ہے ممکن ہے کہ ایک ہی ضلع میں مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے باشندے ہوں اور جس حالت میں کہ باشندوں کا ایک گروہ دولت مند اور صاحب تجارت ہو تو دوسرا گروہ باعلم اور ذی رعب ہو۔ ممکن ہے کہ ایک گروہ بلحاظ تعداد کے دوسرے گروہ سے بڑا ہو۔ اور روشن ضمیری کے جس درجہ پر ایک گروہ باشندوں کا پہونچ گیا ہو وہ بہ نسبت اسکے جہاں تک کہ باقی باشندے پہونچے ہوں، بہت اعلی ہو، ایک قوم اس بات سے بخوبی واقف ہو کہ لوکل بورڈوں اور ضلع کونسلوں میں انکی طرف سے ممبروں کا شریک ہونا نہایت ضروری ہے دوسری قوم کو اس قسم کے معاملات کی مطلق پرواہ نہ ہو پس ان صورتوں میں اس بات سے انکار کرنا شاید ہی ممکن ہے کہ ہندوستان میں ریپریزنٹیٹو انسٹی ٹیوشنوں کے جاری کرنے سے بڑی مشکل اور سوشیل و پولیٹکل خطرات پیدا ہونگے ایک ایسے ملک میں جیسا کہ انگلستان ہے جہاں قومی امتیاز اب باقی نہیں رہا۔ اور جہاں مذہبی معاملات میں تفرقہ و اختلاف تحمل کی ترقی کے سبب سے کم ہوگئے ہیں

اس معاملہ میں اس قسم کی مشکلات پیش نہیں آتی ہیں۔ قوم اور مذہب کے متحد ہونیسے انگریزی قوم ایک قوم ہوگئی ہے اور تعلیم کی ترقی سے خفیف اختلافات اُن معاملات میں جو بیشتر ملک کی بہبودی سے متعلق ہیں بالکل ناچیز ہوگئے ہیں۔ عیسائیونکو پارلیمینٹ میں اپنے مطلب کی حمایت کرنے کیواسطے یہودیونکی نسبت ووٹ دینے میں کچھ عذر نہیں ہوتا اور درحقیقت سوشل اور پولٹیکل مقاصد کیواسطے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انگلستان کی کل آبادی ایک ہی قوم ہے بلاشبہ یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی نسبت ایسا نہیں کہا جاسکتا الیکشن کے ذریعہ سے ممبرونکے مقرر کرنیسے رعایا کا ایک حصہ کی رائے اور مطالب کی حمایت کرنیسے مراد ہے اور ان ملکوں میں جہاں کہ آبادی صرف قوم اور ایک مذہب سے مرکب ہوتی ہے یہ قاعدہ بلاشبہ سب سے عمدہ ہے جو جاری کیا جاسکتا ہے لیکن میرے لارڈ ایک ایسے ملک میں جیسا کہ ہندوستان ہے جہاں کہ ذات کے اختلافات ابتک موجود ہیں اور جہاں مختلف قومیں خلط ملط نہیں ہوئی ہیں اور جہاں کہ مذہبی اختلافات ابتک زور شور پر ہیں اور جہاں کہ تعلیم نے اپنے جدید معنی کے لحاظ سے باشندونکے تمام فرقوں میں ایک مساوی مناسبت کے ساتھ ترقی نہیں کی ہے مجھکو یقین ہے کہ لوکل بورڈوں اور ضلع کی کونسلوں میں مختلف مطالب کی حمایت کی غرض سے الیکشن کے خالص اور سادہ اصول کے جاری کرنیسے محض تمدنی خیالات کی بہ نسبت زیادہ تر بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہونگی۔ جب تک قوم اور مذہب کے اختلافات اور ذات کا امتیاز ہندوستان کی سوشیل پولٹیکل حالت میں ایک جزو اعظم رہیگا۔ اور ان معاملات میں جو ملک کے انتظام اور بہبودی سے بیشتر متعلق ہیں۔ انکے باشندوں پر اثر ڈالیگا۔ اسوقت تک الیکشن کا خالص قاعدہ طمانیت کے ساتھ جاری نہیں کیا جاسکتا بڑی قوم چھوٹی قوم کے مطالب پر غالب آویگی۔ اور جاہل آدمی گورنمنٹ کو اس قسم کی تدابیر جاری کرنیکا جوابدہ سمجھیں گے جنکے باعث سے قوم اور مذہب کے اختلافات بہ نسبت سابق کے اور بھی زیادہ سخت ہوجاوینگے میرے لارڈ میں نے اس معاملہ کی نسبت اس قدر تفصیل کے ساتھ اس امر کی

تشریح کرنے کی غرض سے گفتگو کی ہے کہ میں نے ریپریزنٹیٹو کے طریقہ کا سچا حامی ہو کر کس وجہ سے اس مسودہ کے ان احکام کی دلی تائید کی ہے جو الیکشن کے خالص طریقہ کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں گورنمنٹ نے جو لوکل بورڈوں اور ضلع کی کونسلوں کے ایک ثلث ممبروں کے مقرر کرنیکا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس سے گورنمنٹ نے وہی تدبیر اختیار کی ہے جو ہندوستانی رعایا کے مختلف فرقوں کی طرف سے ممبروں کے تقرر میں اس قسم کی مناسب اور اچھی مساوات قائم رکھنے سے جو الیکشن کے خالص قاعدہ کے ذریعہ سے حاصل نہ ہوگی لوکل سیلف گورنمنٹ کی کامیابی کی کفالت کیواسطے اختیار کی جاسکتی ہے"۔

پھر تیسرے مہینہ جبکہ مارچ میں ضابطہ فوجداری کی ترمیم (البرٹ بل) پیش تھی۔ اینگلو انڈین اور یوروپین طبقات کا اصرار تھا کہ انکے مقدمات کی سماعت ہندوستانی مجسٹریٹوں کے اجلاس میں نہ ہو۔ اور اس اصرار پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ تو سرسید نے اس اصرار کے خلاف نہایت زبردست تقریر کی اور آخر میں کہا کہ:—

"مجھ کو یقین واثق ہے کہ جب تک قومی امتیازات کو ملک کے عام قانون میں دخل ہوگا۔ اسوقت تک دونوں قوموں کے درمیان اصلی دوستانہ خیالات کی ترقی کے باب میں مزاحمتیں قائم رہینگی۔ زندگی کی سوشل خوشی اور موافقت پولیٹیکل ہمسری سے اور ایک ہی قانون کے زیر حکم رہنے اور ایک ہی عدالتوں کے تابع رہنے سے پیدا ہوتی ہے ہندوستان میں ذات کا سلسلہ شاید اس عرصہ تک ہرگز قائم نہ رہتا۔ اگر زمانہ قدیم کے مقنن برہمن کیواسطے ایک قانون اور شودر کیواسطے دوسرا قانون نہ بناتے گو زمانہ سابق کی ضرورتیں کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن میرے لارڈ میں امید کرتا ہوں۔ کہ انگریزی حکومت کے ڈیڑھ سو برس گذر جانے سے ہم اب شائستگی کے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں جبکہ قومی امتیازات کو بہرکیف ملک کے عام قانون میں کم کرنا ہر ایک وجہ سے مناسب ہے میرے لارڈ مجھکو اپنی طرف سے تو یہ مستحکم یقین ہے کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے جبکہ ہندوستان کے تمام باشندے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ یوروپین ہوں

یا پوزیشن۔ اسبات کو سمجھنے لگے کہ وہ ہمسر رعایا ہیں۔ اور ان کے پولٹیکل حقوق یا کانسٹی ٹیوشنل رتبہ میں قانون کی نگاہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

سر سید نے غدر کے بعد پہلی کوشش تو یہ کی کہ ملک کی تعلیمی و سیاسی اصلاح و ترقی ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد عمل سے ہو اور انگریزوں کی ہمدردی بھی حاصل کی جائے چنانچہ ۱۸۶۲ء میں سائنٹیفک سوسائٹی اسی اتحاد عمل پر قائم کی پھر سیاسی امور کیلئے ۱۸۶۶ء میں "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کی تاسیس کی اور اسکے ذریعہ سے دیسی زبان کی یونیورسٹی قائم کئے جانیکے متعلق کوششیں کیں لیکن ان کوششوں کے اثناء میں ہندوؤں کی طرف سے اردو کے خلاف ایجی ٹیشن شروع ہو گیا جسکا اثر مذکورہ بالا سوسائٹی اور ایسوسی ایشن پر بھی پڑا۔ اور جب سر سید کو یقین ہو گیا کہ اتحاد و اشتراک ناممکن ہے تو انہوں نے مخصوص مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اُن کا دل اب بھی ہندوؤں کیلئے وسیع و فیاض تھا۔ انہوں نے اپنے کالج میں ان کیلئے خاص آسانیاں رکھیں اور علیگڈھ کی ایک ہندو کمیٹی کو جو اپنی قوم کے نوجوانوں کیلئے شہر کے کسی حصہ میں ہاسٹل تعمیر کرنا چاہتی تھی۔ حدود کالج میں بلا معاوضہ ایک رقبہ پیش کیا۔ کالج کی ایک انتظامی کمیٹی میں جسکا تعلق طلباء کی تعلیم اور اقامت سے تھا لازماً ایک ہندو کو بطور ممبر کے شریک رکھا۔

وہ کالج قائم کرنے میں بہ آسانی کامیاب نہ ہو سکے اگرچہ ان کو حکام بالا کی تائید حاصل تھی۔ لیکن سول سروس میں انکی سخت مخالفت کی گئی زمین کے حصول میں دشواریاں پیدا کی گئیں اسکو تعلیم نسواں کا ادارہ کہا گیا۔ ایک کلکٹر نے علی الاعلان انگلش کلب میں بیٹھکر اور اس رقبہ کیطرف منہ کر کے اور نتھنے پھُلا کر کہا کرتا تھا کہ ادھر سے بوئے بغاوت آرہی ہے۔

اسی مخالفت کا نتیجہ تھا کہ سب آرڈینیٹ سروس کے دو ممتاز عہدہ دار ایک ڈپٹی کلکٹر اور دوسرے صدر الصدور جنکے ناموں کے ساتھ مولوی کا مقدس لقب بھی تھا اور بعض زمینداروں نے مذہبی عقائد کو وجہ قرار دیکر نہایت شدید مخالفت کی۔

یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کا دل مسلمانوں سے بہت زیادہ مکدر تھا۔ کیونکہ دنیا میں وہی ان کے سیاسی اور مذہبی حریف ہیں۔

لارڈ ڈالنبرا گورنر جنرل ہند ۱۸۴۲ء میں اس پالیسی کا آغاز کر چکا تھا۔ کہ مسلمانوں کو ہرگز ابھرنے

نہ دیا جائے اور نہ کسی طرح انکی ہمت افزائی کی جائے۔ اسی حاکم اعلےٰ نے کابل و غزنی کی فتح کے بعد ڈیوک آف ونگٹن کو لکھا تھا کہ۔

مجھے اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ وہ خاص لوگ جنکی گذر ہمارے ہی ٹکڑوں پر ہے۔ وہ دل سے ہمارے بدخواہ تھے بخلاف اسکے ہندو ہماری فتح پر اظہار مسرت کر رہے ہیں جب ہمیں ان مسلمانوں کی دشمنی کا یقین کامل ہے جنکی تعداد ۱/۱۰ ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس قوم کا ساتھ دیں جسکی تعداد ۹/۱۰ ہے جو ہماری وفادار ہے۔

پھر ۱۸۴۳ء میں لکھتا ہے کہ۔

میں اس عقیدے کیخلاف کیسے آنکھیں بند کر لوں کہ مسلمانوں کی یہ نسل دیوانہ وار ہماری دشمن ہے اور اسلئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ مہربانی کیجائے

یہی جذبہ کارفرما تھا جسکی وجہ سے مسلمان تعلیمی و اقتصادی طور پر مختلف طریقوں سے تباہ کئے جا رہے تھے اور ان کے نقصان کا فائدہ انگریزوں کے ایجنٹوں (ہندوؤں) کو مالکوں سے زیادہ پہونچ رہا تھا مسلمانوں کی حکومت منتزع ہونیکے بعد انگریزوں نے پہلی منزل میں بنگال کو مسیحی تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے سیاسی تیروں کا نشانہ بنایا۔ اس تباہی کی نسبت سر عبدالرحیم (صدر اسمبلی) نے مسلم لیگ کے خطبہ صدارت ۱۹۲۵ء میں کہا تھا کہ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں بھی آج سے تین نسلیں پیشتر بنگال کا زیادہ حصہ مسلمان جاگیردار امین دار زمینداروں کے قبضہ میں تھا۔ اور انتظام دیوانی مسلمان افسروں کے ہاتھ میں۔ مثلاً دیوان۔ صدر الصدور، مفتی، قاضی، مولوی، صدر اعلیٰ صدر امین اور کوتوال علاوہ محرروں اور نقل نویسوں کے سب مسلمان ہوتے تھے تعلیم کا رواج عام تھا۔ اور میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اس زمانہ سے زیادہ تعلیم یافتہ افراد کا شمار تھا۔ ہر باوقعت مسلمان اپنے مکان کے ساتھ ساتھ ایک مکتب اور ایک مدرسہ رکھتا تھا۔ ان مدرسوں سے عربی فارسی کے ماہرین پیدا ہوتے تھے جو عدالتوں میں وکیل اور منصف کی حیثیت سے نمایاں خدمت انجام دیتے تھے میں نے خود ان مدرسوں کو تباہ شدہ حالت میں دیکھا ہے

فوجی اقتدار حاصل کرنیکے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی اولین پالیسی یہ ہوئی کہ اس نے مسلمانونکو فوج میں بھرتی کرنا بند کردیا۔ مال۔ دیوانی۔ اور پولیس کے انتظامات کی تفصیل پر مسلمان افسرونکی مدد سے عبور حاصل کرنیکے بعد کورٹ آف ڈائرکٹرز نے اختلاف آراکے باوجود اپنی پالیسی یکایک تبدیل کردی اور بنگالی اور انگریزی کو اردو اور فارسی کے بجائے عدالتونمیں جگہ دی یہ تبدیلی سیاسی بنا پر ہوئی جس کے لئے انتظامی اسباب بھی موجود تھے۔ مسلمانونکی یہ تباہی جاری تھی کہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا اس سے پہلے بھی تین مرتبہ مختلف احاطونمیں ہندوستانی فوجوں نے بغاوت کی تھی اور ایک موقع پر انگریزی فوج کا ایک حصہ بھی باغی ہوگیا تھا۔ اس مرتبہ دہلی کے قریب (میرٹھ) میں یہ غدر ہوا جہاں ہندوستانی تاج و تخت کا اصلی وارث موجود تھا۔ گو وہ برائے نام ہی تھا مگر اس کی ذات مرکز و محور سمجھی گئی اس لئے یہ بغاوت زیادہ شدت پکڑ گئی فوج میں زیادہ حصہ ہندوؤں کا تھا مگر مسلمان ہی سرغنہ اور ہندوؤں کے بہکانیوالے تصور کئے گئے اور ان ہی سے شدید اور ہولناک انتقام لیا گیا۔ اس انتقام میں بھی وہ ہی تعصب شعلہ زن تھا۔ چنانچہ بہادر شاہ کے مقدمہ میں حکومت کے وکیل نے جا بجا ہندوؤنکو بچا کر مسلمانوں اور اسلام دونوں پر حملے کئے مثلاً ایشیائی طرز معاشرت کی جو کوئی بھی تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوگا فی الفور اسے تسلیم کرے گا اور خصوصاً ہمدردونکی نسبت کہ انکے بہت تھوڑے برائی کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

یہ کارروائی (چپاتیونکی تقسیم جو زمانہ غدر میں بطور اطلاع لیگئی) اور آٹے میں ہڈیونکو ملانیکی افواہ بلاشبہ ایک ہی جڑ سے نکلی ہیں اور دونونکو اسلامی سازش کی گھڑی ہوئی فطرت کی طرف منسوب کرنا صاف بیانی یا استدلال قطعی کی حد سے باہر نہیں ہونے دیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو سپاہی اپنی پہلی لغزش جذبات پر نادم ہوتے ہیں اور مسلمان سپاہیوں پر ملامت کرتے ہیں کہ انہوں نے بلاوجہ ہمیں گمراہ کیا اور انکی کارروائی کے دوران میں دوسرا ثبوت یہ ہے کہ گو ہم اسلامی سازشونکی کھوج میں جہاں تک ہماری تحقیقات لا لے پہنچ گئے ہیں مگر ہمیں کوئی ایسا کاغذ دستیاب نہیں ہوا جس سے یہ معلوم ہو کہ ہندوؤں نے

بھی جماعت بنکر ہمارے خلاف سازش کی یا ان کے برہمنوں اور پنڈتوں نے بھی عیسائیوں سے جہاد کرنیکی تبلیغ کی ہو۔ انکے پاس کوئی بادشاہ تخت نشین کرانے کیلئے نہیں تھا کوئی مذہب تلوار سے اشاعت پھیلانیکے لئے نہیں تھا ......

معلوم نہ اسلامی تعصب سب سے پہلے حملہ آور تھا اس خاص مذہب کا کینہ ور تعصب حکومت کیلئے جدوجہد کر رہا تھا اگر ہم ان واقعات پر سرسری نظر ڈالیں .... جو دوران کارروائی میں وقتاً فوقتاً پیش ہوتے رہے ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ صرف مسلمان ہی خلش دار پیکاں ہیں جو باہم جتھے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان پیرزادہ اسکے فرضی خواب اور بناوٹی طاقت اعجاز ایک مسلمان بادشاہ اور اسکی ضعیف الاعتقادی وارتکاب جرائم ایک مسلمان خفیہ سفارت اسلامی طاقتوں ایران ترکی کو برانگیختہ کرنے کیلئے ہماری طاقت کے زوال کی نسبت مسلمانی پیشینگوئیاں ہماری حکومت سے اکر اسلامی حکومت کا خیال ، مسلمانوں کا کیا ہوا۔ جابرانہ قتل اسلامی غلبہ کی خاطر جہاد ایک مسلمان پریس کا اشتعال دلانا اور مسلمانوں کا بغاوت کرنا۔ ہندوؤں کے متعلق میں ضرور کہوں گا۔ کہ یہاں اس پر ذرا غور کیا جائے اور روشنی ڈالی جائے کیونکہ وہ تو فقط ہمیشہ اپنے پیش قدم ہمسایہ کے حکم بردار رہے ہیں ؎

غدر کی سیاسیات ختم ہونے اور ہندوستان کا براہ راست تاج سے تعلق ہونے کے بعد امید تھی کہ یہ متعصبانہ جذبات سرد پڑ جائینگے اور مسلمانوں کو بھی کچھ سنبھلنے کا موقع ملیگا۔ لیکن ۱۸۶۴ء سے ایک تازہ مصیبت کا ان کو سامنا کرنا پڑا۔ اس تاریخی واقعہ سلطنت مغلیہ کے انحطاط کے ساتھ پنجاب میں سکھ حکومت قائم ہو چکی تھی ۔ اور رفتہ رفتہ اسکی طاقت مضبوط ہو گئی تو اسنے مسلمانان پنجاب پر طرح طرح کے مظالم کئے اور سرحدی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ مساجد کی بے حرمتی اور فرائض مذہبی ادا کرنیکی ممانعت عام بات تھی ادھر سکھوں کے مجنونانہ تعلیمات کی اطلاعات نے شمالی ہند کے مسلمانوں پر نہایت رنجیدہ اثر ڈالا۔ اور بریلی کے حضرت سید احمد نے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ممتاز شاگرد تھے مسلمانوں کو ان مظالم سے بچانے کیلئے

۱۸۲۴ء میں جہاد کیا جنکے ساتھ بکثرت مجاہدین تھے (بقول سر سید) ہزاروں مسلح مسلمان اور بیشمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنیکے لئے جمع ہو گیا مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اسکی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تمکو دست اندازی نہ کرنی چاہیئے دہلی کے ایک مہاجن نے جہاد یونکا روپیہ غبن کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی" اگرچہ یہ مجاہد شمالی ہند سے جا رہے تھے مگر کمپنی کی حکومت نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ایک قسم کی مدد دی کیونکہ اسکا مقصد سکھوں کا زور توڑنا تھا۔ یہ سلسلہ جہاد برابر قائم رہا اور اگرچہ اس مجاہد کبیر نے ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ لیکن ان کے متبعین برابر مصروف رہے سرحد پر ستھانہ اور وادی سوات اور ہندوستان میں پٹنہ ان مجاہدین کے مرکز تھے اب زمانہ آیا کہ انگریزوں اور سکھوں میں بھی کشمکش شروع ہوئی اور ۱۸۴۵ء میں جنگ کے بعد سکھوں کی طاقت پاش پاش ہوگئی انگریز قوم لاہور میں رہنے لگی اس فتح مجاہدین کے ساتھ بھی انگریزوں کے رویّہ میں فرق آگیا اور سلسلہ جہاد بھی بند ہو گیا لیکن چونکہ ستھانہ اور وادی سوات کو علمی عظمت حاصل ہو چکی تھی اسلئے حصول علم کے لئے اکثر مسلمان وہاں جاتے اور بعض تو ہجرت کر جاتے، غدر کے واقعہ نے مہاجرین کی تعداد میں اور اضافہ کر دیا مگر ۱۸۶۴ء کے سرحدی محاربات کے دوران میں مہاجرین حکومت کے نظروں میں کھٹکنے لگے اور وہابیت ایک خطرہ سمجھی گئی انکو مالی امداد دینا جرم تصور کر کے مقدمات بغاوت قائم کیئے گئے اس مصیبت کا شکار زیادہ تر بنگال و بہار کے مسلمان امراء و علماء تھے جنکو وہابی کہا جاتا تھا۔

اس وہمی خطرہ کی بناء پر، مسلمان جاگیرداروں، امین داروں کی تمام املاک جو وسعت میں بنگال کی ایک چوتھائی تھی گورنمنٹ انگلشیہ نے ضبط کر لی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ملت کے سینکڑوں شریف اور خوشحال خاندان نان شبینہ کو محتاج ہو گئے اور ہماری قوم کے ہزاروں افراد عالم بیکسی و مفلسی میں دربدر پھرنے لگے سینکڑوں گھرانوں نے شہر کو خیرباد کہکر دیہات میں سکونت اختیار کر لی اور کاشتکاری پر قناعت کی اس سب کا

یہ ہوا کہ ہماری قوم کا وہ طبقہ جو رہنما ؤں کی ایک جماعت ہوتا اپنے افلاس اور فقدان اثر کیوجہ سے نہایت ابتر و متبذل حالت میں ہے ،، (خطبہ صدارت سر عبدالرحیم)

حالات کی اسی رفتار میں جبکہ وہابیوں کے مقدمات چل رہے تھے ایک ممتاز عہدے دار ڈاکٹر ہنٹر نے ان زخموں پر یہ نمک پاشی کی کہ ۱۸۷۱ء میں " اور انڈین مسلمانز ،، کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ثابت کیا تھا کہ مسلمان ایک ایسی قوم ہے جو گورنمنٹ سے لڑنا اور جہاد کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے اور کسی طرح خیر خواہ نہیں بن سکتی نیز بغاوت اور وہابیت مترادف الفاظ ہیں۔ عنوان کی عبارت یہ تھی کہ کیا ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں پر از روئے ایمان ملکہ معظمہ سے بغاوت کرنا فرض ہے

ایک موقع پر لکھا تھا کہ، اس بیان سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان بغاوت سکھانیوالے پیغمبر کی زہر آلود نصیحتوں کو نہایت ذوق شوق سے سنتے ہیں اور ایسے بہت تھوڑے ہیں جو اپنی تیزی طبیعت سے اپنی شریعت کا کچھ اور مطلب ٹھیرا کر بغاوت کے بڑے فرض سے بچ جاتے ہیں ،

پھر اس کے بعد لکھا تھا کہ۔

ہندوستان کے مسلمان اب بھی ہندوستان میں گورنمنٹ انگریزی کیلئے موجب خطر ہیں جیسے کہ ایک مدت سے موجب خطر چلے آتے ہیں ،

حکام سلطنت کو یہ خطرہ مسلمان ریاستوں میں بھی محسوس ہوتا اور انکے متعلق بھی ایسے ہی زہر آلود خیالات کا اظہار ہوتا رہتا تھا سر سید نے اس نازک موقع پر کچھ جرأت سے کام لیا اپنے وہابی ہونیکا اعلان کیا ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں ایک سلسلہ مضامین انگریزی میں شائع کیا جسکی ایک ہمدرد مسلمان نے انگلستان میں بھی بکثرت اشاعت کی اور خدا خدا کر کے اس مصیبت کے بادل چھٹنے شروع ہوئے۔

قدرتی اسباب اور حکومت کی سیاسی و تعلیمی پالسی کی بدولت مسلمان تعلیم میں بھی نہایت پسماندہ ہو گئے اور خاصکر بنگال میں جہاں ہندو بنگالی تعلیم میں تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے مسلمان اسی رفتار سے تنزل کے قعر میں گر رہے تھے اور اس کا اثر اضلاع آگرہ و اودھ تک پڑ رہا تھا۔ پنجاب میں تو کھلم کھلا مسلمانوں کی تعلیم کا سدباب کیا گیا۔

بہر حال ان حالات میں جب مسلمان کچھ بیدار ہوئے اور انہوں نے تھوڑی سی توجہ تعلیمی پستی پر

سے ابھرنے کیلئے شروع ہی کی تھی کہ ۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگریس قائم ہوگئی اور اسکی طرف سے نہایت اشتعال انگیز لٹریچر شائع کیا گیا حکومت اور حکام کو ظالم بے رحم اور اپنے افعال کے نتائج سے بے خبر اور لاپرواہ بیان کیا گیا تو اس موقع پر سر سید کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا مسلمان اس میں شریک ہوں۔ اور انگریزوں کی تازہ بدگمانی کا شکار ہوکر کسی اور جدید مصیبت میں مبتلا ہو جائیں اسلئے انہوں نے اپنی قوم کو کانگریس کی شرکت سے روکا انہوں نے دسمبر ۱۸۸۷ء اور مارچ ۱۸۸۸ء میں بمقام لکھنو و میرٹھ دو تقریریں کیں مولانا محمد علی صدر اجلاس کانگریس ۱۹۲۳ء کے نزدیک بھی اس مخالفت کی حقیقی وجہ و نوعیت یہ تھی کہ۔

اگرچہ سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد سید احمد خاں کی پبلک زندگی اپنی قوم کی ترقی کے مساعی میں صرف ہوئی تاہم وہ ویسے ہی اچھے ہندوستانی رہے جیسے مسلمان تھے انکی بہت سی تقریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بڑے سرگرم محب وطن تھے اور انکا سینہ اتحاد ہند کے جذبہ محبت سے لبریز تھا جو لوگ انسے ذاتی طور پر واقف ہیں وہ اسکی تصدیق کر سکتے ہیں کہ اکثر ہندوؤں سے انکی گہری دوستی تھی جو اس تعصب کی موجودگی میں قطعی ناممکن تھی جسکا بعض وقت ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔

- یہ الزام بھی کسی طرح صحیح نہیں کہ وہ ہر زمانے کیلئے مسلمانوں کے سیاسیات میں حصہ لینے کیخلاف تھے اپنی ان دو تقریروں میں جنکا میں نے ذکر کیا انہوں نے جو دلائل بھی پیش کیے ہوں ان سے قطع نظر کرکے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کیلئے وہ صرف دو ہی دلیلیں پیش کرتے تھے۔ جن کی بنا پر خود سید احمد خاں کو بھی یقین تھا کہ اسوقت مسلمانوں کی شرکت کانگریس قطعی نامناسب تھی۔ وہ اس امر کا اچھی طرح اندازہ کرتے تھے کہ اسکے زمانے کے مسلمانوں کی طبیعت و مزاج کو اس سے زیادہ کوئی مشغل و فعل نہ تھا۔ کہ وہ اپنے بطانوی غاصبین حکومت پر سخت سے سخت نکتہ چینی کریں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ یہ فعل جیسا آسان تھا ویسا ہی آخرکار کانگریس جیسی امن پسند سیاسی تحریک کی بقا و ترقی کیلئے بہت ہی خطرناک ثابت ہوگا۔ یہ پہلی دلیل تھی جس نے سید احمد خاں کو مجبور کیا کہ اپنی قوم کو سیاسیات میں خاص حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں۔

دوسری دلیل بھی کچھ کم مضبوط نہ تھی ان کی رائے یہ تھی کہ مسلمان اگر اپنی ترقی چاہتے ہیں انہیں سب سے پہلے اشاعت تعلیم میں کوشش کرنی چاہیئے اور مغربی تعلیم کے حصول کیلئے مسلمانوں

راضی کرلینا آسان نہ تھا خواہ اپنی اس درسگاہ میں ہی کیوں نہ ہوں جس میں بہ خلاف سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے مذہبی تعلیم بھی دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیجاتی ہے"

مسلمانوں کیلئے یہ آسان تر تھا کہ قابل نفرت حکومت کافرہ کی تخریبی نکتہ چینی کے مزے لیتے رہیں بہ مقابلہ اس کے کہ ماہرین تعلیم کے خشک و بے مزہ تعمیری پروگرام سے دلچسپی لیں۔ لہذا سید احمد خان نے اپنی تمام تر توجہ اس پر صرف کردی کہ مسلمانوں کے مساعی کو سیاسی راستے کی طرف رخ کرنے سے روکیں جو زیادہ دلکش لیکن ساتھ ہی اسکے کم سودمند تھا"

پچھلی نسل کے اعمال وافعال پر نظر ڈالتے ہوئے آج جبکہ وقوع واقعہ کے بعد عقلمند بننا زیادہ آسان ہے سید احمد خاں کا یہ طرز عمل میری رائے میں نہایت دانشمندی پر مبنی تھا۔ اور اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ بعض باتیں جو انکی زبان سے نکل گئیں۔ کاش کہ وہ نہ کہتے۔ تاہم میں اس اعتراف پر مجبور ہوں کہ مسلمانوں کا یا بحیثیت مجموعی ہندوستان کا کوئی خیر طلب، مسلمانان ہند کی رہنمائی کیلئے بغیر اسکے اور کوئی راہ اختیار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ لہذا یہ بھی پیش نظر رہے کہ جس شخص نے مسلمانوں کا مفاد اسی میں سمجھا کہ وہ نظر بہ حالات موجودہ کانگریس سے علیحدہ رہیں۔ وہ شخص مسلمانوں کے حصہ غالب کا محبوب نہ تھا۔ سید احمد خاں چونکہ تعلیمات قرآنی کی تفسیر عقل انسانی کے مطابق کرتے اور ان عام پسند وہمیات کے شدت سے مخالف تھے جو راسخ العقیدہ مسلمانوں میں مسلمات مذہبی سمجھی جاتی تھیں۔ اور نیز ان رسوم وروایات کے بیخ کنی میں مصروف رہے جو "خبیث اسلام" کی نظر میں تو مستند نہ تھیں۔ مگر جنہیں مرور ایام نے مذہبی شان دے رکھی تھی۔ اسلئے انہیں ملحد وکافر قرار دیا گیا۔ لکھو کہا مسلمان انہیں سخت سست کہتے بلکہ سب وشتم کرتے اور مدت دراز تک اس کالج کو جو انہوں نے علیگڈھ میں قائم کیا تھا، ہوا سمجھتے رہے۔ لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود الزام کفر والحاد اور باوجود شدت سب وشتم سیاسی پالیسی میں ساری قوم کی قوم نے بے چون وچرا اسی شخص کی پیروی کی ظاہر ہے کہ کسی منطقی مغالطہ یا سیاسی سبز باغ میں اتنی قوت نہیں ہوسکتی اور میرا یقین ہے کہ سید احمد خاں کو محض اس وجہ سے کامیابی ہوئی کہ انکی سیاسی رائے صائب تھی۔" (خطبہ صدارت کانگریس)

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ باوجود ان حقائق وشواہد کے سرسید پر بزدلی ومرعوبیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ آج جبکہ کانگریسی سورما حکومت سے ٹکرا رہے ہیں ان میں ہم سرسید سے

زیادہ بزدلی و مرعوبیت دیکھتے ہیں۔ چنانچہ چوراچوری ضلع گورکھپور میں صرف ایک تھانہ میں دیہاتیوں کی آتش زنی اور چھ سات پولس کانسٹبلوں کے جلائے جانے سے گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک کا ہی خاتمہ کر دیا۔ جس کے متعلق پنڈت جواہرلال نہرو کہتے ہیں کہ۔

اس میں شک نہیں کہ اگر یہ تحریک جاری رہتی تو بہت جگہ تشدد کے انفرادی واقعات ظہور میں آتے حکومت انہیں خونخوار طریقہ سے کچلتی اور خوف و دہشت کا دور دورہ ہوتا جس سے لوگوں کی ہمتیں پست ہو جاتیں، اور دوبارہ ابھرنے کی طاقت بھی نہ رہتی دوسری جگہ سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں کہ۔

میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ہماری طرف سے ذرا بھی زیادتی ہوئی تو نہایت ہی ہولناک مصیبت پیش آئے گی اور ہم میں سے ہزاروں آدمی گولیوں سے ہلاک کر دیئے جائیں گے"

۱۹۳۱ء میں سول نافرمانی کے التوا پر تحریر کرتے ہیں۔ کہ

سول نافرمانی کی تحریک کم سے کم اس وقت ختم ہو چکی تھی اور اسے پھر سے اٹھانا خود ورکنگ کمیٹی کے بس کی بات نہ تھی اسلئے کہ حکومت یہ اعلان کرسکتی تھی کہ مسٹر گاندھی تصفیہ پر راضی ہو گئے ہیں۔ مجھے اور ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبروں کو اس میں مطلق عذر نہ تھا۔ کہ سول نافرمانی ملتوی کر دیجائے اور حکومت سے کوئی... عارضی تصفیہ کر لیا جائے ہمارے لئے یہ سہل بات نہ تھی کہ اپنے رفیقوں کو دوبارہ جیل بھیجدیں۔ یا ان ہزاروں آدمیوں کی رہائی میں مانع ہوں جو اب تک قید میں تھے۔ جیل کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہم آرام سے رات دن گذار سکیں۔

سوال یہ ہے کہ ان افکار و خیالات کو بزدلی و مرعوبیت کہا جائیگا یا مصلحت سنجی و دوربینی، کیا سید احمد خاں کے لئے سہل تھا کہ کانگریس کی ابتدائی اشتعال انگیز تحریک میں مسلمانوں کو شامل کرکے گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا اور جیل کی آبادی ان سے بسائی جاتی جبکہ حکومت ہر ہر قدم پر سخت گیر تھی اور کم از کم ۱۸۵۷ء کا زمانہ تو فوراً ہی واپس آجاتا۔

اسی زمانہ میں جس طرح موپلا کی بہادر قوم کچلی گئی، اس کی مثال کانگریس کی پوری تاریخ میں نہیں ملسکتی

سرسید نے ان دو تقریروں کے بعد اگرچہ کانگریس میں مسلمانوں کی مخالفت شرکت کے متعلق کوئی اور نمایاں حصہ نہیں لیا لیکن عام مسلمان ان کی رائے سے متاثر ہو چکے تھے ہندوؤں میں بھی باقاعدہ مخالفت جاری تھی اور جابجا جلسوں میں کانگریس کے مقاصد وغیرہ سے اختلاف کیا جاتا تھا۔

اسی زمانہ میں چونکہ ذبیحہ گاؤ کے بند کرنیکی مہم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اردو کی مخالفت زوردار طریقہ سے ہو رہی تھی اور انہیں ممتاز کانگریسی بھی شریک ہوتے تھے اسلئے بعض مسلمانوں نے الٰہ آباد میں ذبیحہ گاؤ کے استداد اور کانگریس کی شرکت کی مخالفت میں ایک عام جلسہ کیا اور اس میں علمار کے فتاوے بھی شائع ہوئے۔

فتاوے کے جواب کیلئے مسلمانوں کی ہی ضرورت بھی تھی شرکت کانگریس کے جواز میں لدھیانہ کے ایک بزرگ مولوی عبدالقادر نے جوابی فتوے حاصل کرکے شائع کئے جن پر نہ صرف اطراف واکناف ہند کے علمار نے دستخط کئے بلکہ مدینہ منورہ اور بغداد کے علمار کی بھی تائید وتصدیق حاصل کیگئی۔

ان مولویوں کو کانگریس میں شرکت کی بڑی وجہ جواز یہی تھی کہ سرسید نے مخالفت کی تھی بہرحال اب وقت آیا کہ مسلمانوں کو سیاسیات ملکی کی جانب توجہ کرنی پڑی ۱۸۶۱ء کے قانون ہند کی رو سے جو کونسلیں وضع قانون کی قائم ہوئی تھیں۔ ان میں ممبروں کو نامزدگی سے مقرر کیا جاتا تھا۔ ایک ربع صدی گزرنے پر اصول انتخاب رائج کرنے کی طرف رجحان پیدا ہوا اور ۱۸۸۵ء میں لوکل بورڈوں میں تھوڑا بہت یہ اصول رائج ہو گیا ۱۸۹۲ء میں ان کونسلوں کی ترقی وتوسیع ہوئی۔ میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور ایوان ہائے تجارت یونیورسٹیوں اور زمینداروں کو حق انتخاب دیا گیا لیکن اب تک جہاں کہیں ایسے حقوق دیئے گئے ان سے اپنی اکثریت کی بنا پر کامل فائدہ ہندوؤں نے اٹھایا مسلمان اپنی اقلیت اور ہندوؤں کے سیاسی ومذہبی تعصب کی وجہ سے ہر ادارہ میں جہاں انتخاب تھا محروم رہے ان حالات سے متاثر ہو کر ۱۸۹۳ء میں بمقام علیگڑھ ایم۔ اے او ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم ہوئی اور اس کی جانب سے ۱۸۹۶ء میں سید محمود نے مسئلہ انتخاب پر ایک یادداشت تیار کی جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ ریپرزنٹیشن کا اصلی منشا یہ ہوتا ہے کہ منتخب شدہ شخص انتخاب کرنے والوں کو ریپریزنٹ کرے۔ موجودہ حالت میں لیجسلیٹو کونسل کیلئے بھی منتخب کرنے والے کثرت سے ہندو ہیں۔ پس اگر ہندوؤں کو قانوناً مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ممبروں کو منتخب کریں تو وہ مسلمان ممبر جن کو ہندو منتخب کرتے

وہ اپنے منتخب کرنے والوں ہی کی طرف سے ہوتے نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے، نفس الامر میں یہ بات ہر طرح قرین قیاس ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کی طرف سے ٹھیک ریپریزنٹیشن نہ ہوگا کیونکہ مسلمانوں کی کثیر تعداد میں سے ہزاروں اشخاص ایسے ہونگے جو مختلف پولٹیکل رائے رکھتے ہوں اور ہندو انتخاب کرنیوالے اگر وہ کافی عقل رکھتے ہونگے تو وہ انہیں مسلمانوں کو منتخب کرینگے جن کے خیالات ان سے بالکل یا تقریباً ملتے جلتے ہونگے اور اس طرح مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ انکے فرضی وکلاء جو درحقیقت ہندوؤں کی وجہ سے منتخب ہوئے تھے۔ ایک ایسی پالیسی کی تائید کر رہے ہیں جسکو تمام مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس بات کی مثال ہمکو سینکڑوں دفعہ نیشنل کانگریس کی سلسلہ جنبانی سے ملی ہے جنے یہ عجیب ترکیب اختیار کی ہے کہ ایک مسلمان ممبر کو پریسیڈنٹ اجلاس بنایا جائے گو کہ اس موقعہ پر صرف وہی ایک مسلمان ہال میں موجود ہو اور اسکی لیاقت اور مرتبہ خود مسلمانوں میں ایسا نہ سمجھا جاتا ہو کہ وہ اسے کسی ایسے اجلاس کا پریسیڈنٹ بناتے لیجسلیٹو کونسل کے انتخاب میں اگر ہندوؤں کو مسلمان ممبر منتخب کرینگے اور مسلمان اس بات کا خیال کر کے کہ ان کو کونسل میں ممبر ہونے کا افتخار حاصل ہو دھوکہ کھا جائینگے اور ایسی پالیسی کو ترک کر دینگے جو انکی جماعت کیلئے نہایت مفید ہے۔ انتخابی طریقہ کے ابتدائی اصول اس بات کو چاہتے ہیں کہ مسلمان ممبروں کے انتخاب کیلئے مسلمان ہوں اور ہندو ممبروں کے انتخاب کے واسطے ہندو۔ ورنہ مسلمانوں کا ایسا ہی انتخاب ہوگا جیسا کہ اسکاٹ لینڈ کے کیتھلک عیسائیوں کو پراٹسٹنٹ عیسائی منتخب کریں۔ اسکا انتظام نہایت آسانی سے یوں ہو سکتا ہے کہ ایسا قاعدہ بنایا جائے جسکی رُو سے کسی خاص انتخاب میں میونسپلٹیوں کی ایک خاص جماعت کے ہندو میونسپل کمشنر کسی ہندو ممبر کو منتخب کرے اور دوسرے انتخاب میں مسلمان میونسپل کمشنر کسی مسلمان ممبر کو۔ یہی اصول امپیرئل لیجسلیٹو کونسل کے ممبروں کے انتخاب میں اختیار کرنا چاہیئے"۔

مسلمان پولٹیکل لحاظ سے ایسی جماعت ہیں جنکے تاریخی حالات جنکے اغراض جنکی ملکی مصلحتیں اور مذہب بالکل جدا ہیں یہ بات ظاہر اور روشن ہے اور کوئی منصف مزاج آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آئرلینڈ کی رومن کیتھلک اور پراٹسٹنٹ عیسائیوں میں اسقدر اختلاف نہیں جسقدر کہ مسلمان اور ہندوؤں میں ہے۔ اس بات کی کچھ حاجت نہیں کہ ہم ان کے تاریخی واقعات کا حوالہ دیں۔ ان کے اغراض کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے صرف ایک کو مد نظر رکھنا چاہیئے یعنی انکو ملازمت میں ایک بڑا حصہ ملنا چاہیئے

یہ ایسا معاملہ ہے جس کیلئے ہندو اور مسلمان دونوں بہت بڑی خواہش رکھتے ہیں کہ انکو جس قدر زیادہ ممکن ہو ملازمت میں حصہ ملے۔

انگلستان کے لبرل اور کنسرویٹو فریقوں کا اختلاف بمقابلہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندوؤں کے اختلاف اغراض کے ہیچ ہے ....

لیکن چونکہ مسلمانوں کی زیادہ تر توجہ اشاعت و توسیع تعلیم ہی کی طرف تھی اس لئے مذکورہ بالا ایسوسی ایشن کو اپنی جد و جہد کا التوا ناگزیر ہو گیا۔

باب دوم

غدر کے بعد ہی ہندوؤں نے اردو کو مٹانیکی کوشش شروع کر دی۔ اس کو غلامی کی یادگار تصور کر کے اخبارات میں پروپاگنڈہ کیا گیا اور سر رشتہ تعلیم پر زور و اثر ڈالا گیا مگر بار بار ناکامیوں کے بعد بالآخر بہار میں وہ کامیاب ہو گئے پھر اس مخالفت کا گہوارہ صوبہ متحدہ بنایا۔ یہاں بھی ۱۹۰۰ء میں کامیابی ہو گئی۔ سر سید کے جانشین نواب محسن الملک نے احتجاجی کارروائیاں کیں جنکے نتیجہ میں ایک حد تک اشک شوئی ہوئی۔ لیکن زخم بھی کاری تھا اب مسلمانوں میں سیاسی تنظیم کا جوش پیدا ہو گیا۔ نواب محسن الملک کے پے در پے مضامین نے اور مختلف مقامات میں نواب وقار الملک کے دوروں اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے جلسوں میں ان کی تقریروں نے بالآخر مسلمانوں میں پولٹیکل ارگنائزیشن کے قیام کا ایک زبردست احساس پیدا کرا دیا ہنوز کوئی تنظیم نہ ہوئی تھی۔ کہ ۱۹۰۵ء میں حکومت نے تقسیم بنگال کر کے دو صوبے بنا دیئے جس سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو یک گونہ ترقی کا موقع پیدا ہو گیا اور وہ مواقع اور منافع حاصل ہوئے جس سے بڑی حد تک انکو محرومی تھی ہندو بنگالیوں نے اسکے خلاف زبردست ایجی ٹیشن کیا۔ بائیکاٹ کی تحریک سامنے آئی اور اگرچہ اس تقسیم کے متعلق مسلمانوں کی کوئی تحریک نہ تھی۔ لیکن وہ ہندو اور بالخصوص بنگالی ہندو کے غصہ کا نشان بنگئے

کیونکہ ابتک مسلمانوں کی تباہی سے انہوں نے ہی فائدہ اٹھایا تھا۔ ہنوز مسلمانوں کی پولٹیکل آرگنائزیشن کی اور ہندوؤں میں بحمایت کانگریس تنسیخ تقسیم بنگال کی کوششیں جاری تھیں کہ ۱۹۰۶ء کے آغاز میں سکریٹری آف اسٹیٹ کی تقریر سے جدید ریفارم کی امید قائم ہوئی، نواب محسن الملک نے حیرت انگیز تنظیم کے ساتھ گورنمنٹ میں اپنی قوم کے سیاسی مطالبات پیش کرنے کی کارروائی شروع کردی اور چند ہی مہینہ کے اندر تمام ہندوستان کے تعلیم یافتہ اور ضرورت شناس مسلمان ایک مرکز پہ جمع ہوگئے بہت سے مباحث کے بعد میموریل مرتب ہوا جو ایک نمائندہ وفد[1] نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو گورنر جنرل ہند کے روبرو پیش کیا میموریل میں بیان کیا گیا تھا کہ :۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد از روئے مردم شماری ۱۹۰۱ء چھ کروڑ بیس لاکھ سے اوپر ہے گویا ملک معظم کی قلمرو ہند کی کل آبادی کے ایک خمس اور ایک ربع کے درمیان ہے اور اگر آبادی کے اس وحشی اور غیر مہذب حصہ کو قلم انداز کردیا جائے جس کی تفصیل جنگلی اور وحشی فرقوں کے عنوان سے کی گئی ہے اور نیز اگر ان فرقوں کو شمار سے خارج کیا جاوے جو عام طور سے ہندوؤں کے گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت ہندو نہیں ہیں تو مسلمانوں کی نسبت بہ اعتبار شمار کے ہندوؤں کی کثیر جماعت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوجاتی ہے نظر براں ہماری یہ عرض ہے کہ "ریپریزنٹیشن" (نیابت اور قائم مقامی) کا محدود یا وسیع جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اسکی رو سے مسلمان جو باستثنائے روس یورپ کی ہر دولت عالیہ کی آبادی سے زیادہ ہیں۔ اس امر کا انصافاً استحقاق رکھتے ہیں۔ کہ امور مملکت میں انکی وقعت و اہمیت پورے طور سے تسلیم کیجائے بلکہ ہم حضور کی اجازت سے اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھنے کی جرأت کرتے ہیں اور اس امر پہ زور دینا چاہتے ہیں کہ طریقہ قائم مقامی

---

[1] اس وفد کو کانگریس نے نہایت غصہ و غضب کی نظر سے دیکھا۔ اس کو حکومت کا پروردہ کہا گیا۔ چونکہ یہ کارروائی نہایت عجلت اور صیغہ راز میں ہوئی تھی۔ اور بجز خاص خاص لوگوں کے کسی کو علم نہ تھا۔ اس لئے جو کچھ مخالفت میں کہا گیا۔ اسکو مستند قرار دے لیا گیا۔ حکومت کو خود اس کے قبول کرنے میں تامل تھا۔ بڑی کوشش اور خاص شرائط (بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

(یعنی ریپریزنٹیشن) میں خواہ وہ بالواسطہ ہو بلاواسطہ اور تمام ان امور میں جو انکی وقعت وشان پر موثر ہوں مسلمانونکو جو درجہ عطا کیا جائے وہ نہ صرف انکی تعداد سے بلکہ ان کی سیاسی حیثیت کی اہمیت ووقعت ہے اور نیز سلطنت کی حفاظت میں جو ان کا قیمتی حصہ ہے اس سے بھی کافی نسبت رکھتا ہو اور شق آخر پر نظر ڈالتے وقت ہمیں حضور کی عنایت سے امید ہے کہ حضور اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں گے کہ آج سے کچھ اوپر ایک ہی صدی پہلے مسلمانوں کا رتبہ ہندوستان میں کیا تھا ؟ جسکی یاد ظاہر ہے کہ ان کے دل سے ابتک محو نہ ہوئی ہوگی"........

ہندوستان کے مسلمانوں کو اب تک اپنے فرمانرواؤں کی حق پسندی اور عدل گستری پر جو انکے خصائل کا جزو اعظم ہے اعتماد رہا ہے اسی لئے انہوں نے اپنے حقوق ودعاوی کو اس طور پر پیش کرنے سے احتراز کیا ہے جو باعث تکدر سرکار ہو ۔ اور ہماری تمنا ہے کہ مسلمانان ہند اپنی اسی پسندیدہ اور قدیم وضع پر قائم رہیں مگر مجبوری یہ آپڑی کہ بعض واقعات نے جو حال میں پیش آئے ہیں اور عام طور پر اور خصوصاً نوجوان مسلمانوں میں ایک جوش پیدا کر دیا جس سے اندیشہ ہے کہ بعض صورتوں اور مجبوریوں میں وہ جوش حد اعتدال سے گذر جائے اور بزرگوں کا نیک مشورہ اور معتدل ہدایت جسکا وہ ابتک اتباع کرتے آئے ہیں انکے قلوب پر مؤثر نہ ہو سکے.........

ہمیں امید ہے کہ حضور والا ہمیں معاف فرمائینگے اگر ہم پیش از پیش اس امر کا اظہار کریں کہ جو طریقہ نیابت وقائم مقامی رعایا کا یورپ میں رائج ہے وہ اہل ہند کیلئے بالکل نیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم کے بعض دور اندیش افراد کا خیال ہے کہ اس طریقہ کو ہندوستانکی موجودہ تمدنی اور سیاسی حالت پر کامیابی کے ساتھ منطبق کرنے کیلئے نہایت حزم واحتیاط وتامل اندیشی سے کام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷)

سے گورنر جنرل نے منظوری دی تھی ۔ افسوس یہ ہے ۔ کہ بعض کانگریس زدہ ذہنیت کے مسلمان بھی اس عقیدے کے حامل ہیں ۔ اور ضمیر فروشوں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں (تفصیل تذکرہ محسن میں ملاحظہ ہو)

لینا پڑیگا جو اگر نہ لیا گیا تو منجملہ اور خرابیوں کے ایک بہت بڑی خرابی یہ پیش آئیگی کہ ہمارے قومی اغراض کا سیاہ و سفید ایک ایسی جماعت کے حوالہ ہو جائے گا جسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے تاہم ایسی حالت میں جبکہ ہمارے فرمانرواؤں نے اپنے قومی اصول اور قدیم رسوم وعادات کے لحاظ سے مناسب تصور فرمایا ہے کہ اُن اصولوں کو ہمارے ملک کے نظم و نسق میں روز بروز زیادہ رواج دیا جائے ہم مسلمان اپنے قومی مفاد کو مدنظر رکھ کر آئندہ اس پالیسی کی اغراض سے کنارہ کشی کسی طرح نہیں کر سکتے۔" ....

لہٰذا ضرور ہے کہ اول ہم اس احسان کا اعتراف کریں جو حضور نے اور گذشتہ جلیل القدر ویسراؤں اور لوکل گورنمنٹوں کے اعلیٰ حکام نے اس بارہ میں ہم مسلمانوں پر محض اپنی منصف مزاجی وحق پسندی سے کیا ہے چنانچہ لیجسلیٹو کونسلوں میں مسلمان ممبر بہت قلیل استثنار کے ساتھ گورنمنٹ ہی کی طرف سے نامزد ہوتے رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنا بھی ضرور ہے کہ جو حصہ قائم مقامی اور نیابت کا ہمیں عطا ہوتا رہا ہے وہ ہماری ضروریات کیلئے ناکافی تھا۔ اس کے علاوہ جو لوگ کونسلوں کی ممبری کے لئے منتخب ہوئے وہ اس گروہ میں ہمیشہ مقبول نہ تھے جنکے اغراض کی حمایت کیلئے انکا انتخاب عمل میں آیا تھا اور غالباً موجودہ حالت کے لحاظ سے کوئی دوسری صورت ممکن بھی نہ تھی۔ کیونکہ ایک تو ان ممبروں کی تعداد جنکی نامزدگی حضور وائسرائے یا لوکل گورنمنٹوں کے اختیار میں تھی۔ بالکل محدود تھی اور دوسرے ایسی حالت میں جبکہ عام لوگوں کی مرضی اور پسند کے دریافت کرنیکا کوئی صحیح عملی طریقہ موجود نہ تھا۔ ایسے اشخاص کا منتخب ہونا نہایت دشوار امر تھا جو مقبول خاص وعام مسلمانان ثابت ہوں۔ الیکشن کے نتائج کی حالت یہ ہے کہ موجودہ قاعدوں کی رُو سے یہ امر بعید از قیاس ہے کہ ان جماعتوں کی طرف سے جنکو انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے۔ کسی مسلمان کا نام انتخاب کیلئے پیش کیا جائے تاوقتیکہ وہ اہم معاملات میں مجارٹی کے ساتھ ہمدردی کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارے ہندو ہموطنوں کی یہ خواہش قابل اعتراض نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ اپنی قوت سے پورا فائدہ اٹھا کر صرف اپنی قوم کے افراد کے حق میں ووٹ دیں یا غیر قوم کے ایسے کسی فرد کے حق میں جسکی نسبت یقین ہو کہ وہ ہندوؤں کی کثیر جماعت کی خواہش کے موافق رائے دیا کریگا۔ اور اسکے بغیر اسکو چارہ بھی نہ ہوگا کیونکہ آئندہ بھی دوبارہ انتخاب اس کا ہندوؤں کی رضامندی

پرموقوف ہوگا یہ سچ ہے کہ ہمارے اور ہمارے ہندو بھائیونکے بہت سے اغراض و مصالح مشترک ہیں اور ہمارے لئے ہمیشہ یہ امر نہایت اطمینان و مسرت کا باعث ہوگا کہ لیجسلیٹو کونسلوں میں قابل قابل اصحاب بلالحاظ مذہب و ملت ان اغراض و مصالح کی حمایت کیلئے موجود رہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قومی حیثیت سے ہم مسلمانوں کی ایک جداگانہ جماعت ہے۔ جو ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔ اور ہمارے بعض اغراض و مصالح ایسے ہیں۔ جن کا تعلق بلا مشارکت غیرے ہماری ذات سے ہے۔ اور جنہیں کسی دوسری قوم کو دخل نہیں ہے۔ اور چونکہ انکی حفاظت و حمایت اس وقت تک پورے طور پر نہیں کیگئی اسلئے ہم مسلمانونکو نقصان پہنچا یا ہے۔ حتیٰ کہ ان صوبوں میں جہاں مسلمانونکی تعداد بلحاظ آبادی بہت زیادہ ہے۔ وہاں انکے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کیا گیا کہ گویا پولیٹیکل لحاظ سے وہ بالکل بے وقعت ہیں اور گویا داعیۂ انصاف انکے ساتھ بے اعتنائی کئے جانے کا مانع نہیں ہے پنجاب میں ایک حد تک یہی حال رہا ہے مگر سندھ اور مشرقی بنگال میں مسلمانونکی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔

انتخاب وکلاء کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے سے پہلے ہم بادب یہ عرض کرنیکی اجازت چاہتے ہیں کہ کسی قوم کی پولیٹیکل وقعت کا بڑھنا یا گھٹنا زیادہ تر اس قوم کے ان ارکان کی تعداد پر منحصر ہوتا ہے۔ جو سرکاری ملازمت میں داخل ہیں۔ اگر بدقسمتی سے کسی قوم کی تعداد جیسی کہ مسلمانونکی حالت ہے سرکاری ملازمت میں قلیل ہو۔ تو اس قوم کی جائز وقعت اور اصلی سیاسی اثر کو نقصان پہونچتا ہے۔ لہذا ہماری سب سے پہلی التجا یہ ہے کہ گورنمنٹ ازراہ نوازش یہ انتظام فرمائے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں خدمات مندرجہ گزٹ و نیز خدمات ذیلی و خدمات متعلقہ دفاتر وغیرہ پر ہمیشہ ایک مناسب نسبت کے ساتھ مسلمانوں کا تقرر کیا جائے اگرچہ اس قسم کے احکام بعض صوبوں میں لوکل گورنمنٹوں نے گاہ بگاہ شائع کئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کا نفاذ کبھی بتقید عمل میں نہیں آیا جسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قابل مسلمان نہیں ملتے یہ بیان ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں صحیح ہو۔ مگر ہمکو امید ہے کہ آج کل یہ عذر ہرگز متصور نہ ہوگا۔ اور ہم حضور کو بمسرت تمام یقین دلا سکتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی تعداد مانگ سے ہرگز کم نہ پائی جائیگی۔ اگر حکام متعلقہ ان کے لینے سے منکر نہ ہوں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ جب سے لائق اور تعلیمیافتہ مسلمانونکی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانونکی درخواستیں صرف اس بناء پر رد کر دیجانے لگی ہیں۔ کہ ان اشخاص کا حق مرجح سمجھا جائیگا

جو بالاضافہ ان سے زیادہ لائق ہوں اس طرح پر گویا کہ اصول مقابلہ کی تدبیریں شکل کو ملک میں رواج دیا جاتا ہے۔ لہذا ہم نہایت ادب سے حضور والا کی توجہ اُن پولیٹکل قباحتوں کی طرف مائل کرتے ہیں۔ جو ایسی حالت میں پیدا ہوتی ہیں یعنی یہ کہ عمل مذکور سے وہ اثر و رسوخ و وقعت جو ملازمت سرکار سے حاصل ہوتی ہے ایک ہی فریق کا حصہ ہو جاتا ہے اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ حامیان تعلیم نے مسلمانوں میں تعلیمی تحریک کے آغاز ہی سے اس کیلئے سخت کوشش کی ہے کہ اخلاقی تربیت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا جائے اور ہمارے خیال میں اعلیٰ اخلاق کی درستی سرکاری ملازمین کیلئے زیادہ ضروری ہے بہ نسبت بیش از ضرورت علمی قابلیت کے ہم اس امر کے عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ عام طور پر ہندوستان کے تمام مسلمان اس بات سے آزردہ خاطر ہیں کہ ہائیکورٹوں اور چیف کورٹوں میں مسلمان جج بہت کم مقرر کئے جاتے ہیں۔ جب سے یہ عدالتیں قائم ہوئی ہیں۔ صرف تین مسلمان اس معزز خدمت پر مقرر کئے گئے ہیں۔ اور تینوں نے نمایاں طور پر اپنے آپ کو اس اعزاز کے قابل ثابت کیا۔ اس وقت ان عدالتوں میں سے ایک میں بھی کوئی مسلمان جج نظر نہیں آتا۔ حالانکہ بنگال کے ہائی کورٹ میں تین ہندو جج ہیں۔ جہاں کہ مسلمان آبادی کا ایک بہت بڑا جزو ہیں اور پنجاب کے چیف کورٹ میں جہاں کی مردم شماری کا جزو غالب مسلمان ہیں۔ دو ہندو جج مقرر ہیں اور تمام ہندوستان میں اس وقت دیکھا جائے تو مختلف ہائیکورٹوں، اور پنجاب کے چیف کورٹ میں ملکر آٹھ ہندو جج مقرر ہیں اسلئے مسلمانوں کی یہ درخواست ناقابل پذیرائی نہیں ہے کہ ہر ہائی کورٹ اور چیف کورٹ میں ایک مسلمان جج مقرر کیا جایا کرے۔ قابل مسلمان وکیل اور قانون داں ان عہدوں کیلئے بخوبی مل سکتے ہیں جو اگر ایک صوبہ میں نہیں تو دوسرے صوبہ سے ضرور دستیاب ہو سکتے ہیں۔ علاوہ بریں ہر ہائی کورٹ میں ایک مسلمان جج کے ہونے سے جو مسلمانوں کی شرع سے واقف ہو۔ انصاف و عدالت گستری میں مدد ملیگی۔

چونکہ تمام اہم مقامی معاملات کا تعلق میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں سے ہوتا ہے جسکا اثر بہت کچھ وہاں کے باشندوں کی صحت اور راحت اور ضروریات تعلیمی بلکہ فرائض مذہبی پر پڑتا ہے۔ اسلئے ہمیں امید ہے کہ حضور ہمیں معاف فرمائینگے اگر اہم معاملات پر بحث کرنیسے پہلے ہم حضور

کی توجہ تھوڑی دیر کیلئے مسلمانونکی اُس حیثیت کی طرف منعطف کریں جو انہیں ان مجالس میں حاصل ہے یہ مجالس سیلف گورنمنٹ کا ابتدائی زینہ ہیں۔ اور یہیں سے طریقہ نیابت وقائم مقامی کے اصول پورے طور پر لوگوں کے دل نشین ہوتے ہیں مگر مسلمانونکی حیثیت ان مجالس میں بھی کسی ایسے مقررہ اصول پر مبنی نہیں ہے۔ جنکا عملدرآمد ہر جگہ ہو سکے کیونکہ مختلف مقامات میں مختلف قواعد کی پابندی کیجاتی ہے۔ مثلاً علیگڈھ کی میونسپلٹی چھ محلوں پر منقسم ہے اور ہر محلہ سے ایک ہندو اور ایک مسلمان ممبر منتخب ہوتا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہی اصول پنجاب اور دوسری جگہوں کی بعض اور میونسپلیٹیوں میں بھی رائج ہے لیکن بہت سے مقامات میں مسلمان ممبروں کی تعداد جسقدر کہ ہونی چاہیے منتخب نہیں ہوتی۔ اسلئے ہم نہایت ادب سے التماس کرتے ہیں کہ مقامی حکام کو ہدایت کی جائے کہ ہر جگہ پر مسلمان اور ہندو ممبروں کی تعداد جس نسبت سے وہاں کی **میونسپل** اور لوکل **بورڈز** میں ہونی چاہیئے۔ صاف طور سے بتائی جائے۔ اور ہر قوم کے ممبرونکی نسبت کا تعین اس قوم کی مردم شماری اور ممبرونکی ذاتی حیثیت و وقعت اور مقامی اثر اور ضروریات کے لحاظ سے کیا جائے۔ جب اس امر کا تعین کیا جا چکے کہ ہر قوم کے اسقدر ارکان کو ممبری کا استحقاق ہوگا۔ تو ہماری رائے میں مناسب ہوگا کہ ہر قوم کو اپنے اپنے وکلاء کے منتخب کرنیکی اجازت دیجائے۔ جیسا کہ پنجاب کے اکثر شہروں میں عمل درآمد ہے؛

ہم اب اپنی رائے اس بارہ میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ملک کی لیجسلیٹو کونسلوں میں ہمارا حصہ کسقدر ہونا چاہیئے اول ہم پراونشل کونسلوں کا ذکر کرتے ہیں اسکے متعلق ہماری گذارش یہ ہے کہ جس طرح میونسپل کمیٹیوں اور لوکل بورڈوں میں مسلمان ممبرونکی تعداد کا تعین کیا جائے اسی طرح یہاں بھی تعداد مقرر کردیجائے اُن تمام امور کا پورا لحاظ رکھکر جنکا ذکر ہمنے اس عرضداشت کی دفعہ (۵) میں کیا ہے اور سربرآوردہ مسلمان جاگیرداروں، تعلقداروں، زمینداروں، تجاروں، اور بڑے بڑے شہروں کے معزز باشندوں، میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے مسلمان ممبروں اور یونیورسٹیوں کے مسلمان رجسٹرڈ گریجوئیٹوں کو جنکو پاس کئے ہوئے کچھ عرصہ مثلاً پانچ سال گذر چکے ہوں۔ حق انتخاب عطا کیا جائے اور انکو اختیار دیا جائے کہ ان قواعد کی رو سے جو حضور اس بارہ میں نافذ فرمائیں۔ اس قدر تعداد مسلمان ممبروں کی منتخب کریں جو قرار پا چکی ہو؛

امپیریل لیجسلیٹیو کونسل کے متعلق جہاں مسلمانوں کی اغراض کی حفاظت اور حمایت کیلئے کافی تعداد مسلمان ممبروں کی ہونی نہایت ضروری اور بہت ہی اہم ہے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ :-

(۱) اس کونسل میں مسلمان ممبروں کی تعداد انکی قوم کی مردم شماری کی نسبت سے نہ قرار دی جائے - اور کسی صورت میں انکی تعداد اسقدر کم نہ ہو کہ ان کا کوئی اثر ہی نہ پڑ سکے - اور عدم وجود برابر ہو جائے -

(۲) حتی الوسع طریقہ انتخاب کو طریقہ نامزدگی پر ترجیح دیجائے -

(۳) مسلمان ممبروں کے انتخاب کیلئے مسلمان جاگیرداروں - تعلقہ داروں - زمینداروں، قانون دانوں، تاجروں، اور بڑے بڑے شہروں کے سربرآوردہ باشندوں کو (جنکی حیثیت کا تعین گورنمنٹ کیطرف سے ہوگا) اور پراونشل کونسل کے مسلمان ممبروں اور یونیورسٹی کے مسلمان فیلوؤں کو انتخاب کرنیکا حق دیا جائے - جو اپنے اختیارات کو ان قواعد کے موافق عمل میں لائیں - جو حضور والا اس بارہ میں نافذ فرمائیں "

کچھ دن سے ہم سنتے ہیں کہ ایسا بھی خیال ہے کہ حضور والسرائے کے ایگزیکٹیو کونسل میں ایک یا زیادہ دیسی ممبر مقرر کئے جائیں - اگر ہندوستانیوں کو اس قسم کی خدمات کا دینا مناسب خیال کیا جائے تو ہم التجا کرتے ہیں کہ اس بارے میں مسلمانوں کے حقوق نظر انداز نہ کئے جائیں - ہم یہ عرض کرنیکی جرات کرتے ہیں کہ ملک میں ایک سے زیادہ مسلمان ایسے مل سکینگے جو ان خدمات کی عمدگی کے ساتھ انجام دہی کی قابلیت رکھتے ہوں " . . . .

اس ایڈریس کا گورنر جنرل نے حوصلہ افزا اور پُر امید جواب دیا اور اس میں یقین دلایا کہ -

"مسلمانان ہند مطمئن رہ سکتے ہیں - کہ جب تک میرا تعلق اس ملک کے انتظامی ابواب سے باقی ہے انکے قومی حقوق و مقاصد کا پورا لحاظ کیا جائیگا "

اسی سال بمقام ڈھاکہ مسلم لیگ کی تاسیس ہوئی جس کیلئے گذشتہ چھ سال سے جد وجہد تھی - اسکا ابتدائی نصب العین[۱] مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی محافظت و ترقی اور حکومت کی وفاداری کے ساتھ ہمسایہ اقوام سے اتفاق و اتحاد تھا - مگر ہندوؤں کی ایک زبردست جماعت نے ان حقوق کے

---

[۱] سنہ ۱۹۱۳ء میں " ہندوستان میں بلحاظ حالات حکومت خود مختاری " لیگ کے نصب العین (بقیہ ص۳۴ پر)

خلاف نہایت سخت جدوجہد کی ادھر وزیر ہند لارڈ مارلے نے ۲۷ نومبر ۱۹۰۸ء کو جو مراسلہ حکومتِ ہند کے پاس بھیجا اس میں مسلم نمائندگی کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے مخلوط انتخاب کا بھی ایک طریقہ پیش کیا، جس سے مسلمانوں میں بہت زیادہ انتشار و تردد پیدا ہوا۔ اور لندن مسلم لیگ کا ایک وفد سید امیر علی کی قیادت میں لارڈ ملے کی خدمت میں پیش ہوا۔ تمائندہ وفد نے اس امر پر زور دیا کہ (۱۰) ملتیں مسلمانوں کے نظریہ میں عمومیت ہے اور ان کی نسلی روایات اور مذہب میں ان لوگوں سے علیحدگی ہے جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ ہم جو کہ ایک قومیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ تو ہماری قومیت اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ اور قوموں کی ہماری خواہشیں اور ہمارے جذبات اور پالیسی قائم کرنے میں ہمارے مفاد کا لحاظ اتنے اہم عناصر ہیں جتنے کہ دوسروں کے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ مخلوط انتخاب میں جو نمائندگی ہوگی۔ وہ مسلمانوں کیلئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ مسلمانانِ ہند خیال کرتے ہیں کہ انکی نمائندگی دوسروں کی خواہش پر نہو بلکہ آزادانہ ہو اور صرف اسی صورت میں جو مراعات ہندوستانکو دیجارہی ہیں ہم اسکا فائدہ حاصل کرسکتے ہیں

وزیر ہند نے جواب میں اطمینان دلایا کہ آپکا اور حکومت کا مطمح نظر ایک ہے میرے ڈسپیچ کی جو زبان ہے وہ مخلوط انتخاب پر کہیں زور نہیں دیتی۔

تیسرے مہینہ وزیر اعظم نے بھی دار العلوم میں بل کی دوسری خواندگی کے موقع پر اعتراف لیا اور کہا کہ بلاشبہ مسلمانوں کیلئے بھی ایک الگ رجسٹر ہوگا۔ گو بادی النظر میں قابل اعتراض بات ہے کہ مذہبی اختلاف کیوجہ سے لوگوں میں فرقہ وارانہ تقسیم کیجائے۔ مگر میرے خیال میں یہ خوفناک اعتراض نہیں ہے۔ صرف مذہبی اختلاف نہیں۔ بلکہ تاریخی روایات کی وجہ سے۔ اور دوسری وجہ سماجی اصول اور عادات میں اختلاف ہے۔

مگر ہندوستان میں چند مسلمان بھی تحفظ نشست کے ساتھ مخلوط انتخاب پر راضی ہوگئے۔ یہ

(بقیہ صفحہ ۳۳)

کی ترقی ہوئی تاآن کہ ۱۹۳۲ء میں (۱) تمام جائز اور پُرامن ذرائع اور مسلمانوں کیلئے کافی اور حقیقی تحفظات کے ساتھ کامل ذمہ دار حکومت کا حصول (۲) مسلمانانِ ہند کے مذہبی و سیاسی اور دیگر حقوق کی محافظت اور ان کی ترقی (۳) مسلمانانِ ہند اور دیگر اقوام کے درمیان دوستی اور باہم دگر تعلقات کا بڑھانا (۴) ہندوستان کے اور دیگر ممالک کے مسلمانوں میں برادرانہ تعلقات (بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

یہ لوگ اس زمانہ کی سیاسیات میں کچھ امتیاز رکھتے تھے۔ اس وجہ سے قوم میں ایک قسم کا انتشار خیال و فکر ہوا۔

نواب وقار الملک نے قوم کے اصرار سے اسی سلسلہ میں دو مضامین لکھے۔ جس میں انہوں نے جداگانہ انتخاب کے وجوہ اصرار کی وضاحت کی۔

پہلے مضمون میں انہوں نے لکھا کہ :-

بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق اسوقت ہندوستان کے مسلمانوں کی دو رائیں ہو رہی ہیں غلبہ رائے جسکو سواد اعظم کہنا چاہیئے یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب میں شریک نہ ہونا چاہیئے۔ اور ایک چھوٹے سے گروہ کی رائے جن میں بہت کم حضرات شامل ہیں۔ اور جن میں ہمارے محترم اور معزز دوست **سید علی امام** صاحب بھی شریک ہیں۔ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب سے بھی فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ جو معزز حضرات یہ رائے رکھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کو مشترک انتخاب میں شریک ہونا چاہیئے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتفاق اور یکجہتی باقی رہے گی۔ اور مسلمانوں کا کلیتہً مشترک انتخاب سے علیحدہ رہ جانا انکو اپنے ایک بہت بڑے معزز اور مقتدر ہندو گروہ سے بالکل علیحدہ کر دیگا۔ اور دونوں گروہوں میں بجائے محبت کے کشیدگی اور رفتہ رفتہ دشمنی پیدا ہو جائیگی۔ میں بھی اسکے متعلق یہ ضرور کہونگا۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی یہ پالیسی رکھنی چاہیئے کہ جس طرح ہمیشہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ویسا ہی آئندہ بھی برقرار رہنا چاہیئے۔ اور بدون اپنے پولٹیکل حقوق کو صدمہ پہونچائے ہوئے جہاں تک ممکن ہے۔ یہ کوشش ہونی چاہیئے۔ کہ دونوں گروہ باہم شیر و شکر رہیں ۔

(بقیہ صفحہ ۳۴ کا)

کا قیام و استحکام نصب العین ہوگیا۔ کانگریس نے بھی نصب العین میں اسی طرح تدریجی ترقی کی ۱۸۸۸ سے ۱۹۰۵ تک صرف ریفارم مطمع نظر تھا ۱۹۰۶ تک سیلف گورنمنٹ، ۱۹۱۷ سے ۱۹۲۰ تک ہوم رول اور ۱۹۲۱ میں سوراج اور ۱۹۲۹ میں مکمل آزادی ہوا۔

مسلمانوں میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ جس شد و مد سے حسن سلوک کی تاکید ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی اور مذہب و ملت میں ایسی تاکید نہیں ہے۔ ہمارے ہندو دوست ہمارے ہمسایہ ہیں۔ اور ہمکو اپنے مذہب کے مطابق ان کے ساتھ کامل ہمدردی اور سلوک کے ساتھ بسر کرنا چاہیئے اور چونکہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مسلمان اگر مشترک انتخاب میں شریک ہونگے تو اُن میں اور ہندوؤں میں جھگڑے اور قضیے پیدا ہونگے اور ہمارے قدیمی تعلقات میں انکی وجہ سے خرابی پیدا ہوگی۔ لہٰذا میں مشترک انتخاب میں مسلمانوں کو شریک ہونیکی صلاح نہیں دیسکتا۔

مسلمانوں کا مشترک انتخاب میں شریک ہونا مسلمانوں کیلئے ضرور مُضر ہوگا۔ ہمارے لئے صلاح وقت یہی ہے۔ کہ مشترک انتخاب سے علیحدہ رہیں اور جو کچھ ہمکو گورنمنٹ علیحدہ ہمارے انتخاب کے ذریعہ سے دے۔ اسی پر قانع رہیں۔ اور اگر سمجھیں کہ اس میں ہماری پوری دادرسی نہیں ہوئی ہے تو لگاتار اپنی عذرات کو ادب اور اعتدال کے ساتھ گورنمنٹ میں پیش کرتے رہیں۔ اور یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر ہماری معروضات واجبی ہونگی۔ تو آج نہیں کل، اور کل نہیں پرسوں، ایک نہ ایک دن ضرور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور جدید ریفارم اسکیم جاری ہوتے وقت اگر ہمارا پورا حق ہمکو نہ ملے۔ اور اسمیں کسی قدر کسر رہ جاوے۔ تو اس سے بددل اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اور مودبانہ کوشش کو جاری رکھنا چاہیئے؛

اب اس مسئلہ کو ایک دوسری نگاہ سے بھی دیکھنا چاہیئے۔ مشترک انتخاب میں ہم نے اپنے آپکو شریک کیا۔ تو آیا ہمکو اس میں کوئی کامیابی ہوگی ؟ میں نہایت زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ ناکامیابی یقینی ہے اور ذلت و رسوائی مزید بر آں مشترک انتخاب کیوقت ظاہر ہے۔ اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ مجارٹی ہندوؤں کی ہوگی۔ ہم کتنی ہی دوڑ دھوپ کریں۔ اور جنکے سامنے ہم کبھی اپنی ذاتی حاجت پیش کرنا نہ چاہتے تھے۔ اُنکے دروازے پر بار بار دوڑے جاویں، اور ہمارے کارندے اور عزیز اُنکی خوشامد و منت کریں۔ مگر ہم ہندوؤں کی مجارٹی پر غالب نہ آسکیں گے۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم ناکامیاب ہوں گے۔ اور دست گدائی دراز کرنے کی ذلت و رسوائی جو حاصل ہوگی۔ وہ اس پر مستزاد۔

اور اگر کسی مقام پر کوئی کامیابی ہوئی بھی تو وہ ہماری کوششوں کیوجہ سے نہ ہوگی۔ بلکہ وہ دوسرے غالب گروہ کی محض مہربانی کیوجہ سے ہوگی جسکی نسبت کیا خوب کہا گیا ہے ؎

حقا کہ باعقوبت دوزخ برابر است ⁂ رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

اور پھر وہ مہربانی معلوم نہیں کہ کس قسم کے معاوضوں اور اقراروں پر مبنی ہوگی۔ اور اس کے بدل میں کس کس مضمون کے خطوطِ غلامی تحریر ہونگے۔ اور کس کس قسم کے اقرار کئے جاوینگے۔ اب بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کونشینل کانگریس بعض مسلمانوںکو اپنی پریسیڈنٹی کے عہدہ تک سے سرفراز فرماتی ہے۔ لیکن پھر کیا وہ مسلمان بزرگوار مسلمانوں کے کسی کام کے ہوتے ہیں، ہمارے وہ ایک دفتری کام کے بھی نہیں ہوتے۔ اس طرح اگر اپنی قوم کی اور اپنے قومی حقوق کی قربانی کرکے کسی نے کوئی ممبری حاصل بھی کی۔ تو ایسی ممبری انہیں کو مبارک رہے۔ قوم کو اُن سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ بلکہ ایسے ممبر قوم کے حق میں بعض اوقات سخت مضرت کا موجب ہونگے۔ چونکہ جب وہ ظاہر میں مسلمانوںکے ناموں کے ساتھ کونسل میں نشست کریں۔ اور ووٹ وہ دیں۔ جو مسلمانوںکے قومی حقوق کو پامال کرنیوالا ہو۔ تو ایسے ووٹوں سے مسلمانوںکو بہ نسبت خالص ہندو صاحبوںکے بہت زیادہ نقصان پہونچ جاویگا۔

جن مقامات میں مردم شماری میں مسلمان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ ہیں۔ کیا وہاں ہم ہندوؤں سے بازی لیجاوینگے۔ آج کے زمانہ میں تو یہ خیال بھی قریباً قریباً صحیح ثابت ہونا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں کوئی فوج اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے غلبہ نہیں پاسکتی۔ آج فتح حاصل کرنے کیلئے عمدہ ترین اسلحہ اور سامان کیضرورت ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ کی سلاح جنگ میں اعلیٰ تعلیم ہے۔ دولت ہے پولٹیکل قوت اور اتحاد ہے۔ اور جدوجہد ہے اور ان سب باتوں میں ہم اپنے دوسرے گروہ سے بہت زیادہ کم ہیں۔ لہذا کوئی امید نہیں کہ صرف ہماری مردم شماری اُن مقامات میں بھی ہمکو کچھ مدد دیسکے۔ مجھ سے صوبہ شرقی بنگالہ کے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے مسلمان رئیس جو اس وقت ایک قانونی کونسل کے ممبر بھی ہیں ناقل تھے کہ وہاں ایک موضع کا زمیندار مسلمان تھا۔ اور رعایا میں بھی مسلمانوں کی تعداد غالب تھی۔ وہاں ایک ممبری کیلئے ایک مسلمان اور ایک ہندو امیدوار میں مقابلہ ہوا اِن زمیندار صاحب کی حالت یہ تھی۔ کہ ان کا وکیل ہندو تھا۔ مہاجن ہندو تھا۔ انکا ذاتی خزانچی ہندو تھا۔ ڈاکٹر ہندو تھا۔ یہ سب مل کر زمیندار کے پاس گئے، اور اُن پر دباؤ ڈالا کہ آپ اپنا آدمی ہمارے ساتھ کردیں۔ تاکہ وہ آپکی طرف

سے تاکید کر کے آپکی مسلمان رعایا کے ووٹ ہندو امیدوار کو دلا دے اور مسلمان زمیندار سے اس وقت کچھ بن نہ پڑا۔ اور اپنے وکیل و مہاجن و ڈاکٹر کی فرمائش کی تعمیل کرنی پڑی۔ اور ہندو امیدوار کامیاب ہوگیا یہ اس صوبہ شرقی کی حالت ہے جہاں مسلمان کل آبادی میں تین ربع کے قریب ہیں تا بدیگراں چہ رسد

آخر میں میں پھر بہت زور سے یہی کہتا ہوں کہ مشترک انتخاب کے اکھاڑے میں مسلمانونکو اترنا نہیں چاہیئے۔ جہاں سوائے ناکامی اور ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور مسلمانونکو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم کو اسی ملک میں رہنا ہے یہیں جینا ہے، اور یہیں مرنا ہے۔ ہندوؤں سے بگاڑ کر ہمکو راتونکو آرام کی نیند سونا بھی میسر نہ آسکیگا۔ شرقی بنگال ہی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں ہندو زمینداروں نے اپنی مسلمان رعایا کو جھوٹے مقدمات میں گرفتار مصیبت کرایا۔ اور جب ناکردہ گناہ رعایا جیلخانہ میں گئی۔ تو وہاں بنگالی جیلر نے انکی خبر لی یہ سب مظالم ہوتے رہے اور پولس انکا کوئی تدارک نہ کر سکی۔ ہمارے اس ملک کی حالت ابھی خدانخواستہ اس حد تک نہیں پہونچی۔ اور اس خدا کا شکر کرنا چاہیئے اور ایسی غلطیاں نہ کرنی چاہئیں جس میں ہمارے اور ہمارے ابنائے وطن ہندوؤں کے باہم رنج اور فساد کی آگ ہمیشہ مشتعل رہے اور ایک دوسرے کے دشمن بنجاویں۔

دوسرے مضمون کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے

گورنمنٹ کی پالیسی اب یہ ہے کہ کونسل ہائے قانون کی ممبری کے متعلق ایک حصہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے مشترک بھی چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ دونوں گروہ صلح سے یا جنگ سے جس طرح مناسب سمجھیں۔ اپنی اپنی کامیابی کیلئے کوشش کریں اس پالیسی سے گورنمنٹ کو ایک فائدہ تو یہ ہوگیا ہے کہ ہندوؤں کا کثیر گروہ جو گورنمنٹ سے یہ شکایت کرتا تھا۔ کہ مسلمانونکو مردم شماری سے زیادہ جو کچھ ان کی پولٹیکل عظمت کے لحاظ سے دینا تجویز کیا گیا وہ انکے نزدیک خلاف انصاف ہے اب

نوٹ:۔ یہ صاف تجربہ جہانسی کے انتخاب ضمنی ۱۹۳۷ء میں بھی ہوا جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نامزد امیدواروں کا مقابلہ تھا۔ ہندو زمینداروں نے مسلمان ووٹروں پر کانگریس کے امیدوار مسٹر نثار احمد خاں شیروانی کے لئے کافی دباؤ ڈالا۔

اس شکایت کے جواب میں بجائے اس کے کہ نہایت مضبوط اور صاف آواز سے کہہ دیا جاتا کہ گورنمنٹ کا یہ فیصلہ واقعات اور واجبیت پر مبنی ہے۔ اب ان شکایت کرنیوالوں کو یہ کہکر مطمئن اور ساکت کر دیا جاویگا۔ کہ مسلمانوں کا وہ زائد حصہ اب تمہاری ہی مجارٹی کے اختیار میں ہے چاہے انکو دو یا نہ دو تم جانو اور تمہارا کام جانے۔

دوسرا پہلو گورنمنٹ کی پالیسی کا ایک اور ہے جسکی نسبت بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت سے اشخاص اس پالیسی کی نسبت یہ بدگمانی کرتے ہیں کہ مشترک انتخاب کو قائم کرکے گورنمنٹ نے اپنی رعایا کے دو بڑے گروہوں میں مخالفت کی بنیاد قائم کر دی ہے، تاکہ وہ دونوں باہم کسیوقت متحد نہ ہونے پاویں کیونکہ اگر مسلمان اور ہندو اس ملک میں کسیوقت متحد اور متفق ہو جاویں۔ تو جو کچھ ملکی حقوق ایک تعلیمیافتہ ملک کو اعلیٰ گورنمنٹ سے انصافاً ملنے واجبی ہیں۔ انکو گورنمنٹ زیادہ عرصہ تک نہ روک سکیگی۔ یہ حالات کچھ نئے نہیں ہیں۔ بہت مدت سے اسکا چرچا ہو رہا ہے۔ اور اگلے میں تعلیمیافتہ گروہ میں اس سے اکثر اختلاف ہوتا تھا اور اب بھی جسکی تعلیم بہت اعلیٰ ہے اور جو گورنمنٹ کی ذمہ واریوں اور اسکے اعلیٰ فرائض سے بخوبی واقف ہیں اور جنکو خاص طور پر گورنمنٹ کے کاروبار میں شریک رہنے کا زیادہ موقع ملا ہے وہ قبول نہیں کرتے کہ گورنمنٹ ایسی تنگ دلی کی پالیسی اپنی رعایا کے متعلق اختیار کریگی۔

خیر وجوہ کچھ ہی ہوں گورنمنٹ نے جب یہ پالیسی اختیار کر لی ہے کہ ملک میں ایک حصہ مشترک انتخاب کا بھی قائم رکھا جائے تو اب افسرانِ گورنمنٹ کی طرف سے بھی یہ لازمی امر ہے کہ وہ کم از کم درپردہ اسبات کی سعی کریں کہ ہندو اور مسلمان دونوں مشترک انتخاب میں شریک ہوں، جہانتک ہندوؤں کا اس سے تعلق ہے وہانتک چونکہ مجارٹی انکی ہے لہٰذا انکی نسبت مجارٹی کا لفظ ایک فرضی لفظ ہے دراصل جہاں تک اشتراک اور عدم اشتراک سے بحث ہو سکتی ہے وہ مسلمانوں ہی سے متعلق ہے۔ مسلمان روسا و اُمرا کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جنہوں نے اعلےٰ تعلیم پائی ہے یا انکی خداداد دماغی قوت نے انکو ضروریات زمانہ سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے۔ اور وہ عزت کے اصل مفہوم کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور دوسرے پرانی وضع قطع کے نئے تعلیم یافتہ حضرات ان میں سے اول الذکر تو گورنمنٹ سے صاف صاف ملک کی موجودہ حالتوں اور ضرورتوں کو بیان کرکے مشترک انتخاب سے اپنے آپ کو

علیحدہ رکھینگے ۔ مگر اس گروہ کی تعداد ابھی بہت کم ہے اور دوسرا گروہ جنکی تعداد بھی زیادہ ہے انکو گورنمنٹ کے اعلیٰ افسران کے ایماء سے گریز کرنا ناممکن کے قریب ہوگا اور گو وہ اپنے دل میں کیسا ہی پیچ و تاب کھائیں اور مشترکہ مقابلہ کی مشکلات اور ادنےٰ ادنےٰ لوگوں کے سامنے التجا لیجانے کو وہ کیسا ہی معیوب اور اپنی قدیمی وضع کے خلاف سمجھیں لیکن طوعاً و کرہاً انکو مشترک انتخاب میں شریک ہونا پڑیگا ۔ نتیجہ میں اگر وہ کامیاب ہوئے تو مختلف قسم کے ایسے اسباب پر مبنی ہوگا جس کو اول الذکر گروہ برداشت نہ کرسکتا تھا تو فبہا ورنہ گورنمنٹ دوسرے طریقہ سے انکی اشک شوئی کریگی اور ان کو عزتوں سے سرفراز کریگی جنکو وہ گروہ غلطی سے عزت سمجھے ہوئے ہے اس دوسرے گروہ کی نسبت میں بلا تامل یہ کہونگا کہ چاہے مقابلہ کیوقت انکو کیسی ہی ندامت برداشت کرنی پڑی ہو ۔ لیکن ان کی خیر خواہی اور وفاداری میں جسکو گورنمنٹ وفاداری سمجھتی ہے اس ناکامی کیوجہ سے کوئی فرق نہ آویگا ۔ اور وہ گورنمنٹ کے ایسے ہی خیر خواہ اور وفادار رہینگے جیسے کہ پہلے تھے ۔

لیکن اوّل الذکر تعلیم یافتہ مسلمان گروہ میں سے اگر کوئی مشترک انتخاب کا حامی بنا تو اس کی حالت بالکل دوسری ہوگی ۔ امارت اور بڑی بڑی تعلقہ داریوں اور زمینداروں سے قطع نظر کرکے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان گراجوئیٹوں میں سے اگر کسی نے یہ رائے قائم کی کہ مشترک انتخاب میں حصہ لینا ملک کیلئے مفید ہے تو اس قسم کے اہل الرائے سے جو گروہ بنے گا وہ ایک ایسا گروہ ہوگا جسکی قوت کو آخر الامر گورنمنٹ اس خوشی اور اطمینان سے نہ دیکھ سکیگی ۔ جس طرح کہ آج دیکھیگی ۔ ایک تعلیمیافتہ شخص اپنی یہ رائے اسی وقت قائم کریگا جبکہ یا تو وہ کانگریس کا مرید بن چکا ہے یا وہ ملکی محبت میں اسدرجہ سرشار ہوگیا ہے جنے قوم قوم کی صدا کو اپنے لئے موجب ننگ سمجھ لیا ہے ۔ اور "بندہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم" اسکی رگ و پے میں سرایت کرچکا ہے وہ صرف اس زاد بوم کی آزادی چاہتا ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے گو کہ اسکی قوم پامال ہی کیوں نہ ہو جائے اسدرجہ کے لوگ جنکو میں حد سے بڑھجانیوالا دیوانہ ملکی دیوانہ کہونگا اور انکی نیک نیتی کیوجہ سے انکی بہت ہی عزت کرونگا ضرور مشترک انتخاب میں خوشی سے حصہ لینگے اور ہندوونکی اکسٹریمسٹ گروہ کے نشوونما کو میں گورنمنٹ کی اس غلط پالیسی کا نتیجہ قرار دونگا ۔ جو اس نے مشترکہ انتخاب کے قائم کرنے میں اختیار کی ہے ۔

اسی طرح ایک اور اندیشہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمان مشترک انتخاب میں بار بار زک پاوینگے اور ذلیل و خوار ہوں گے تو عجب نہیں جو کسیوقت وہ یہ سمجھ جاویں۔ کہ یہ مشترک انتخاب کا کوئی محفوظ راستہ نہیں ہے جو گورنمنٹ نے ہمارے لئے تیار کیا ہے اور جسطرح بسا اوقات مایوسی بھی ایک ذریعہ کامیابی کا ہو جاتی ہے وہ اس آپس کے جھگڑوں سے باز آئیں اور باہم شیر و شکر ہو کر بہ تعداد کثیر نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم پر دکھائی دینے لگیں، اور یاد رکھو کہ جو لوگ اس طرح پلٹا کھائینگے وہ ماڈریٹ پارٹی میں شامل نہ ہونگے بلکہ سیدھے اکسٹریمسٹ پارٹی کا جزو ہو جائینگے"۔

غرض ہندوستان میں مسلمانوں کی عام رائے جداگانہ انتخاب کے متعلق نہایت سخت ہوگئی اسی رائے کی تائید میں لندن مسلم لیگ کے ایک وفد نے بھی وزیر ہند کی خدمت میں احتجاج پیش کیا۔ رائٹ آنریبل **سید امیر علی** نے جو اس وفد کے صدر تھے اپنی تقریر میں اس امر پر بہت زور دیا کہ مخلوط انتخاب میں ایسے مسلمان منتخب نہ ہو سکیں گے جو مسلم مفاد کی صحیح طور پر ترجمانی کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کی قومی اہمیت انکی تشکیل اور خاص حالت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مخلوط انتخاب کا طریقہ مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہوگا۔ انکی نمائندگی دوسروں کی خواہش پر نہ ہو بلکہ آزادانہ ہو، اور اسی صورت میں وہ ان رعایات سے مستفید ہو سکتے ہیں جو ہندوستان کو دیجا رہی ہیں۔ وزیر ہند نے ہمدردانہ جواب میں اس امر کی طرف اشارہ کیا۔ کہ ڈسپیچ میں کہیں مخلوط انتخاب پر زور نہیں دیا گیا اور پھر یکم اپریل ۱۹۰۹ء کو نائب وزیر ہند نے دارالعوام میں کہا کہ "ایسے لوگوں نے جو ہماری طرف سے کچھ کہنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں ان (مسلمانوں) سے پختہ وعدے کئے ہیں۔ کہ انہیں اسیقدر اور اسی قسم کی نیابت دیجائیگی۔ جو انکی خواہشوں کے مطابق ہوگی...... ہم اس وعدے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور نہ ہمیں ہٹنا چاہیئے۔ اور نہ ہم پیچھے ہٹیں گے۔ مسٹر ایسکوتھ وزیر اعظم نے انڈیا بل کی دوسری خواندگی کے موقع پر انتخاب جداگانہ کے اسباب و علل پر اظہار خیال کر کے اس کو تسلیم کر لیا۔

باب سوئم

تقسیم بنگال اور منٹو مارلے ریفارم اسکیم کے نفاذ کے بعد ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۱ء ہند سیاسیین میں

حکومت سے زیادہ مسلمان کے ساتھ نفرت وغصہ پیدا ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے فسادات ہوئے اور تعلیمیافتہ طبقات میں بھی کشمکش ہو گئی۔ آنریبل مسٹر گوکھلے نے جو اسوقت کے سیاسین میں زبردست شخصیت رکھتے تھے ۱۹۰۷ء میں باہمی اتحاد کیلئے ایک دورہ کیا۔ لکھنؤ اور علیگڈھ میں انکی زبردست تقریریں ہوئیں۔ ایک تقریر میں انہوں نے اتحاد کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ چونکہ مسلمانوں کا گروہ تعداد میں ہندوؤں سے کم ہے لہذا انکو خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم انگریزوں کی حکومت سے نکلکر ہندوؤنکی حکومت میں آجائیں یہ خیال ایسا نہیں کہ اسکو مذاق میں اڑادیا جائے جو حالت بلحاظ مردم شماری وغیرہ اسوقت مسلمانونکی ہے۔ اگر یہی حالت ہندوونکی ہوتی۔ تو کیا عجب ہے کہ یہی اعتراض ہمارے دلونمیں خطور کرتا۔ اور ہم بھی اس خیال کو پیش نظر رکھتے اور اسی پالیسی پر عمل کرنیکو تیار ہوتے جسپر کہ اسوقت مسلمان عمل کر رہے ہیں نواب محسن الملک نے بھی ایک دعوت میں مسٹر گوکھلے کے جام صحت کی تجویز پر تائیدی تقریر میں ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر اظہار خیال کیا، اور مغربی تعلیم سے قبل ہندو مسلمانونکی یگانگی اور اتحاد کے تذکرہ کے بعد کہا کہ:۔

لیکن جب سے مغربی تعلیم ہندوستان میں پھیلی ہے روز بروز اختلاف بلکہ مخالفت پیدا ہوتی جاتی ہے اور دوستی کی جگہ باہمی نفرت بڑھتی جاتی ہے اتحاد اور ارتباط کی خوبی اور ضرورت پر بڑے بڑے لکچر دیئے جاتے ہیں۔ بہت پر جوش تقریریں کیجاتی ہیں میں نہیں سمجھتا کہ یہ مقصد فصیح و بلیغ لیکچروں کے دینے اور اتحاد و ارتباط کی خوبی پر پر زور تقریریں کرنے سے حاصل ہوگا جب تک کہنے والے خود ان باتوں کو دور نہ کریں۔ جو باعث اختلاف اور ذریعہ مخالفت ہیں میں دیکھتا ہوں کہ جو غار ہندو اور مسلمانوں کے بیچ میں حائل ہے بعض نیک دل اور ملک دوست اسپر پل باندھنے اور اسکو ہموار کرنے کی ضرورت سمجھتے اور اس کیلئے نصیحت کرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ روز بروز وہ غار زیادہ گہرا زیادہ چوڑا ہوتا جاتا ہے زبان سے کہا جاتا ہے کہ اینٹ لاؤ چونہ لاؤ، اور اس غار کو برابر کرو۔ مگر ہاتھ میں پھاوڑے اور کدال ہیں اور بجائے بھرنے کے وہ غار اور وسیع اور عمیق کیا جاتا ہے۔"

پھر کہا کہ :۔ . . . .

ہے ان لوگونکو جو درحقیقت اتحاد کے خواہاں ہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس مہلک بیماری کا علاج زبان سے نہیں ہو سکتا، بلکہ ہاتھ سے، یہ اختلاف پلیٹ فارم پر فصیح و بلیغ لیکچر دینے سے دور نہیں ہو سکتا، بلکہ وجوہ اختلاف پر غور کرنے، اور اسکے دفع کرنیکی تدبیروں کے عمل میں لانے سے ہو سکتا ہے "

اسکے بعد انہوں نے تمثیلاً صوبہ متحدہ میں اُردو کے مٹانیکی جو کوششیں مدعیان اتحاد کیطرف سے ہو رہی تھیں اُنکو بیان کر کے کہا کہ :۔

"اب فرمایئے کہ اگر اتحاد کے وعظ کہنے والے یہ چاہیں کہ ہم انکی کوشش کا مقابلہ نہ کریں اور اپنی زبان کے قائم رکھنے کیلئے بھی انکے حملوں کو دفع نہ کریں۔ اور اگر ایسا کریں تو ہم اتحاد کے دشمن اور مخالفت کے پیدا کرنیوالے سمجھے جاویں۔ تو اس میں قصور ہمارا ہے یا ہمارے دوستونکا ایسا اتحاد تو وہی شخص چاہیگا جو اپنی قومیت کی مخصوص علامت کے ترک کرنیکی پرواہ نہ کرے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اپنی قوم کو دوسری قوم میں جذب ہو جانیکو اتحاد سمجھے ہم اسکو اتحاد نہیں سمجھتے "

پھر دونوں اقوام میں نا اتفاقی کی ترقی پذیر حالت کا بیان کر کے اتحاد کی تدبیر یہ بتلائی کہ :۔

"ایسی حالت میں ایک دو نیک دل اور راست باز ہندو مسلمانوں کے روکنے اور سمجھانے سے کیا ہو سکتا ہے پھر جو لوگ سمجھاتے ہیں وہ دوسری قوم کو نہ اپنی قوم کو حالانکہ سمجھانا چاہیئے اپنی قوم کو اور ہر قوم کے لیڈر کو اپنا رسوخ اور اپنا اثر ڈالنا چاہیئے اپنے ہی ہمقوم پر تاکہ اسکے دل پر نصیحت کا اثر ہو اور اسکے سمجھانے سے کچھ فائدہ حاصل ہو مسلمان لیڈرونکو چاہیئے کہ وہ اپنی قوم کو ان باتونکے کرنے سے روکنے کی کوشش کریں جنمیں اُنکا کوئی بڑا مذہبی یا قومی نقصان نہ ہو اور جنکے کرنے سے اُنکے ہموطن ہندو بھائیونکو رنج ہوتا ہو۔ اسی طرح ہندو لیڈروں پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کو نصیحت کریں کہ جو کام انکے لئے بہت سخت نقصان پہنچانیوالے نہ ہوں اور مسلمانونکو اس سے فائدہ ہو۔ اس میں مسلمانونکی مدد کریں مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ مسلمان ہندوونکو اور ہندو مسلمانونکو ہدایت اور نصیحت کریں اور صرف اپنے اپنے فائدوں ہی کا خیال رکھیں اسکا نمونہ ہر مجلس

امیر کابل نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور ہندوؤں کی دلشکنی کے خیال سے گائے کی قربانی نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ یہی اصلی اتحاد پیدا کر دینے کی صورت ہے اور دلی محبت قائم کرنے کی شکل ہے۔ کاش ہم لوگ اسے پیش نظر رکھیں اور ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کا خیال کریں اور ایک دوسرے سے کچھ کچھ اپنے فوائد کا نقصان گوارا کریں۔"

آخر تقریر میں انہوں نے اپنا یقین ظاہر کیا کہ :-

"باہمی اتحاد کی جو کوششیں مسٹر گوکھلے کرتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہونگی اور ہر ایک نیکدل مسلمان انکی سچی کوششوں میں مدد دیگا۔ اگر ہندو بھائی مسلمانوں کی طرف ایک انچ بڑھینگے تو مسلمان دو گز بڑھکر انکا خیر مقدم کرینگے۔ مگر ان کوششوں کا نتیجہ کچھ نہ نکلا

۱۹۱۰ء میں حالات بہت نازک ہو گئے۔ تقسیم بنگال کا ایجی ٹیشن کانگریس کی حمایت میں جاری تھا اور روز بروز مخالفت بڑھ رہی تھی۔ اس سال کانگریس کی صدارت پر سر ڈبلیو ویڈربرن کا انتخاب ہوا تھا۔ انہوں نے اور ہز ہائنس سر آغا خاں نے انگلستان میں بھی ہندو مسلم اتحاد کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا اور ایک اتحاد کانفرنس قائم کرنے کی تجویز کی چنانچہ الہ آباد میں اسکا انعقاد ہوا۔ چالیس مسلمان اور ساٹھ ہندو سیاسیں مجتمع ہوئے جنمیں۔ سر سرنیدر ناتھ، بنرجی مسٹر گوکھلے، سر سندر لال، پنڈت مدن موہن مالویہ، سر تیج بہادر سپرو، پنڈت موتی لال نہرو (لارڈ) سنہا، مہاراجہ دربھنگہ، ہز ہائنس آغا خان، نواب وقار الملک، سر ابراہیم رحمتہ اللہ، مسٹر محمد علی جناح، مسٹر حسن امام، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں۔ قابل ذکر اکابر تھے۔ حسب ذیل امور برائے تصفیہ پیش کئے گئے اور اس مقصد کیلئے ایک کمیٹی قائم ہو گئی۔ (۱) صلح کرانیوالی پنچایتوں اور عدالتوں کا قیام۔ (۲) مقدمہ بازی کم کرانیکی کوشش (۳) طرفین سے بائیکاٹ کی بندش (۴) اس کوشش کا سدباب کہ کسی خاص محکمہ میں ہندو یا مسلمانوں کو داخل ہونے سے روکا جائے (۵) اردو ہندی کا نزاع (۶) میونسپل اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کے حق نیابت کو تسلیم کرنا (۷) شرح سود کی کمی (۸) رہن شدہ جائداد کی جبریہ فروخت کا انسداد (۹) قومی تعلیم (۱۰) آریہ سماج کی اشتعال انگیز تحریک (۱۱) گاؤکشی اور باجہ کے متعلق مسلمانوں اور ہندوؤں کی احتیاط (۱۲) بوجہ اقلیت مسلمانان کسی ایسے مسئلہ پر زور دینا جو مسلم لیگ کی رائے میں مسلمانوں کے لئے مضر ہو۔

لیکن اس کمیٹی نے کوئی کام نہیں کیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں نے اپنی سیاسی تنظیم پورے طور پر کرلی تھی۔ مسلم لیگ روز بروز طاقتور اور زبردست ادارہ ہوتی جاتی تھی ۱۹۱۱ء میں دربار تاجپوشی کے موقع پر ہز امپیریل مجسٹی قیصر ہند نے جو تقریر فرمائی۔ اس میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کا بھی اعلان تھا۔ جس سے بنگالیوں میں تو جذبات مسرت و تشکر پیدا ہوئے مگر مسلمان افسردہ ہو گئے اور ایک غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اس حالت پر **نواب وقار الملک** نے جنوری ۱۹۱۲ء کے علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں جو پہلا مضمون لکھا۔ اس میں قوم کو توجہ دلائی کہ "**یہ تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ ان واقعات کے دیکھنے کے بعد جو اس وقت مشاہدہ میں آئے یہ مشورہ دینا کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ لاحاصل مشورہ ہے اب زمانہ اس قسم کے بھروسوں کا نہیں رہا خدا کے فضل و کرم کے بعد جس پر ہمکو بھروسہ کرنا چاہیئے وہ ہماری اپنی قوت بازو ہے۔**"

اس مضمون کا تعلیمیافتہ طبقہ پر زبردست اثر ہوا۔ اگرچہ طرابلس و بلقان کے واقعات اور جنگ عظیم میں ٹرکی کی شرکت اور ہنگامہ کانپور (مسجد مچھلی بازار کے ایک حصہ کے انہدام) سے مسلمان انتہائی بیچین اور متردد تھے مگر ہندوستان کی اندرونی سیاسیات پر بھی پورے طور پر توجہ تھی۔ ان کو کانگریس کے بہت سے مطالبات سے اتفاق تھا۔ اور وہ نسلی تفوق ختم کرنیکے خواہشمند تھے۔ انکا یہ مطالبہ بھی تھا کہ فرزندان ہند کو انتظام ملک میں شرکت و دخل کا پورا حق اور موقع ملنا چاہیئے۔ وہ اپنی قومیت کو ہندو قومیت میں جذب کئے بغیر اور اپنے مخصوص حقوق کے تحفظ کے ساتھ ملک کی آزادی کے خواہاں تھے۔

اس سلسلہ بیان میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۰۸ء سے پہلے کانگریس کا مقصد آئینی ذرائع سے ہندوستان کے باشندوں کے مفاد اور فلاح کو ترقی دینا تھا" اور "اس سال نوآبادیوں کے طرز کی گورنمنٹ" قرار پایا۔ کانگریس کے اکثر صدر نشین حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر[۱۵] بھی ممتاز

---

۱۵ مثلاً بدرالدین طیب جی ہائیکورٹ کے جج منتخب کئے گئے۔ سر شنکران نائر اکزیکٹو کونسل گورنمنٹ آف انڈیا

ہوتے رہتے تھے۔ انکو خطابات بھی ملتے تھے۔ صدر نشیناں کانگریس کے صدارتی ایڈریسوں میں حکومت برطانیہ کے سامنے خراج عقیدت بھی پیش ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً "اس سورج کی روشنی اور آسمان کے تلے انگریزوں سے زیادہ پائیدار منصف مزاج اور توانا کوئی قوم آباد نہیں ہے" یا یہ کہ "ہندوستان کی تعلیمیافتہ جماعتیں انگلستان کی دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں۔ اور اس عظیم کام میں اسکے ساتھ ہیں جو اسکے سامنے موجود ہے" سنہ ۱۹۱۱ء کے شاہی اعلان تنسیخ بنگال سے جو جذبہ پیدا ہوا۔ وہ مسٹر امبیکاچرن موزمدار کے الفاظ میں یہ تھا کہ ہر شخص کا دل برطانوی تاج کی وفاداری اور عزت کی خوشی میں رقص کر رہا ہے اور برطانوی سیاست کی انصاف پسندی سے لبریز ہے اور ہم بعض تاریک اور مایوس ترین ایام میں بھی برطانوی انصاف کے عقیدے سے متزلزل نہیں ہوئے " یہ ہی حالت مسلمانوں کی بھی تھی۔ لیکن جنگ عظیم کے اثرات و نتائج نے انکا دل زخمی کر دیا تھا۔

ہنوز یہ سال ختم نہ ہوا تھا کہ لیگ کے دستور اساسی میں ترقی و اصلاح کیطرف عام رجحان پیدا ہو گیا۔ اور آنریری سکریٹری نے ایک گشتی مراسلہ جاری کیا جس میں توجہ دلائی تھی کہ۔ باشندگانِ ملک کی پولٹیکل اولی العزمیوں کے متعلق گورنمنٹ ہند کی پالیسی میں جو تغیر عظیم واقع ہوا ہے۔ جسکی نظیر گذشتہ دس برس کے آئینی اصلاحات اور حال کے تغیرات اور ان امیدوں میں جو صوبجات میں سلیف گورنمنٹ قائم ہونیکی نسبت دلائی گئی ہیں پائی جاتی ہے زیادہ زمانہ نہیں گزریگا کہ مقامی جماعتونکو اس سے بہت زیادہ اختیارات ملیں گے۔ جس قدر کہ ان کو زمانہ سابق میں حاصل تھے۔

سیاسی حقوق تعلیمی ترقی اور قومی وجود کے بارہ میں ہمارے جو خیالات پائے جاتے ہیں۔ ان پر سب سے زیادہ اثر یہ پڑا کہ ہم لوگوں میں برٹش گورنمنٹ کے وعدوں کی نسبت جو غیر متبدل یقین پایا جاتا تھا۔ اسکو تنسیخ تقسیم بنگال سے سخت صدمہ پہونچا۔ شاید ہمنے بے عقلی سے اپنی

کے ممبر سر ایس۔ پی سنہا لارڈ اور گورنر بہار مقرر کئے گئے۔ سر۔ سی۔ پی۔ راماسوامی آئر جو کانگریس اور ہوم رول لیگ دونوں کے سکریٹری تھے بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے سر سرنیدر ناتھ بنرجی بانی کانگریس اور بنگال کے بے تاج کے بادشاہ وزیر بنگال ہوئے۔

بلند پروازی کی حد تک قائم کر رکھی تھیں اور اس زود یقینی نے ہمکو مار ڈالا۔ یہ وہ حالتیں تھیں۔ کہ کل قوم لیگ کی جانب نظر کرنے لگی۔ کیونکہ روشنی اور رہبری حاصل کرنے کیلئے یہی لیگ مسلمانوں کی پولٹیکل انجمن ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض نے اسپر اظہار اطمینان کیا اور بعض نے لیگ کے دستور عمل پر سختی سے اعتراض کیا۔ میں یہ خیال کرنیکی جرأت کر سکتا ہوں کہ جماعت کثیر کی رائے پائی جاتی ہے کہ لیگ کے دستور العمل میں اصلاح و ترمیم کی بہت گنجائش ہے۔

ہندوستان کی بہبودی کیلئے ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد کی بنیاد ڈالی جائے اور مخالفت دور کرنیکی کوشش کیجائے تاکہ دونوں قومیں باہم ملکر ملک کی خدمت انجام دیں اور مسلمان اپنے تئیں ہندوؤنکی پولٹیکل سطح کی بلندی تک پہنچائیں۔ اس غرض کے لئے تمام غیر اختلافی مسائل میں مسلمان ہندوؤں کی تائید کرتے رہیں۔

لوکل جماعتوں میں جداگانہ قائمقامی کی نسبت ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بار بار ایجی ٹیشن کیا جائے۔ اور یہ بات گورنمنٹ کے ذہن نشین کی جائے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ جائز ہے اور اس باب میں انکا احساس شدید ہے"

۱۹۱۳ء کے اجلاس منعقدہ آگرہ میں بڑے جوش سے سیلف گورنمنٹ کا ریزولیوشن پاس ہوا۔ سر ابراہیم رحمۃ اللہ۔ صدر اجلاس نے اپنے ایڈرس میں کہا کہ "ہندوستان ہمارا آبائی ملک ہے۔ اور قابل قدر وراثت اور آخر کار ہمارے محافظین کو ہمارے سپرد کرنا ہوگا"

پھر تو لیگ کانگریس سے چند قدم آگے تھی۔ چونکہ اس امر کا قوی احساس تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر سیاسی نجات ناممکن ہے اسلئے اتحاد کی خواہش دونوں میں تھی۔

مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں جو ریزولیوشن پاس کیا۔ اسکے متعلق کانگریس میں مسٹر بھوپندر ناتھ باسو کی تحریک سے حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوا۔

یہ کانگریس آل انڈیا مسلم لیگ کے نصب العین درباره سیلف گورنمنٹ کی پر جوش تعریف کرتی ہے اور اسکے اس یقین کے ساتھ اتفاق کلی رکھتی ہے کہ ملک کا سیاسی مستقبل یہاں کی مختلف اقوام کے باہمی اتفاق و اتحاد پر منحصر ہے جو کانگریس کا بنیادی اصول رہا ہے یہ کانگریس لیگ کی ظاہر کردہ امید کا دلی خیر مقدم کرتی ہے کہ مختلف جماعتوں کے لیڈر قومی اغراض و مفاد کے تمام

مسائل کے متعلق متفقہ و مشترکہ کارروائی کرنے کیلئے عملی طریقہ ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے اور ملک کے باشندوں کے تمام طبقوں سے سرگرمی کے ساتھ اپیل کرتی ہے کہ وہ اس مقصد میں امداد کریں جو ہم سب کے دل میں ہے "

اس ریزولیوشن کو پیش کرتے ہوئے محرک نے ایک تقریر بھی کی جس میں کہا کہ مغل بادشاہوں نے اتحاد ہند کا خواب پہلے سے دیکھ لیا تھا۔ لہذا اب انگریزی عہد حکومت کی سرپرستی میں ہمیں خواب کو عملی صورت میں لے آنا چاہیئے "

بعض دیگر مقررین نے بھی پرجوش تائید کی لیکن ایک بانو اس ریزولیوشن کو کانگریس کے لئے باعث تذلیل بھی کہتا رہا۔

ہندو مسلم نااتفاقی نے حقیقتاً حکومت کے لئے بھی مشکلات پیدا کر دی تھیں، ملک معظم نے بھی روانگی ہند کیوقت یہ پیغام دیا تھا کہ۔

"ملک معظم قیصر ہند کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت و ہمدردی سے پیش آئیں اور نفاق و پرخاش کو یک تخم خیرباد کہدیں کیونکہ دونوں قوموں کی ہنگامہ آرائیاں ہندوستان کی ترقی کے لئے سم قاتل اور خود سلطنت کیلئے تشویشناک ہیں "

یہ اسی پیغام کا اثر تھا کہ ۱۹۱۳ء کے صدر کانگریس نے کہا کہ

بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے حکام کی پالیسی تفریق حکومت ہے لیکن گذشتہ بجٹ پر مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے جو تقریر کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم موجودہ گورنمنٹ آرزو مند ہے کہ ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو لہذا ہماری خوش قسمتی سے موجودہ گورنمنٹ کی پالیسی ملکر حکومت کرنیکی پالیسی ہے اگر ہم اس سے پورا فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ہماری سخت غلطی ہوگی کیونکہ اس طرح ہم نہ صرف اپنے ملک کو ہی ترقی دیں گے۔ بلکہ برطانوی حکومت کو بھی استوار اور محکم بنائینگے۔

صوبہ متحدہ میں سر جیمس مسٹن نے بھی اپریل ۱۹۱۴ء میں ایک اتحاد کمیٹی بنائی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں ہندو مسلم نمایندے مجتمع ہوئے اور حسب ذیل مسائل متنازعہ پر غور کیا گیا۔

(۱) مذہبی تہواروں کے جلوس ۔

(۲) سرکاری ملازمت میں تقررات ۔

(۳) زبان ۔

(۴) میونسپل بورڈ میں جداگانہ نیابت ۔

(۵) گاؤکشی ۔

آٹھ گھنٹے تک جلسہ جاری رہا اور بالآخر ان تمام مسائل کے تصفیہ کیلئے سر مہاراجہ محمود آباد کی قیادت میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی ۔ اب ریفارم کی دوسری قسط کا وقت بھی قریب آرہا تھا ۔ اور کانگریس نے اقلیت کے تحفظ حقوق کا اصول تسلیم کر لیا تھا ۔

۱۹۱۵ء میں دونوں قوموں کے سیاسیین نے اس راستہ کی جستجو کی دسمبر میں بمقام بمبئی کانگریس اور لیگ کے اجلاس منعقد ہوئے کانگریس کے صدر سر ایس ۔ پی سنہا ۔ اور لیگ کے مسٹر مظہر الحق بیرسٹر پٹنہ تھے یہاں ان سب نے اتحاد کے متعلق مشورے کئے اور ریفارم اسکیم کے متعلق غور کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی گئی ۔ نومبر ۱۹۱۶ء میں بمقام کلکتہ سر سریندر ناتھ بنرجی کی صدارت میں کانگریس اور لیگ کی مشترکہ میٹنگ ہوئی اور باہمی سمجھوتہ کے بعد ایک میثاق مرتب ہوا جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے ۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ کانگریس کا اجلاس زیر صدارت مسٹر امبکا چرن موزمدار اور مسلم لیگ کا زیر صدارت مسٹر محمد علی جناح منعقد ہوا ۔ جناب صدر نے کہا کہ ۔

مسلمانوں پر تفرقہ پسندی کا غلط الزام

میں اپنی پبلک زندگی میں ہمیشہ پکا کانگریسی رہا ہوں ، اور فرقہ دار شور و غل کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا ۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کا جو الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے ۔ وہ نہایت نامناسب اور غیر متعلق ہے ۔ جبکہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ عظیم الشان قومی نظام سرعت کے ساتھ متحدہ ہندوستان کی پیدائش کا ایک طاقتور آلہ بنتا جاتا ہے ایک قلیل تعداد جماعت کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسکو اپنی حفاظت کا کامل اطمینان ہو قبل اسکے کہ قومی کاموں میں اسکے وسیع تر سیاسی احساس کو باہمی امداد اور متحدہ کوشش پر آمادہ کیا جاوے مسلمانان ہند گویہ

یہ طمانیت بہ حیثیت ایک جماعت کے اپنی سیاسی ہستی کے کامل اور موثر تحفظ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ میری ذاتی رائے جو کچھ بھی ہو لیکن یہاں میرا یہی فرض ہے کہ مسلمانوں کی کثیر التعداد جماعت کی رائے کی ترجمانی کروں۔ جنکا آل انڈیا مسلم لیگ سیاسی آلہ ہے۔ یہ امر میرے لئے اور ہر محب وطن کیلئے نہایت طمانیت بخش ہے کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کی جماعتی حیثیت کو ہندو جماعت کے لیڈروں نے تسلیم کیا ہے اور اسکے ساتھ فراخدلی کا برتاؤ کیا ہے انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کمیٹیوں نے گذشتہ نومبر میں کلکتہ میں ملکر جو عہد اور متفقہ فیصلہ کیا تھا وہ اس کی بین دلیل ہے دونوں فریقوں میں چند ایسے نفوس جنکا رضامند ہونا محال ہے اب بھی ممکن ہے کہ کہیں کہیں موجود ہوں لیکن بہ حیثیت مجموعی فرقہ وارانہ ابر کے خوف سے مطلع صاف ہو گیا ہے اور مستقبل کے مناظر ان علامات سے چمک اٹھتے ہیں جو ہندوستان کے وفادار فرزندان کے دل خوشی سے معمور کر دیتی ہے ....“

جداگانہ اصلاحی نیابت کا جھگڑا

جس طرح میں اپنی قوم کے اس رکن سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا۔ جو باوجود قومی ہستی کی توثیق کے اپنے ہندو بھائی کی طرف دست مروت نہیں بڑھاتا۔ اسی طرح میں ہندو محب وطن کے رویہ کی بھی تعریف نہیں کر سکتا۔ جو اپنے ایک پونڈ گوشت پر مصر ہے۔ خواہ اس کشمکش میں کسی ایک فریق کے جزوی نفع کیلئے تمام ملک کا مستقبل ہمیشہ کیلئے برباد ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر میں حال کے افسوسناک نزاع کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ جو میونسپل ایکٹ کے منظور ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی۔ لیکن یقیناً ہم میں سیاسی عقل و دانش کی کمی نہیں ہے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے خواہ ہم ہندو ہوں یا مسلمان۔ کہ جدید ہندوستانیوں کو بالکل دوسری قسم کے قومی کارکنوں کی ضرورت ہے جو زیادہ فیاض دل اور فراخ حوصلہ ہوں جو فرقہ کی انانیت اور تعصب کی تنگدلی سے مبرا اور منزا ہوں جو کمزور کو کچل ڈالنے کی خواہش کو دبا سکیں اور جو اسکے باوجود طاقتور کی چیرہ دستیوں کے سامنے ہمت نہ ہاریں۔ جو آجکل کے چھوٹے چھوٹے تعصبات سے اپنے آپکو بالا رکھکر خلوص اور خدمت کی بلند سطح تک پہنچ سکیں اور صرف یہی چیز ہے جو کسی قوم کو یقینی امید۔ آزادی اور قوت دے سکتی ہے ....

آیندہ کوشش کا طریقہ

سیاسی اتحاد و اتفاق کی جانب بڑھنے کیلئے ہندوستان کی ترقی کے راستہ میں جو نہایت مہیب مسئلہ حائل تھا۔ اسکے قابل اطمینان حل کیوجہ سے ہماری آئینی جنگ قبل ازیں گویا نصف ختم ہو چکی ہے ہندوستان کا متحدہ مطالبہ جو ملک کی حقیقی ضروریات پر مبنی ہے اور جو وقت و حالات کا لحاظ رکھ کر وضع کیا گیا ہے وہ آخر کار اپنے آپکو ناقابل مقابلہ ثابت کر کے رہیگا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جو لوگ حکومت ہند کے ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے باشندگان کی موجودہ شکایات کے ساتھ مصالحت و ہمدردی کے زیادہ فیاضانہ طریقہ سے سلوک کرنے کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے صلح ہوتے ہی مسئلہ ہند کو دلیرانہ اور فیاضانہ طریق پر حل کرنا ہوگا اور ہندوستان کو سلطنت برطانیہ کے آزاد ذمہ دار اور ہم مرتبہ رکن کی حیثیت سے اس کا پیدائشی حق دینا ہوگا یہ تبدیلی کس طرح عمل میں آنی چاہیئے اور اس حل کیلئے کیا طریقے اور تدابیر ہونی چاہئیں۔ یہ وہ امور ہیں۔ جنہوں نے ہندوستانی جمہوریت پسندی کے خیالات کو گذشتہ دو سال سے گھیر رکھا ہے جدید حل کی متعلق تجاویز تیار ہو چکی ہیں۔ اور انکو امپیریل کونسل کے انیس ۱۹ منتخب نمائندوں نے گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ گذشتہ سال آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ اور اس کو مجاز کیا گیا تھا۔ کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کی کمیٹی کے مشورہ سے اصلاحات کی ایک اسکیم مرتب کرے اور اس سال استصواب اور غور کیلئے آپ کی خدمت میں پیش کیجائیگی جب آپ **اصلاحات** کی اسکیم منظور کر لیں۔

تو آپ کانگریس اور لیگ کے ذریعہ سے واضعان آئین سے ایک مسودہ قانون تیار کرائیں۔ جو قانون حکومت ہند کیلئے جس پر ہمارے ملک کا موجودہ نظام قائم ہے ایک ترمیمی مسودہ کی حیثیت رکھیگا جب یہ مسودہ قانون تیار ہو جائے تو انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کو چاہیئے کہ وہ اسکی تصدیق کریں اور پھر دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ، اور قائم مقام اصحاب کا ایک وفد مقرر کیا جائے جو اس مسودہ کو پارلیمنٹ میں پیش اور منظور کرائے۔

غرض ان دونوں سیاسی مجالس نے ایک میثاق کیا جو مشترکہ اسکیم کا جزو اعظم تھا اور اسکی روسے طے ہوا کہ انتخابات میں اس امر کا خاص انتظام کیا جائے کہ اہم قلیل التعداد اقوام کی نمائندگی ہو سکے نیز یہ کہ صوبوں کی مجالس آئین ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی خاص نشستوں کے ذریعہ

سے کیجاویگی۔ اور انہیں حسب ذیل حساب سے صوبونکی کونسلوں میں حق نیابت حاصل ہونگے

پنجاب۔	منتخب شدہ	ہندوستانی	ممبران کا۔	نصف
بنگال۔	〃	〃	〃۔	چالیس ۴۰ فیصدی
صوبہ متحدہ۔	〃	〃	〃۔	تیس ۳۰ فیصدی
بہار۔	〃	〃	〃۔	پچیس فیصدی
صوبہ متوسط	〃	〃	〃۔	پندرہ فیصدی
مدراس۔	〃	〃	〃۔	پندرہ فیصدی
بمبئی۔	〃	〃	〃۔	$\frac{1}{3}$

اس کے ساتھ یہ شرط ہوگی کہ لیجس لیٹو کونسل کے کسی دوسرے انتخاب میں مسلمان حصّہ نہ لے سکینگے علاوہ بریں یہ شرط بھی ہوگی۔ کہ کوئی مسودہ قانون یا اس کا کوئی جزو یا کوئی تجویز جو کسی غیر سرکاری ممبر کی طرف سے پیش کی گئی ہو اگر اس مسودہ قانون یا اسکے کسی جزو یا کسی تجویز سے متعلق جماعت کے ¾ ممبران مخالفت کرینگے تو وہ مسودہ یا اسکا کوئی جزو یا تجویز کونسل میں پیش نہ ہو سکے گی،

جس طرح صوبائی کونسلوں میں مسلمانوں کا انتخاب ہے اسی طریقہ سے امپریل لیجس لیٹو کونسل کا ہونا چاہیئے، اور ساتھ ہی جتنا بھی ممکن ہو اسکے طریقہ انتخاب (فرنچائز) کی توسیع کیجائے اور صوبائی کونسلوں کے منتخب ممبر بھی انتخاب کرنے والے (الیکٹریٹ) ہونگے جو امپریل لیجس لیٹو کونسل کے ممبر منتخب کر سکینگے۔

منتخب شدہ ہندوستانی ممبرونکی تعداد کا ⅓ حصّہ مسلمان ہونگے اور مختلف صوبوں میں مسلمانوں کے جداگانہ حلقۂ انتخاب سے ہی مسلمان ممبروں کا انتخاب عمل میں آئیگا اور اسی تناسب سے ہر صوبہ میں انتخاب ہوگا جس تناسب سے کہ وہ صوبائی کونسلوں میں نمایندگی کرتے ہیں،
لیگ کے اس اجلاس میں بہ کثرت کانگریس کے لیڈر شریک ہوئے اور مسلم لیڈر کانگریس کے اجلاس میں۔ مہاراجہ محمود آباد نے کانگریس کی مجلس استقبالیہ کو مالی امداد بھی دی

یہاں اسواقعہ پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ جسوقت کانگریس اور لیگ کے اجلاسوں میں یہ میثاق ہو رہا تھا۔ اسیوقت لکھنؤ میں ہندو مہاسبھا کا بھی جلسہ تھا اسکے سکریٹری نے کانگریس کو اطلاع دی۔ کہ جبتک ہماری سبھا کے قائم مقام شریک مشورہ نہ ہوں گے یہ اسکیم ہندوؤں کیلئے قابل پابندی نہ ہوگی چنانچہ وہ شریک ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کے حقوق جداگانہ کی زبردست مخالفت کی اور بالآخر خفا ہو کر چلے گئے اور اپنے جلسہ میں یہ ریزولیوشن پاس کر دیا کہ کانگریس لیگ کا میثاق ہندو قوم کے لئے قابل پابندی نہیں۔

یہہ عجیب بات ہے کہ ہندو مہاسبھا کے اجلاس میں وہ ہی ہندو مخالف تھے۔ جنہوں نے کانگرس میں اتفاق کیا تھا۔

باایں ہمہ اب ۱۷-۱۹۱۶ء میں جسقدر سیاسی مسائل تھے انکو طے کرنے کیلئے کانگریس کمیٹی اور مسلم لیگ کونسل کے مشترکہ جلسے منعقد ہوئے۔ پنڈت مالویہ، مسٹر راما سوامی آئر، مسٹر جناح اور سر وزیر حسن اور دیگر سیاسی زعماء سب ایک ہی جگہ نظر آتے تھے ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو اسی مشترکہ کونسل نے متحدہ اسکیم پیش کرنے کیلئے جو وفد مرتب کیا تھا ان میں منجملہ ۳۷ منتخب شدگان ۹ لیگ کے اور ۲۸ کانگریس کے نمائندے تھے جنمیں سر سریندر ناتھ بنرجی، مسٹر گاندھی، مسٹر تلک، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مالویہ، سر ڈنشا واچا، سر سپرو، راما سوامی آئر، سر راش بہاری گھوش، مسٹر شاستری، مسز اینی بسنٹ، سر نرائن گنیش چندرکار، مسٹر امبکا چرن موزمدار، مسٹر کھاپرڈے، مسٹر چنتامنی، مسٹر مظہر الحق (بہار) مسٹر محمد علی جناح سر مہاراجہ محمد علی محمد خان محمود آباد، سر فضل حسین (پنجاب) سید حسن امام (بہار) سیٹھ یعقوب حسن (مدراس) مولانا محمد علی، مسٹر فضل الحق (بنگال)۔ قابل الذکر ہیں۔

اسکے بعد آئینی اصلاحات کی جو رپورٹ حکومت کیطرف سے مرتب ہوئی۔ اسمیں اسکیم مذکور پر بھی کافی بحث کیگئی۔

یہ رپورٹ اگرچہ منظور ہوئی اور اسی دستور و آئین کی بنیاد قرار پائی لیکن چونکہ چند اشارات مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کیخلاف بھی تھے اسلئے ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے دہلی کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ ۱۹۱۸ء میں صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو ایڈریس پیش کیا اس میں انہوں نے کہا کہ

گورنمنٹ کے نام نہاد زاویہ نگاہ میں جو تبدیلی واقع ہوئی اس کی مزید شہادت اس امر سے حاصل ہوتی ہے کہ **مسٹر مانٹیگو اور لارڈ چیمسفورڈ** نے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کے مفاد کیخلاف انکے اس خاص حق کی مخالفت کی ہے جو زمانہ موجودہ میں ہماری سیاسی تحریکات کا روح رواں ہے ان قیمتی وعدوں پر جو گورنمنٹ کر چکی ہے اس سمجھوتہ پر جو ہمارے اور اہل ہنود کے درمیان ہو چکا ہے اور خود اپنے قومی مفاد پر نظر کرتے ہوئے ہم حکومت کو اپنے وعدوں سے روگردانی کی اجازت نہیں دے سکتے۔ علاوہ بریں مسلمانان ہند کے نمائندے امپیریل کانفرنس اور مجلس جنگ کے مباحث میں نہ شریک کیا جانا مسلمانان کے اس احساس میں اضافہ کرتا ہے کہ انکے ساتھ لاپرواہی برتی جا رہی ہے یہ احساس اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مجلس صلح میں جہاں ایسے سوالات زیر بحث آئینگے جنکا تعلق مسلمانوں کی موت و زیست سے ہے ہمارا کوئی نمائندہ موجود نہ ہوگا، ایک غیر مسلم خواہ وہ ہمارا کیسا ہی ہمدرد اور دوست ہو اسلامی مسائل پر نہ اس وثوق کے ساتھ زبان کھول سکتا ہے نہ اس جوش اور یقین کے ساتھ بولنے کا دعوی کر سکتا ہے جسکی ایک مسلمان نمائندے سے امید ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے دیگر مسائل پر بھی حسب ذیل بیان میں روشنی ڈالی

حضرات بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی وہ اخوت اسلامی جو انکے اور تمام مسلمانوں کے درمیان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوں۔ رشتہ محبت قائم کرتی ہے درحقیقت اس وطن پرستی کیخلاف ہے۔ جسکا تعلق صرف ہندوستان سے ہے میں نے بعض دوستوں کو کہتے سنا ہے کہ وہ ہندوستان کا مسلمان جزیرہ نمائے گیلی پولی کی ایک انچ زمین کے بدلے سارے ہندوستان کو قربان کر دینے کو تیار ہے۔ وہ حضرات اس قسم کی باتوں سے جنکی تصدیق واقعات ہرگز نہیں کرتے حقائق کے چہرے کو مسخ کیا جاتا ہے ہندوستان کے ہر معرکہ میں ہم اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ایک ہی صف میں شانہ بشانہ ہے ہمارا سیاسی مطمح نظر اب اہل ہنود کے واسطے دور نہیں۔ ہندو مسلمانوں کا وہ سمجھوتہ جسنے لکھنؤ میں عملی شکل اختیار کی تھی ہر سال تقویت حاصل کرتا جاتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ جتنا زمانہ گذرتا جاویگا ہمارے باہم مراسم بہتر ہوتے جائینگے اور اگر اسوقت افتراق کے کچھ اسباب موجود ہیں تو وہ بھی رفع ہو جائینگے میرا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ ایک سچا مسلمان ہمیشہ سچا وطن پرست

ہوگا۔ اگر ہم مسلمانان ترکی و ایران کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں تو ساتھ ہی ہمارے طرز عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ ہم اپنے ان ہموطنوں کے حقوق کی حمایت کرنے میں جو غیر ممالک میں مقیم ہیں کسی سے کم نہیں وہ حق پرست یعنی احمد محمد کچالیہ ہندوستان ہی کا ایک مسلمان تھا جو جنوبی افریقہ میں عرصہ تک لڑتا رہا اور آخر تک ہمارے حقوق کی اس شیر دل علمبردار مسٹر گاندھی کی جانشینی کا پورا حق ادا کرتا رہا لیکن جہاں ایک مسلمان دونوں قوموں کے متفقہ حقوق کیلئے لڑنے کو تیار ہے وہاں وہ اس ملک میں اپنی سیاسی حالت کو برقرار رکھنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے اور نہایت استقلال کے ساتھ اپنے تمام جائز حقوق کی حفاظت کریگا۔

بیجا نہ ہوگا اگر اس جگہ کرتار پور کے اندوہناک واقعات کا ذکر کیا جائے جہاں ہنود نے بیقصور اور صلح جو مسلمانوں کے ساتھ بغیر اشتعال کے وحشیانہ سلوک کیا ہے ان ہولناک واقعات کو پڑھکر مجھے جو صدمہ ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے ناراضگی اور غصہ کے جو جذبات ہم سب کے دلوں میں ہیں انکا اظہار کرنے سے الفاظ قاصر ہیں اس قسم کے واقعات دونوں قوموں کے تعلقات کو خراب کرتے ہیں اور اس باہمی اتحاد کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں جسکے ہم سب آرزومند ہیں میں اپنے ہندو بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسی موثر تدابیر اختیار کریں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا سدباب ہو جائے حالات کے ہر پہلو پر نظر کرنے کے بعد میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنا سیاسی مطمح نظر حاصل کرنے کیلئے ہنود کے ساتھ ملکر کام کریں تو یقیناً ہنود بھی مسلمانوں سے جدا رہکر اپنی منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے رواداری نہ کہ انتقام ہم دونوں کا مطمح نظر ہونا چاہیئے

لیگ کا یہ اجلاس مسٹر فضل حق کی صدارت میں ہوا تھا جسکی تاریخی خصوصیت قابل بیان ہے کہ اس میں مختلف حصص ہند کے اکابر علماء نے پہلی مرتبہ سیاسیات میں شرکت کر کے حصہ لیا اور لیگ کے ممبر بنے، ان علماء میں فرنگی محل کے مولانا عبدالباری صاحب مولانا سلامت اللہ مولانا ثناء اللہ امرتسری مفتی کفایت اللہ اور مولوی احمد سعید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ صدر جلسہ نے اپنی تقریر میں کہا کہ حامیان شرع محمدی آج ہماری مدد کرنے کیلئے اس اسٹیج پر جلوہ فرما ہوئے ہیں وہ آزادی انصاف اور شرع کی حمایت کیلئے ان مسائل کے فیصلہ میں ہماری مدد کرینگے جنکا تعلق مذہب سے ہے اسقدر ہے جسقدر سیاست سے۔ انکی رائیں ہمارے دلیل راہ

اور انکے فتوے ہمارے لئے چراغ ہدایت ہونگے "

اور بھی دیگر معززین نے اسی طرح خیر مقدم کیا اور مخصوص طور پر اس شرکت پر شکریہ کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔

باوجودیکہ نہایت صدق دلی کے ساتھ ۱۹۱۶ء کا میثاق ہوا تھا مگر چند ہی دنمیں ہندو یا کانگریس نے اس کی خلاف ورزی کر کے اپنا اعتبار کھودیا چنانچہ صوبجات متحدہ کی مجلس وضع قوانین کے غیر مسلم ارکان نے ۱۹۲۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈونمیں مسلمانونکو ۲۵ فیصدی کا حق نیابت دیا حالانکہ ازروئے میثاق ۵۰ فیصدی کا حق حاصل تھا اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی خلاف ورزی کیگئی اور جب میاں فضل حسین جدید اصلاحات کی رُو سے وزیر پنجاب ہوئے تو انکی وزارت کو ہندو جذبات نے گوارا نہ کیا کیونکہ انہوں نے میونسپلٹیوں اور سرکاری محکموں میں ایک قوم کے اجارہ میں کچھ کمی کر کے مسلمانوں کے واجب حقوق ملنے کی کوشش کی انکے خلاف سخت ایجی ٹیشن کیا گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک ممتاز سیاسی لیڈر تصور کئے جاتے تھے۔

باب چہارم

قبل ازیں کہ تیسری قسط اصلاحات کو بیان کیا جائے ہندو مسلم اختلافات وفسادات اور ان کے اسباب اور کچھ درمیانی حالات کا بھی کسی قدر تذکرہ ضروری ہے جو ہندوستان کی ترقی یا آزادی کے لئے سد سکندری ہے۔

ہندو مسلم فسادات کی ابتدا ۱۹ انیسویں صدی کے آغاز سے ہوتی ہے جنکے اسباب عوام وجہلا کے مذہبی تعصبات تھے اسی صدی کے پہلے عشرہ (۱۸۰۸) میں بنارس میں ایک خوفناک فساد ہوا ہندو عوام نے مسجد پر حملہ اور شہر میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا اور جبتک کہ پچاس مسجدیں برباد اور صدہا انسان تہ تیغ نہ ہوگئے اسوقت تک فوج بھی امن قائم نہ کر سکی۔

اسکے بعد صدی کے آخری چار عشرونمیں سخت فسادات ہوئے جنمیں ۱۸۹۳ء نہایت خوفناک نکلا۔ اعظم گڈھ میں ذبیحہ گاؤ اور بمبئی میں محرم بنائے فساد تھا۔

اس فساد کے بعد ہی مسٹر تلک نے جو مرہٹوں اور کانگریس میں زبردست اثر رکھتے تھے انجمن مخالفین ذبیحہ گاؤ[1] کی بنیاد ڈالی اور ہندوؤں کی جنگ جویانہ اسپرٹ ابھارنے اور ہندوستان کی سیاسی دنیا میں ان کے تسلط کی کوشش کی، اب جہلا و عوام کے مذہبی جنون و تعصب میں سیاست بھی داخل ہو گئی۔

۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال سے جس میں مسلمانوں کی کوشش کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ ہندوؤں کے خلاف پورے بنگال میں سخت جذبہ عناد پیدا ہو گیا جو شدید قسم کے فسادات کی صورت میں ظاہر ہوتا رہا۔ اسی زمانہ میں بنگالی ڈاکوؤں کا گیت "بندے ماترم" جو انتہائی تشدد کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اور جس میں دیویوں سے مناجات کی جاتی ہے۔ ان بنگالی ایجی ٹیٹروں کا قومی نعرہ یا گیت بن گیا۔

۱۹۱۲ء میں تنسیخ تقسیم بنگال کے بعد کچھ سکون ہوا۔ مگر بعدہ اجودھیا میں قربانی پر جھگڑا ہوا۔ اور وہاں حکومت نے قربانی بند کر دی اور ۱۹۱۳ء میں بمقام مظفر نگر گاؤکشی پر سخت خون ریز فساد ہوا۔ میثاق لکھنؤ نے ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد ڈالی۔ لیکن ستمبر ۱۹۱۸ء میں کٹارپور کے فساد نے اور بالخصوص ہندو سیاسیین کی خاموشی اور بے جا حمایت نے برا اثر ڈالا۔ اس بلوہ میں ۱۹ مسلمان زندہ جلا دیئے گئے۔ ہندوؤں نے مسئلہ خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ کچھ زبانی ہمدردی کی اور مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ سیاسیات میں اشتراک عمل کیا

---

[1] بنارس کی گئورکھشنی سبھا کے اہتمام سے ایک تصویر بنائی گئی تھی ایک گائے کے جسم میں کثرت سے دیوتا بیٹھے ہوئے ہیں، چند تصویریں مختلف اقوام و مذاہب کے لوگوں کی اس کے تھنوں کے قریب ہیں اور ایک ہندو دودھ تقسیم کر رہا ہے۔ دودھو تیں گائے کے منہ کے سامنے ہیں جن میں سے ایک کی تھوتنی خنزیر کی اور جسم ایک حبشی سفاک کا جو تلوار لئے ہوئے گائے پر حملہ کرنا چاہتا ہے دوسری تصویر ایک برہمن کی ہے جو حملہ آور اور گائے کے درمیان حائل ہے دم اور پشت کی طرف کچھ اشلوک سنسکرت میں ہیں، جنکو کوئی رشی ہاتھ اٹھائے جپ رہا ہے گائے کے پاؤں کے نیچے قرآن مجید کی آیت لن ینال الخ (خدا کے پاس کچھ قربانی اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقوے اس تک پہونچتا ہے (بقیہ صفحہ ۵۸ پر ملاحظہ ہو)

تو اس سے اگرچہ ان فسادات کا سلسلہ بند نہیں ہوا ، تاہم جذبہ اتحاد میں ترقی ہوتی رہی جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ نافذ ہوا ، مسلمانوں میں علی برادران ، مولانا حسرت موہانی ، مولانا ابوالکلام آزاد نظربند کردیئے گئے ستمبر میں مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند اپنے چند رفقا کے ساتھ مکہ معظمہ گئے تھے اور مولانا عبیداللہ سندھی بھی کابل جا چکے تھے ، ان مہاجرین پر سازش کا الزام لگایا کہ برطانیہ کو شکست دینے کے بعد ہندوستان میں ایک عارضی حکومت قائم کیجائے اس بنا پر شیخ الہند کو مع رفقا کے شریف مکہ نے انگریزوں کے سپرد کردیا اور وہ مالٹا میں قید کردیئے گئے دوران جنگ میں روپیہ جمع کرنے اور فوجی بھرتی کے متعلق جو ذرائع افسران حکومت نے اختیار کئے ان سے ایک عام بےچینی پیدا ہوگئی ، جو خصوصیت سے پنجاب میں زیادہ تھی ، اور اسی صوبہ میں حالات زیادہ خراب ہوگئے سختی اور جبر کے نتیجے نہایت برے نکلے ہر جگہ نظربندیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ بھی جاری تھا ۔ غرض حکومت نے مجرمانہ سازشوں کی تفتیش کیلئے جنکا تعلق باغیانہ تحریکوں سے قائم کیا گیا ۔ ایک کمیٹی قائم کی جسکے صدر سر سڈنی رولٹ تھے اسنے تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کی جس میں شیخ الہند اور دیگر مسلمان لیڈروں کیخلاف بھی بہت کچھ تھا غرض کمیٹی کے نتیجہ تحقیقات میں رولٹ بل شائع ہوا جو انتہائی تشدد آمیز تھا ،

دوران جنگ میں انگریزوں نے خلافت عثمانیہ کے تحفظ و بقا کے جو وعدے کئے تھے اب صلح کے دوران میں ان سے انحراف کیا گیا اور اتحادیوں نے شرائط صلح میں ترکوں کے ساتھ بہت ذلت کا برتاؤ کیا ، نومبر ۱۹۱۹ء میں بمقام دہلی خلافت کانفرنس قائم ہوئی اور اس میں تحریک عدم تعاون کا خیال پیدا ہوا دسمبر میں عام معافی کے سلسلہ میں علی برادران بھی چار سال کی نظربندی

(بقیہ صفحہ ۵۷)

یہ تصویر بہت رائج رہی اور پھر ۱۹۱۲ء میں جبکہ ہندو قربانی گائے کے بند کرنے کے لئے کوشاں تھے جرمنی میں تیار کرائی گئی تاکہ بوجہ ارزاں ہونے کے بکثرت شائع ہو سکے ۔

اسکے بعد ہی انسداد ذبیحہ گاؤ کا جوش و حوصلہ بڑھ گیا اور متعدد مقامات پر خونریز ہنگامے ہوئے ۔

سے رہا ہوئے ترکوں کے ساتھ جو بے انصافی ہوئی اس پر احتجاج کرنے اور مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے کیلئے آغاز ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت انگلستان گیا مگر بے نیل مرام اور مایوس واپس آیا، ادھر پنجاب کے حالات بد سے بدتر ہوگئے گاندھی جی کے داخلہ پر پابندیاں عاید کی گئیں فسادات اور بلوے ہوئے اور بالاخر جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا اور گاندھی جی نے ترک موالات یا عدم تعاون کی تحریک پیش کی، ستمبر میں بمقام کلکتہ کانگریس کے اجلاس خاص میں اسکا پروگرام مرتب ہوا، خلافت کانفرنس نے اس تحریک کو مذہب کے نام پر اور فتاوے کی قوت سے پیش کیا۔ اس طرح کانگریس کا سیاسی حربہ مسلمانوں میں خالص مذہبی مسئلہ بنگیا۔ یہ دونوں ادارے ایک جان دو قالب بنگئے، کانگریس کو اگرچہ خلافت سے نہ تو کوئی ظاہری تعلق تھا اور نہ اسکو حقیقی ہمدردی ہو سکتی تھی لیکن گاندھی جی نے اس نظریہ سے کہ جبتک خلافت کی شرط تحریک میں نہ ہوگی مسلمانوں کو سوراج میں دلچسپی کی ترغیب دینا ممکن نہیں، اس شرط کو اپنی تحریک میں داخل کرلیا، عدم تعاون میں کونسلوں اور سرکاری و نیم سرکاری تعلیم گاہوں کا مقاطعہ بھی داخل تھا اور چونکہ زمانہ انتخاب قریب تھا یہ تحریک کی گئی کہ امیدواران کونسل اپنے نام واپس لیں لیکن کانگرس کو اس میں ناکامی ہوئی تعلیمی مقاطعہ کے سلسلہ میں ماہ اکتوبر علی برادران نے ایم۔اے او کالج پر گاندھی جی کی قیادت میں حملہ کرکے مطالبہ کیا کہ وہ سرکاری گرانٹ سے انکار کرے، یونیورسٹی سے قطع تعلق کرلے۔ اسکے ٹرسٹی اور اسٹاف کے ممبر سرکاری خطابات واپس کریں۔ اور سرکاری وظائف مسترد کئے جائیں غرض یہ حملہ نہایت شدید تھا۔ کالج بالکل تباہی کے قریب آن لگا تھا۔ مذہب کے نام پر اپیل تھی علماء اسلام بھی علمبردار بن گئے۔

مولانا محمود حسن شیخ الہند بھی رہا ہو چکے تھے اگرچہ وہ انتہائی ضعیف تھے اور بعض کے نزدیک ہوش و حواس بھی جواب دے رہے تھے لیکن وہ گودوں میں اٹھا کر علیگڈھ لائے گئے اور انکی تقریر پڑھی گئی دوسری طرف ہندو مسلمان دونوں کا ایک با اثر اور مقتدر گروہ سخت مخالف تھا بعض جید علماء نے بھی اختلاف کیا۔ ہندوؤں نے بہت کم اس تحریک کی تائید کی خصوصاً تعلیمی مقاطعہ میں کہیں کامیابی نہوئی۔ بنارس میں پنڈت مالویہ نے حدود یونیورسٹی کے

کے اندر علی برادران ہی کو نہیں گاندھی جی کو تقریر نہ کرنے دی اور ان حملہ آوروں کا بھی وہ زور شور جو ایم اے او کالج میں تھا۔ بنارس میں سب اسرو تھا گاندھی جی نے تو یہ کہنے کے بعد کہ مالوی جی نہیں مانتے تعلیمی مقاطعہ کی نسبت سکوت اختیار کر لیا۔ ۱۹۲۱ء میں ہی بنارس میں شہزادہ ویلز کا خیر مقدم کیا گیا حالانکہ کانگریس کے پروگرام میں اسکا بائیکاٹ بھی داخل تھا، کونسلوں کے انتخاب میں بھی حصہ لیا گیا اور کوئی جگہ خالی نہ رہی، اور اسی غرض سے سوراج پارٹی وجود پذیر ہوئی اور کانگریس کیمپ میں افتراق ہو گیا بعض سیاسی فرقوں اور ممبروں نے علیحدگی اختیار کی ۱۹۲۴ء تک ملک کئی جماعتوں میں منقسم ہو گیا جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں سرگرم عمل تھیں گاندھی جی، سی آر داس بنگالی لیڈر اور پنڈت موتی لال نہرو کے الگ الگ کیمپ تھے۔

آخر سال میں مفاہمت کی تحریک ہوئی جو سالانہ اجلاس کانگریس منعقدہ بلگام ۱۹۲۴ء میں طے ہو گئی، یوں تو ترک موالات کی تحریک ایک سال کے اندر ہی کمزور پڑ گئی تھی متعدد بلووں اور تیس ہزار آدمیوں کے جیل جانے کے بعد چورا چوری کے واقعہ کے ساتھ کانگریس کی مجلس عاملہ نے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ ۱۲ فروری ۱۹۲۲ء کو معطل کر دیا اور بلگام میں قطعی طور پر ملتوی کر دی گئی صرف غیر ملکی کپڑے کا مقاطعہ قائم رہا۔ جس کے لئے چرخہ کو عام طور پر رائج کرنا ضروری تصور کیا گیا۔

اسی ضمن میں ہجرت کی تحریک بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے دماغ سے نکلی۔ مگر جب ہندوؤں نے یہ سیاسی حربہ کونے میں رکھدیا تو مسلمانوں کے فتاوی بھی جزودان میں محفوظ کر دیئے گئے لیکن ان تحریکوں میں انہوں نے نقصان عظیم بھی سب سے زیادہ اٹھایا، ایک طرف تو یہ مواخات تھی اور دوسری طرف گاندھی جی کے دست راست پنڈت ستیا دیو نے ۲۷ نومبر ۲۰ء کو متھرا میں ایک تقریر کے دوران میں کہا کہ۔

"جب ہمارے ہاتھ میں اختیار ہو گا جسقدر قوانین ہم بنا سکینگے بنائینگے۔ گاؤ کشی کا مسئلہ ہندوستان میں نہایت اہم مسئلہ ہے ہماری متواتر درخواستوں کے باوجود اس بارے میں گورنمنٹ نے کچھ نہیں کیا۔ تنہا کاٹھیاواڑ میں ہی بہت سی گائیں ذبح ہوتی ہیں۔ جب قانون سازی کی قوت ہمارے ہاتھ میں

آئے گی۔ تو ہم فوراً یہ طے کر دینگے کہ ہندوستان کے اندر گائے کی قربانی نہ ہو۔ اور اگر تم ہماری مدد کرو تو ہم دنیا بھر میں گاؤکشی روک سکتے ہیں تم میں یہ قوت ہے کہ جو چاہو کر ڈالو اگر تم اپنے لیڈروں پر بھروسہ کرو تو تم ضرور ہندوستانیوں کا راج حاصل کر لوگے''۔

خود گاندھی جی نے بنارس میں کہا کہ ہندو مذہب کے نقطۂ نگاہ سے گایوں کی حفاظت کسقدر ضروری ہے صرف نان کوآپریشن ہی ان کو سوراج حاصل کرنے میں مدد دیسکتا ہے اور سوراج کے ذریعہ وہ گایوں کی حفاظت کر سکیں گے۔

ان ہی جذبات وخیالات سے ۱۹۲۲ء میں ہی فضاءِ اتحاد مکدر ہو گئی مختلف مقامات کے فسادات نے مطلع غبار آلود کر دیا۔ رہنمایان قوم نے ضروری سمجھا کہ اپنی اپنی قوم کو تنبہ اور معتوب کریں تاکہ یہ غبار کدورت صاف ہو۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری نے مسلمانوں کو تنبیہاً

قصوروار ٹھہرایا لیکن **پنڈت مالویہ** نے اس تنبیہہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا سرتا پا غلط داستانیں سُنا کر جذبات مشتعل کئے، بیہار کے واقعات ہندو پریس میں مبالغہ کے ساتھ شائع کئے ملتان میں ایک نہایت سخت خونریز فساد ہوا، اور پھر پنجاب میں ''ملتان کا بدلہ'' ایک قومی نعرہ ہو گیا۔ اور ہر جگہ مسلمان ہی قصوروار مجرم اور گردن زدنی قرار دے گئے۔

مالوی جی نے بھی تمام ذمہ داری مسلمانوں پر ہی ڈالی۔ وہ اسی اثنا میں امرتسر آئے وہاں ہندو مسلمانوں نے انکا آنا غنیمت سمجھا اور ان سے صلح واتحاد کی تدابیر اختیار کرنے کی درخواست کیگئی۔ ایک قرارداد کے مطابق ۲۴ ستمبر کو انہیں کی زیر صدارت ایک مشترکہ جلسہ جلیانوالہ باغ میں ہوا۔ انہوں نے ایک طویل تقریر کی فسادات ملتان میں ہندوؤں کو بری الذمہ قرار دیکر ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی، ہندوؤں کی مظلومیت کی داستان نہایت دردانگیز پیرایہ میں بیان کی۔ اور نصیحت کی کہ ''میرے بھائیو! عورتوں کی زندگی بسر نہ کرو۔ بلکہ جب آپ پر جبر ہو۔ تو اپنی طاقت استعمال کرو''۔

اس کے بعد ۲۵ ستمبر کو لاہور میں کانگریس کمیٹی کے زیر اہتمام ہزارہا لوگوں کے سامنے ایسی ہی

تقریر کی اور غیرت دلائی اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلا۔ جتھہ بندی اور ڈنڈوں کی تعلیم کے بعد کہا کہ

"ہمارے یہاں گئوگوہار اور تریا گوہار بہت مشہور ہے جب کسی گئو یا دیوی پر مصیبت آئی اسنے پکار کی فوراً تمام گاؤں اکٹھا ہو گیا اور پاجی دشٹوں کو بھگا دیا۔۔۔۔۔۔۔ مردوں کی نسبت تو نہیں کہہ سکتا لیکن اگر میں زندہ رہا تو کم از کم بہو بیٹیوں کو تو پستول اور بندوق چلانا سکھا دونگا۔ وہ کالی کی مورتی اپنی حفاظت آپ کر سکینگی۔ لیکن مردو! تم انکو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اگر مرد ہو تو تم کو اپنی حفاظت کے حق میں آگاہی ہونی چاہیئے"

"شریفو، جبتک بدمعاش غنڈوں سے ڈرتے ہو تب تک وہ تم پر وار کرتے ہیں یہ ڈنڈوں سے ڈرتے ہیں اسلیئے سامنے ڈٹ جاؤ سب بہن بھائی بوڑھے بچے اپنی حفاظت میں شامل ہو کر ایک آواز آنے پر سو دو سو باہر نکل آو۔۔۔۔۔۔۔ سوراجیہ کا پہلا پوسٹ یہ ہے کہ قانون اور انتظام کا کام آپنے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے"

اسکے بعد گیا کے اجلاس مہا سبھا میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"ہندوؤں کی موجودہ نسل بڑی کمزور اور بزدل پیدا ہو رہی ہے ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ اپنی حفاظت آپ کر سکیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر ہندو خود طاقتور اور مضبوط بنجائینگے اپنے دھرم کی حفاظت آپ کرینگے تو ہندو مسلم فسادات ناممکن ہو جائینگے۔

اب نومبر ۲۲ء میں ہندو سنگھٹن کی تحریک بڑے زور شور سے اٹھائی گئی اور اپنے میں طاقت پیدا کرنیکی نصیحت میں آریہ دیویوں کی عصمت دری وغیرہ پر غیرت دلائی گئی پبلک پلیٹ فارم اور اخبارات کے صفحے ایسے ہی اشتعال انگیز تقریروں کیلئے مخصوص کر دیئے گئے۔

امرتسر میں **مالویہ جی** نے ایک سٹیرن گارڈ کی تحریک کرتے ہوئے اس میں ہندو مسلمان اور سکھوں کو یکساں دعوت دی تھی مگر مسلمان الگ رکھے گئے اور ہری اوم کے نعروں میں سنگھٹن کی بنیاد پڑ گئی اور امرتسر میں ایک خاص جوش لہریں مارنے لگا نہایت اشتعال انگیز اشعار پڑھے جانے لگے اور بالآخر اسی مقام پر ایک سخت خون ریز آزمائشی فساد کیا گیا،

غرض شدھی اور سنگھٹن کے وجود اور اسکے جوابی نظام تنظیم و تبلیغ نے عوام میں منافرت کو بڑھا دیا، ساتھ ہی تعلیمیافتہ اور حامیان و مدعیان (اتحاد میں کچھ) ایک بے اعتمادی رونما تھی

مولانا حسرت موہانی نے اس بے اعتمادی کے متعلق اپنے خطبہ صدارت مسلم لیگ (۱۹۲۳ء) میں کہا کہ

"موجودہ ہندو مسلم اتحاد کے باوجود اب تک بہت سی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں ہندوستان کی آبادی کے ان دو بڑے فرقوں کے درمیان موجود ہیں۔ اور یہ امر بہت اہم ہے کہ ہم ان غلط فہمیوں کی حقیقی نوعیت کو ذہن نشین کریں۔

ہندوؤں کے دلوں میں یہ شبہ خطور کرتا ہے کہ موقع ملنے پر یا تو ہم اپنے ہم مذہبوں کو باہر سے ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے بلائینگے یا کم از کم انکو مدد پہنچائینگے جبکہ وہ خود ہندوستان کو تخت و تاراج کرنے کیلئے حملہ آور ہونگے۔ اور یہ شبہ اسقدر عمیق طور پر دلوں میں جاگزیں ہے اور عام طبقوں میں اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ جہانتک میری واقفیت کام دیتی ہے۔ کوئی ہندوستانی مدبر سوائے لوکمانیہ مسٹر تلک آنجہانی کے اس سے نہیں بچا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو یہ شبہ ہے کہ حکومت خود اختیاری حاصل ہو جانے پر ہندو زیادہ سیاسی اختیارات حاصل کر لینگے اور اپنے تعدادی غلبہ کو مسلمانوں کے کچلنے میں استعمال کرینگے۔"

اسی سال کانگریس کے اسپیشل سیشن دہلی میں ایک اتحادی کمیٹی کی تشکیل ہوئی، جسنے ڈاکٹر انصاری اور لالہ لاجپت رائے کو فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل تجویز کرنے کیلئے مامور کیا اور انہوں نے بمقام سولن ایک حل (سولن پیکٹ[۱]) تجویز کی جس میں جداگانہ انتخاب کے اصول اور پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر جب کانگریس کے اجلاس میں پیش ہوا تو مہاسبھائی اثر سے ردی کرکے پھینک دیا گیا۔ مگر بنگال میں مسٹر سی۔ آر۔ داس کامیاب ہوگئے اور انہوں نے فرقہ وارانہ نمایندگی کے ساتھ کونسلوں اور ملازمتوں میں تناسب منوا لیا۔

---

[۱] اس پیکٹ میں مذہبی تنازعات کا بھی حل تھا اور گاؤکشی کی بھی اجازت تھی، جسوقت یہ رپورٹ (پیکٹ) اجلاس میں پیش ہوئی تو زبردست شور مچایا گیا۔ لالہ لاجپت رائے کی لیڈری سے انکار کیا گیا مختلف حصص ہند سے تین سو تار احتجاج میں آئے نتیجہ میں کانگریس گھٹنوں کے بل گری۔

مہاسبھا کی بعض کارروائیوں نے اُن مسلم زعما کو بھی جو اتحاد کے انتہائی ساعی تھے بے انتہا بدگمان کردیا۔ **مسیح الملک حکیم اجمل خاں** نے اس طرزِ عمل پر کانگریس کے بعض لیڈران کو متنبہ کیا۔ لیکن انہوں نے مہاسبھا کے خلاف ایک لفظ کہنے سے بھی انکار کردیا ان سخت معرکہ آرا فسادات میں جو اس زمانہ میں ہو رہے تھے **مسٹر گاندھی** تک نے خاموشی اختیار کرلی۔ مولانا **ابوالکلام آزاد** اور مولانا **محمد علی** اور دیگر مسلم زعما نے ان سے درخواست کی کہ اپنے اثر سے اس فضا کو صاف کریں مگر مہرِ سکوت نہ ٹوٹی۔ مولانا **محمد علی** نے مجبور ہوکر کانگریس میں **ڈاکٹر مونجے** اور **پنڈت مالویہ** کے رویہ پر سخت نکتہ چینی کی جسکا اور ناگوار اثر ہوا۔ **مسیح الملک** کو بھی جب **پنڈت موتی لال** نہرو سے ناکامی ہوئی، تو انہوں نے جتا دیا کہ وہ اب مسلمانوں سے بھی کچھ توقع نہ رکھیں۔ یہی زمانہ انتخابات کا تھا۔ اور انتخابات ہی کی وجہ تھی کہ کانگریس مہاسبھا سے مرعوب ہوگئی تھی اور اسکو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اسی انتخابات کے موقع پر جب **مسٹر آصف علی** بیرسٹر ایٹ لا کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تو **مالویہ جی** نے ایک مہاسبھائی کو کھڑا کر کے شکست دلوا دی۔ اور پنڈت موتی لال نہرو کو کہنا پڑا کہ مالویہ جی نے مشترک حلقہ انتخاب سے قابل مسلمانوں کی مخالفت کرکے مخلوط انتخاب کو گہرا دفن کردیا ہے

سنہ ۱۹۲۴ء میں پھر صلح و اتحاد کی کوششیں شروع ہوئیں۔ مہاسبھا نے فرقہ وارانہ نیابت کی پوری مخالفت کی اگرچہ وہ ایک مذہبی و معاشرتی اصلاحات کا ہندو ادارہ تھا لیکن اس سال اس کے مقاصد میں سیاسیات کو بھی داخل کیا گیا اور سمجھا گیا کہ وہ ہی ہندوؤں کی صحیح نمائندگی کریگی۔ لکھنؤ کے میثاق کو وہ تسلیم نہیں کرتی تھی چنانچہ **مسٹر ستیامورتی** نے اسکے پلیٹ فارم پر بیان کیا کہ ہندوستان کیلئے یہ نہایت ناخوشگوار موقع تھا کہ اس نیابت پر اتفاق کیا گیا۔ لکھنؤ کی مفاہمت ایک محض غلطی تھی ضرورت ہے ہندو مہاسبھا نیابت کے معاملہ میں ہندوؤں کی رائے کا اظہار کریگا کانگریس نہ تو خالص ہندوؤں کی نمائندگی کرسکتی ہے اور نہ خالص مسلمانوں کی۔

تاہم کانگریس نے جو ایک آل پارٹی کانفرنس دہلی میں منعقد کی جسمیں بعض دیگر مسائل سیاسی طے ہونیوالے تھے اس میں اس خاص مسئلہ کو بھی رکھا گیا۔

مسلم لیگ بھی مفاہمت پر آمادہ تھی اسکا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا تھا **مسٹر جناح** نے

بھی ایک قرارداد میں طے کرایا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو مجالس وضع قوانین اور دیگر نمائندہ مجالس میں مسلمانوں کی نیابت اور ملازمتوں میں ان کیلئے مناسب حصہ حاصل کرنے کے لئے مطالبات مرتب کرے۔ اسکو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وہ دوسری سیاسی انجمنوں کے ساتھ گفتگو کرکے مسلم لیگ کے سامنے اپنی روداد پیش کرے

مسٹر جناح نے قرارداد پیش کرتے ہوئے اس الزام کی پھر ایکمرتبہ تردید کی کہ وہ لیگ کے پلیٹ فارم پر فرقہ پرست کی حیثیت سے آئے ہیں انہوں نے حاضرین کو یقین دلایا کہ میں ویسا ہی قوم پرست ہوں جیسا کہ پہلے تھا ——— ذاتی طور پر مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ میں فرقہ وار نیابت کا مخالف ہوں میں چاہتا ہوں کہ مجالس قانون میں ملک کے بہترین قابل ترین افراد نمائندگی ہیں لیکن بدقسمتی سے دوسرے محبان اسلام اس انتہا تک جانیکو تیار نہیں جہانتک میں تیار ہوں میں موجودہ حالت سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرسکتا حقیقت یہ ہے کہ اکثر مسلمان مجالس قانون اور ملازمتوں میں علیحدہ نیابت چاہتے ہیں اور اسی جذبہ کیوجہ سے جماعتی اختلاف پیدا ہوئے ہیں۔ ہم فرقوں کے اتحاد کی باتیں کر رہے لیکن اس قسم کا اتحاد کہاں ہے ——— میں جانتا ہوں کہ برادران ملت سوراج کیلئے معرکہ آرائی کرنیکو تیار ہیں، لیکن انہیں چند ضمانتوں کی ضرورت ہے جہاں تک میری رائے کو تعلق ہے میں حالت کا جائزہ لوں گا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں عملی سیاست داں ہوں، اتحاد کی راہ میں فرقے حائل نہیں، بلکہ ان کے چند افراد ہیں، جو شر انگیز ہیں،

پھر مقرر نے ان کے عیارانہ پروپاگنڈے کی پیچیدگیوں کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا، اور بالآخر کمیٹی بن گئی۔

اسی مہینہ میں **گاندھی جی** نے لاہور میں ایک جلسہ صلح کیا، علی برادران، حکیم مسیح الملک ڈاکٹر انصاری، اور پنڈت مالویہ بھی تھے بحث میں کشیدگی کے سیاسی وجوہ مرکز گفتگو تھے۔ جو پنجاب کی تعلیمیافتہ قوموں میں کشیدگی کا پورا سبب نہیں تو غالب سبب نظر آتے تھے۔ لکھنؤ میثاق پر بھی نظر ثانی کی گفتگو ہوئی، مسلمانوں کا خیال تھا کہ اگر اس میں ابتدا سے ہی غلطی نہ تھی تو وہ اب ناکافی رہ گئی انکے نزدیک فرقہ وارانہ خیالات کی افزونی اور باہمی اعتماد کے فقدان میں دونوں

قوموں کی نیابت تناسب آبادی کے لحاظ سے ضروری تھی۔ خواہ انتخاب مشترکہ ہو یا جداگانہ، سکھوں نے بھی مراعات طلب کیں تھیں۔ ہندوؤں کی خواہشیں متعین نہ ہو سکیں گاندھی جی نے یہ بات صاف طور پر محسوس کر کے ظاہر بھی کی کہ پنجابی ہندوؤں کو اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی تجویز میں کوئی فریب پوشیدہ ہے انکے دل میں درحقیقت ایک دہشت سی موجود ہے کہ اگر مسلمانوں کو پنجاب کی کونسلوں اور نظم و نسق میں قطعی کثرت رائے اور کثرت تعداد حاصل ہو گئی تو مسلمان جنگ جو اور شجاع قوموں کا قرب و ہمسائگی نہ صرف پنجاب کیلئے خصوصیت سے بلکہ ہندوستان کیلئے عمومیت سے ایک مہیب خطرہ کا موجب ہو گی،

اسی زمانہ میں لالہ لاجپت رائے نے اس اتحاد کیلئے ۱۲ شرطیں قرار دیں۔

۱۔ اپنے دلونکو قطعی حقوق کے عقیدہ فاسد سے پاک کرو۔

۲۔ سیاست کو مذہب سے پاک کرو۔

۳۔ جہانتک ممکن ہو مذہب کو معقولیت پر مبنی بناؤ اور صرف لوازم و فرائض پر زور دو۔

۴۔ تمام مجلسی رکاوٹوں کو جو ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرتی ہیں دور کرو۔

۵۔ دنیا بھر کے ہر ایک ملک کی بہ نسبت ہندوستان سے زیادہ محبت کرو۔ اور اول تا آخر ہندوستانی رہو۔

۶۔ تمام کوششیں اپنے وطن میں خیالات بہتر بنانے پر مبذول کرو۔ یہ بات اپنے بیرونجات کے ہم مذہبوں کے ساتھ ہمدردی کرنے اور گاہے گاہے مدد کرنیسے نہیں روکتی بشرطیکہ اپنے ہم وطنوں کے متعلق آپکا فرض اسکی اجازت دیتا ہو۔

۷۔ تحریک شدھی سے نہ بھڑکو یہ قائم رہنے کیلئے وجود میں آئی ہے۔

۸۔ آپ سنگھٹن اور تنظیم کی کوشش کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اس کو ہندوؤں اور مسلمانونکے خلاف جذبات سے پاک رکھیں، لیکن میری رائے میں یہ سخت تر مشکل ہے۔

نوٹ:۔ یہ ہی خطرہ خود گاندھی جی کے دل میں موجود ہے جسکی وجہ سے وہ سرحدی پٹھانوں کی روح عسکریت کو مختلف تدابیر سے فنا کرنے میں کوشاں ہیں۔

۹۔ اگر آپ چاہیں تو لیجسلیچر میں متناسب نیابت حاصل کر سکتے ہیں، مگر علیحدہ رائے دہندگی پر اصرار نہ کریں۔

۱۰۔ اکثریت کی حکومت موثر بنانے کیلئے پنجاب کو دو صوبوں پر تقسیم کیا جائے

۱۱۔ آبادی کو لوکل باڈیز میں نیابت کی بنیاد بنانے پر اصرار نہ کیا جائے اگر آپ کیلئے ایسا کرنا لازمی ہے تو خیر کر لیجئے مگر یہاں بھی علیحدہ رائے دہندگی پر اصرار نہ کیا جائے۔

۱۲۔ چند عام و وسیع اصولوں کی بنا پر سرکاری عہدوں کے پُر کرنے کے کام کو باقاعدہ بنانے کیلئے پبلک سروس کمیشن مقرر کیا جائے۔

۱۳۔ یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں کوئی فرقہ وارانہ نیابت نہ ہو، لیکن پس ماندہ جماعتوں کیلئے خاص سہولتیں بہم پہنچائی جائیں، اور سرکاری محاصل میں سے انکے فائدہ کیلئے خاص مالی امداد دیجائے لالہ جی نہ صرف پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت سے خائف تھے بلکہ وہ بھی اس خوف میں مبتلا تھے کہ مسلمان اسلامی ممالک سے ساز باز کرینگے

آخر جنوری ۱۹۲۵ء میں آل پارٹیز کانفرنس کا دہلی میں اجلاس ہوا گاندھی جی صدر جلسہ تھے ہندو مسلم مفاہمت اور مطالبات پر مسٹر جناح نے ایک مفصل تقریر میں کہا کہ

ہندو اور مسلمانوں کے درمیان جو اختلافات مجالس آئین اور دوسری انتخابی مجالس میں انکی نمائندگی اور ملازمتوں میں انکے حصہ کے متعلق ہیں وہ ملک کی ترقی کی راہ میں سخت رکاوٹ پیدا کرنیوالے ہیں۔ نہ تو یہ مسلمانوں کا کام ہے نہ ہندوؤں کا کہ وہ یہ بتائیں کہ کیا مانگتے ہیں بلکہ یہ تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اس سوال کا حل تلاش کریں جس وقت تک یہ رکاوٹ راستہ سے دور نہیں ہوتی اس وقت تک ہم کسی طرح بھی ترقی نہیں کر سکتے ہم لوگ جو اپنے اپنے طبقوں میں ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں آج یہاں اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ سمجھدار انسانوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ طریقہ سے تبادلہ خیالات کریں۔

کل پنڈت مدن موہن مالوی نے کہا کہ فرقہ وارانہ نیابت ایک ایسی برائی ہے جو قومیت کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور چونکہ ہندوؤں نے اسے معاہدہ لکھنؤ میں

تسلیم کر لیا ہے۔ اسی لئے وہ اسکی پابندی کرینگے، لیکن اگر مسلمان اس میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں تو انکو وضاحت کرنی چاہیئے کہ آخر وہ کیا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ معاہدہ لکھنؤ میں ایک مکمل سیلف گورنمنٹ کے حصول کی اسکیم کے سلسلہ میں پہلا ضروری قدم اٹھایا گیا اس پہلے قدم کو اٹھانے کیلئے ہمنے ایک نظام مرتب کیا تھا جسے کانگریس نے منظور کر لیا تھا۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام جماعتوں کی نمائندگی کے متعلق ایک فیصلہ ہو جائے۔ معاہدہ لکھنؤ کبھی بھی مستقل تو نہ تھا بلکہ اس معاہدہ میں قلیل تعداد جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کرنیکا (جہاں کہیں بھی ایسی حفاظت کی ضرورت ہو) اصول تسلیم کیا گیا تھا یہ وہی اصول ہے جسے **پنڈت موتی لال نہرو** نے اپنی اس تجویز میں قبول کیا تھا جو آپ نے اسمبلی میں ذمہ دار حکومت کے قائم کرنے کے متعلق پیش کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ اسوقت بنگال میں ۵۶ فیصدی اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی، مسلمانوں کی عام پستی کا خیال کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے لحاظ سے نیابت دی گئی تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ نا قابلیت اور جہالت کا دور دورہ ہو اور اس لئے تجویز کیگئی کہ ان صوبوں میں مسلمان مشترکہ انتخاب کو تسلیم کر لیں، لیکن مسلمانوں نے کہا کہ اگر مشترکہ حلقہ انتخاب کو ہم تسلیم کر لیں تو ہماری رائے دینے کی قوت بالکل بے معنی سی ہو جائیگی اور ہمیں دس پندرہ فیصدی نشستیں بھی حاصل نہ ہو سکینگی اگرچہ آج ہمارے ملک نے ترقی کر لی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی رائے دیتے وقت جذبات اور خیالات ساری ہوتے ہیں اور رائے دینے والا اپنے ہم مذہب ہی کو رائے دیتا ہے جب یہ کہا گیا کہ قابلیت کا خیال ضرور رکھا جائے تو قرار پایا کہ بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فی صدی اور پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی حق نیابت دیا جائے لیکن جب قانون اصلاحات پارلیمنٹ میں زیر غور تھا تو گورنمنٹ ہند نے ایک مراسلہ کے ذریعہ اس سے اختلاف کیا کہ بنگال میں جہاں مسلمانوں کی تعداد ۵۶ فیصدی ہے وہاں انہیں صرف ۴۰ فیصدی کا حق نیابت حاصل ہو لیکن ہندو اور مسلمانوں نے اسوقت معاہدہ لکھنؤ کی تائید کی اور آخر اصلاحات کے سلسلہ میں پارلیمنٹ کی جو کمیٹی تھی اسنے معاہدہ لکھنؤ کو تسلیم کر لیا۔ اسکے بعد بنگال اور پنجاب سے آواز بلند ہوئی اور کانگریس نے ایک کمیٹی بنائی جس میں **لالہ لاجپت رائے** اور **ڈاکٹر انصاری** اور ایک سکھ صا

تھے کہ وہ معاہدہ لکھنؤ پر نظرثانی کرے اور جب کہ یہ کمیٹی اپنا کام کر رہی تھی **مسٹر سی آر داس** نے بنگال کا معاہدہ شائع کیا لیکن بنگال کے معاہدے کو کوکوناڈا میں نظرانداز کر دیا گیا۔ اسلئے یہ کیا صحیح نہیں ہے کہ معاہدہ لکھنؤ ایک مستقل چیز ہے اب یہ کانفرنس سوراج کے قائم کرنیکے مسئلہ کو طے کرنیکا ارادہ رکھتی ہے۔ اسلئے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو اس معاہدہ پر نظرثانی کرنے کیلئے آمادہ ہونا چاہیئے۔ ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں میں کچھ قوم پرور حضرات ایسے ہیں جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ جداگانہ نیابت کو ازادیا جانا چاہیئے لیکن ایسے بھی لوگ ہیں جو اسکے خلاف رائے رکھتے ہیں لیکن بہرحال واقعات واقعات ہیں اور ہمیں انکا مطالعہ کرنا چاہیئے دونوں قوموں کا بڑا حصہ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رکھتا، پنجاب اور بنگال کے مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ انکو انکی آبادی کے مطابق نمایندگی حاصل ہونی چاہیئے۔ معاہدہ لکھنؤ میں قلیل التعداد اقوام کے حقوق کی حفاظت کے دونوں طریقہ طے کئے گئے تھے اول یہ کہ انکو ان کی آبادی سے قدرے زیادہ حقوق نیابت دیا جائے یہ اسکی بدولت تھا کہ بمبئی کے مسلمانوں کو جنکی تعداد ۲۰ فیصدی ہے ۳۳ فیصدی نمایندگی کا حق ملا تھا۔ صوبجات متحدہ کے مسلمانوں کو ۳۰ فی صدی کا حق ملا حالانکہ ان کی تعداد صرف ۱۴ فیصدی ہے صوبجات متوسط اور مدراس کے مسلمانوں کو باوجودیکہ وہاں مسلمانوں کی آبادی صرف ۷ فیصدی ہے ۱۵ فی صدی کا حق نمایندگی دیا گیا۔ اور تعداد کو قانون اصلاحات میں تسلیم کرلیا گیا قلیل التعداد اقوام کے حقوق کے تحفظ کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کوئی ریزولیوشن جو کسی ایک قوم سے تعلق رکھتا ہو اسوقت تک پاس نہیں ہوسکتا جسوقت تک کہ اس قوم کے نمایندوں کا ۳/۴ حصہ اس کے مخالف ہو۔ لیکن یہ قاعدہ بہرحال بیکار سا رہا۔

میں مسلمانوں کی طرف سے یہ کہتا ہوں کہ بنگال اور پنجاب کے مسلمانوں کی کثرت قلت سے نہ بدلنی چاہیئے اور دوسرے صوبوں میں قلیل التعداد اقوام کے حقوق کی حفاظت کے جو دو اصول معاہدہ لکھنؤ میں طے کئے گئے ہیں وہ قائم رکھے جائیں۔

ملازمتوں میں نمایندگی کا مسئلہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے اور اسے علیحدہ طے کرنا چاہیئے۔"

لالہ لاجپت رائے کے اب زاویہ نظر میں تبدیلی ہو چکی تھی، انہوں نے مخالفت میں طولانی تقریر کی اور صاف طور پر کہا کہ فرقہ وارانہ نیابت قوم پروری کے منافی ہے کیونکہ اسکے معنی

یہ ہونگے کہ ملک کو فرقہ در فرقہ اور طبقہ در طبقہ میں تقسیم کرنا پڑیگا، انہوں نے اپیل کی کہ اس مقابلہ پر ہندو یا مسلمان کے مفاد کا خیال کرتے ہوئے نظر نہ ڈالی جائے بلکہ صرف ملک کے مفاد کا خیال ہونا چاہیئے۔ غرض مختلف نمایندوں کی تقریروں کے بعد ایک کمیٹی بنائی گئی جو (الف) ایسی سفارشیں مرتب کریگی جسے تمام پارٹیاں کانگریس میں شریک ہوجائیں (ب) تمام فرقوں اور طبقوں کی مجالس واضع قوانین اور دیگر انتخابی مجالس میں سوراج کے ماتحت نمایندگی کے متعلق ایک اسکیم مرتب کرے۔ اور سفارش کرے کہ ملازمتوں میں کام کی خوبی اور عمدگی کا خیال رکھتے ہوئے تمام فرقوں کی بہترین نمایندگی کس طرح ہوسکتی ہے (ج) سوراج کی ایک ایسی اسکیم مرتب کرے جو موجودہ حالت میں ملک کی تمام ضرورتوں کو پورا کرسکے،

گاندھی جی جو اسوقت ہندو مسلم اتحاد کے بڑے خواہشمند تھے انہوں نے اپنے دوروں میں جا بجا گفتگوئیں کیں اور بطور ماحصل فروری ۱۹۲۵ء میں اپنے اخبار میں ایک مضمون لکھکر اس اصل بے اعتمادی کو جوان دونوں فرقوں (ہندو مسلمان) میں ہے اس طرح ظاہر کیا کہ۔

مسلمان ہندو اکثریت سے صرف اسلیئے خائف ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہندوؤں نے انکے ساتھ ہمیشہ غیر منصفانہ برتاؤ کیا اور انکے مذہبی جذبات کا احترام نہیں کیا وہ اس خطرہ کا کسی قدر سدباب بعض حالات میں تناسب آبادی سے بھی زیادہ جداگانہ انتخاب اور خاص نیابت سے چاہتے ہیں۔

ہندو مسلمانوں سے اسلیئے خائف ہیں کہ جب کبھی مسلمانوں کے ہاتھ میں قوت آئی۔ انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کیا، اگرچہ ہندوؤں کی اکثریت تھی لیکن مٹھی بھر حملہ آوروں نے ان کو مغلوب کردیا، اور اس ملک میں اسی تجربہ کے دوبارہ پیش آنے کا خطرہ ہے اور مسلمان لیڈروں کی سچائی اور خلوص کے باوجود عام مسلمانوں کا بیرونی مسلمان حملہ آوروں سے ملجانا یقینی ہے۔

مذکورہ بالا کمیٹی نے مارچ ۱۹۲۵ء میں اپنا اجلاس کیا لالہ لاجپت رائے نے شرکت تک نہ کی ۷۲ ممبروں میں سے صرف ۱۵ ممبر شریک ہوئے مسٹر جناح برابر حاضر رہے اور آخر کار ہندو مسلم مفاہمت کا خاتمہ ہوگیا۔

اگرچہ ۱۹۱۶ء میں فرقہ دارانہ انتخاب و نیابت کو ہندو سیاسین تسلیم کر چکے تھے لیکن اب اسقدر زور و شور سے اختلاف کی وجہ صرف یہ ہو گئی کہ آغاز ۱۹۲۴ء میں وزیر ہند نے ایک پرائیویٹ خط میں جو مسٹر ستیا مورتی سوراجی ممبر مدراس کے نام تھا اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ " فرقہ دارانہ نظام جمہوری ادارات کی ترقی کے منافی ہے " مسٹر ستیا مورتی نے اسکو کاتب سے اجازت کے بغیر شائع کر دیا اور مہاسبھائیوں نے ایک نیا حربہ مسلمانوں کیخلاف بنالیا انکو یہ امید ہو گئی کہ چونکہ یہ بیر گورنمنٹ انتخاب جداگانہ کی مخالف ہے ۔ لہذا انکو پوری قوت سے مخالفت کرنی چاہیئے ۔

۱۹۲۵ء میں مسلم لیگ کا بھی ایک اہم اجلاس مسلم یونیورسٹی جوبلی کے موقع پر ہوا جسکی صدارت آنریبل سر عبد الرحیم (صدر اسمبلی) نے کی انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں تمام سیاسی حالات پر ایک پر معنی اور بسیط تبصرہ کیا جو انکے وسیع تجربات کا نچوڑ ہے ۔ اس تبصرہ میں انہوں نے کہا کہ :-

" میں آپکی توجہ شدھی ۔ مہاسبھا اور سنگھٹن تحریکوں کیجانب مبذول کرانا چاہتا ہوں اول الذکر کا مقصد لاکھوں مسلمانوں کو ہندو کرنا ہے اور آخر الذکر کا مدعا یہ ہے کہ ہندوؤں کو مدافعت اور حفاظت کا اہل بنایا جائے ۔ اور مہاسبھا ایک ایسی انجمن ہے جو تمام کارروائیوں پر حاوی ہے مسلمان ان تمام تحریکوں کو جو لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند جیسے رہنمایان کی سایہ عاطفت میں پرورش پاتی ہیں ایک اہم ترین مذہبی چیلنج تصور کرتے ہیں ، جو اس عیسائی جہاد سے مہلک اور خوفناک ہے ، جو صدیوں پیشتر ارض فلسطین میں برپا ہوا تھا ، یہ چیلنج صرف مذہبی نہیں بلکہ یہ ایک بڑا خطرہ ہے ، جو سیاسی میدان میں ترقی کرنے سے مانع ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے تنظیم کی بنیاد ڈالی ہے ۔ مجھے یقین ہے ہندوستان کی تاریخ میں اس زمانہ سے زیادہ کبھی ہندو اور مسلمانوں میں اسقدر کشیدگی اور بدمزگی پیدا نہیں ہوئی ۔ سچ ہے کہ بعض ہندو لیڈروں نے علی الاعلان مسلمانوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کا ذکر کیا ہے جس طریقہ سے اسپین سے مسلمان خارج کر دیئے گئے ، ورنہ بقول انکے لازم آئیگا

کہ مسلمان شدھی ہو کر ہندو بنیں، اور انکے سیاسی پروگرام کے ہم نوا ہوں۔ ایسی حالت میں ہمیں ایرانی فلسفی کا قول یاد رکھنا چاہیئے کہ: "دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد"

"ہمکو یہ یاد کرنا پڑیگا کہ ابناء وطن ہم سے زیادہ بہتر حالت میں ہیں، حتیٰ کہ انگریز بھی اُن کے زہریلے پروپیگنڈے سے خائف ہو چلے ہیں، جو ایک ایسا آلہ حرب ہے جسکی گرم بازاری جنگ عظیم کے زمانہ میں مہلک گیس اور ہوائی جہازوں کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی، اور جو یورپین قومیت کی برکات میں شمار کیا جاتا تھا۔ یہ مسکین اور معصوم صورت حضرات برابر کام میں مشغول ہیں، اُنکی ایک جماعت نے خود اسلام اور اسلامی مجالس پر حملہ کرنے میں ید طولیٰ حاصل کر لیا ہے، دوسری جماعت تاریخ کے صفحات کو مسخ کر رہی ہے، اور یہ ثابت کرنیکی جستجو میں ہے کہ اسلام سے ہندوستان کو کبھی کوئی نفع نہیں پہنچا اور یہ کل حضرات یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلم قوم نہایت ناکارہ ہے اور ایسے افراد سے مرکب ہے جو مبتذل ترین ہندوؤں کے بھی ہم پلہ نہیں ہیں، وہ ہمارے بہتر سے بہتر پبلک افراد کی تذلیل کرنے پر کمربستہ نظر آتے ہیں، سوائے اِن چند حضرات کے جو سیاسی عقائد میں اُنکے ہم نوا ہیں، اس تبلیغ اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا لازمی نتیجہ کیا ہے، "فسادات اور تنازعات"، اور وہ حضرات رنجیدہ ہونے کے بجائے خوش ہوتے ہیں جب کوئی مسلمان غصہ سے مجبور ہو کر دیوانہ وار بدلہ لیتا ہے، کیونکہ انکو ایسا زرین موقعہ ہاتھ آجاتا ہے کہ وہ مسلمان کی مذہبی دیوانگی اور مذہبی جوش و خروش کو بدنام کر سکیں۔ اس طریقہ سے ابنائے وطن نے کونسی سُرخروئی حاصل کر لی ہے۔ یہ سُرخروئی صفر سے زیادہ بے وقعت اور حقیر ہے انہوں نے اپنے جارحانہ طرزِ عمل سے صاف ظاہر کر دیا کہ مسلمان کبھی انکو اپنی قسمت کا فیصلہ سپرد نہیں کر سکتے ہیں، چنانچہ ہمکو مدافعت اور تحفظ کی ہر ممکن تدابیر اختیار کرنا چاہیئے، ہم مسلمانوں کو ان مدبروں سے نہایت وضاحت اور صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہیئے۔ کہ اُن کا یہ دعوے کہ ہندوستان محض ہندوؤں کی ملکیت ہے سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی بعض مشترکہ صفات اُنکی فہم و فراست و کفایت شعاری اور اُنکی محنت قابلِ رشک ہیں، اور میں ابناءِ وطن کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں انکی قابلیت کی قدر کرتا ہوں، ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہے اور ہماری ان قوموں کے حالات سے باخبر

جو اسپین سے لے کر سائبیریا تک اور ماسکو سے وسط افریقہ تک حاوی ہے ، ضرور تسلیم کرے گا کہ ہم ہمیشہ انسانی قابلیت اور ہمت و مردانگی کی قدر کرتے چلے آئے ہیں ۔ خواہ کسی قوم ملت میں یہ صفات پائے جاتے ہوں ، ہمنے ہمیشہ ہر ملک میں لائق افراد کو تلاش کیا اپنر اعزاز و اکرام کی بارش کی نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے تمام دیرینہ علوم فنون اور سائنس کو جمع کیا ، اور بہت تھوڑے ہی عرصہ میں ایک قابلِ رشک جداگانہ تہذیب کی عمارت دنیا کے سامنے پیش کر دی وہ لوگ نہایت مہلک طور سے تنگ نظر ہیں جو مسلمانوں کی کارگذاری کی تحقیر کرتے ہیں ، اور ہماری سیاسی خدمات کو نظر انداز کر جاتے ہیں ۔ ہمارے نقائص کے باوجود ہم سے زیادہ شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو جو مذہبی تعصب سے اس قدر پاک نظر آئے اور وہ ملک کے رہنما جو ہماری پبلک پیش قدمی پر سدِ راہ ہوتے ہیں ، یقین کر لیں کہ اُن کا سیلف گورنمنٹ قائم کرنا بغیر ہماری امداد کے ایک امر موہوم ہے ، ہندوستان کا مستقبل اسوقت روشن ہو سکتا ہے جب ہم تمام ان مختلف اقوام کو جو یہاں بستی ہیں پوری آزادی سے کام کرنے دیں ، اور اُن غیر ملکی اقوال سے اُنکو سراسیمہ نہ کریں ۔ جو تھوڑے عرصہ قبل یہاں کبھی سنے بھی نہ گئے تھے ۔ اس گروہ کے ہندو رہنما خیال کرتے ہیں ، کہ ہم ان دیگر ممالک سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں ، جہاں مسلمان آباد ہیں ، اور بس ہمارا جذبہ حب وطن ایک بڑی حد تک ناقص ہے ۔

ایک مشترکہ تہذیب ۔ تاریخ ۔ روایات ۔ زبان اور قومیت ہمدردی اور برادرانہ محبت اُن اقوام میں پیدا کر سکتی ہے جنکے سوشل خیالات یکساں ہوں تو کیا جائے ، تعجب ہے اگر کوئی ہندوستانی مسلمان ، افغانستان ، ایران ، وسط ایشیا ، ٹرکی و عرب میں سفر کر رہا ہو ۔ تو وہ ان میزبانوں کی طرز معاشرت اور اخلاق و عادات میں کوئی زیادہ فرق نہ پائے گا ۔ اور بے تکلف ہو کر وقت گذار سکیگا ، انکے برخلاف ہندوستان ہی میں اور بالخصوص ایک ہی شہر میں جہاں ہم رہتے ہیں ہمارے سوشل طریقہ ہمارے ہمسایہ سے بالکل مختلف ہیں ، علاوہ ازیں بعض اسلامی ممالک ہمارے مذہبی مرکز بھی ہیں ، مثلاً حجاز فلسطین ۔ عراق ۔ ٹرکی ۔ ایران ، اور سائبیریا ۔ جنکا گوشہ گوشہ تاریخی اور مذہبی روایات کا مخزن ہے ۔ ہم اپنی بین الاقوامی وسیع النظری پر نازاں ہیں اور ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہندوستان ایک بڑا خوشحال خطہ ہوتا ، اگر اسکی سرزمین میں ذات اور چھوت چھات کی قیود رائج نہ ہوتیں ، جہانتک واقعات کا تعلق ہے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ بیرونی ممالک

سے سازش کرتے میں ہندو قوم کے بعض نمایاں افراد ہی ملوث ہیں، اور جس حد تک اُن کی ریشہ دوانیاں کامیاب ہونگی اسی قدر ہندوستان کی سیاسی منزل مقصود بعید تر ہوتی جائیگی۔ وہ مدبر جو انگریزوں کو ہندوستان سے خارج کرنا چاہتے ہیں، خیال کرتے ہیں کہ ہم مسلمان اس حالت میں ایک بیرونی مُسلم فرمانروا کو ہندوستان میں حکومت کرتا ہوا پسند کرینگے یہ اسی قدر صحیح ہے۔ جسقدر یہ کہ انگریزوں کے بعد ہندو یہ پسند کرینگے کہ ہندوستان کی سرزمین ہندوؤں کے زیر نگیں ہو۔ مسلمان خاموشی کے ساتھ ان تمام واقعات کو مطالعہ کر رہے ہیں، اور میں پُر زور الفاظ میں عرض کرونگا کہ ہم ہندوستان میں ایک خود مختار حکومت اسی وقت دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جب وہ مسلمان کے حقوق کیلئے اسی قدر پاسبانی کرے جسقدر ہندوؤں کی، دراصل یہ وہی مطمح نظر ہے، جو ہم ابنائے وطن کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں، اور دل سے خواہش کرتے ہیں، کہ وہ نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر ہماری معاونت کریں ورنہ سوراج ہوم رول۔ سلف گورنمنٹ جیسے پر شکوہ الفاظ ہمارے لئے مطلق دلکش نہیں ہیں۔ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ چند ہندو رہنما دو قوموں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے بہت کوشاں ہیں اور مسلمان درحقیقت اس جدوجہد میں پیش پیش ہیں اور ہم یہ واقعہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ بعض مسلمانوں نے ہندو رہنما کو مساجد کے ممبر پر جگہ دی ہے اس خیال سے کہ ان سے اخلاص و محبت کی پوری توقع تھی، مگر نتائج اسقدر حوصلہ شکن ہیں، کہ ہم آنکھ بھی نہیں کر سکتے۔ اسکے باوجود یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جسکا حل کرنا ناممکن ہو مگر ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم ان ریشہ دوانیوں کا سدباب کریں۔ جو بعض ہندو مدبر انگریزوں کے صبر و تحمل سے فائدہ اٹھا کر حصول سوراج کی کوششیں کر رہے ہیں، اور جو اپنے منزل مقصود کی مشکلات و مصائب کی تاب نہیں لا سکتے، غالباً عرصہ دراز کے بعد ان دو قوموں میں کوئی اتحاد پیدا ہو سکے، جسکے دور حاضرہ میں اسباب مفقود ہیں۔ اس مسئلہ کا حل بظاہر اسی طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوستان کی پوری آبادی کو ایک ہی نوعیت کی شرائط بود و باش عطا کریں۔ جو یقیناً اقتصادی اور دماغی نشوونما کا باعث ہوگا۔ اور ایک خاص گروہ سے وہ سیاسی طاقت و اہمیت فنا کر دیگا، جسکی وجہ سے ملک میں فتنہ و فساد برپا ہو رہے ہیں۔ کیا ہمارے ابناء وطن اس مقصد میں ہمارے شریک ہو سکتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقصد کی تکمیل یکایک نہیں ہو سکتی، یہ

دراصل ایک اہم ترین سوال ہے. جسکا غیر خوشگوار اثر دنیا کے گوشہ گوشہ میں محسوس کیا جارہا ہے اور وہ سوشل تحریک جو فطرت انسانی پر مبنی ہے ضرور اپنے کرشمہ دکھاکر رہے گی، یہ ہمارا کام ہے کہ ہم ہندوستان میں اس کا خیر مقدم کریں اور ملک کے خصوصی حالات کے موافق اس میں ترمیم و تنسیخ کریں، وہ محض جدید سائنس کا ساختہ سراب نہیں ہے. جسکا حاصل کرنا دائرہ امکان سے باہر ہے وہ ایک ایسا آئیڈیل ہے جو اسلام کی بنیادی اصول پر مبنی ہے. آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں کسی گروہ یا جماعت کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیگئی ہے، وہ انفرادی حقوق کا محافظ اور سرمایہ داروں کا سخت ترین مخالف ہے ہمارے ملک میں اکثریت اور اقلیت میں اس وجہ سے جلد تمیز کی جاسکتی ہے کہ ان کے مذہب گذشتہ تاریخ میں اختلاف اور تمدن و تہذیب زندگی کی رسوم اور معاشرتی فرائض میں نمایاں فرق ہے اور انکا کوئی سیاسی اصول جس طرح کہ انگلستان کے قدامت پسند آزادخیال اور معاشرتی جماعتوں میں پایا جاتا ہے اس کا باعث نہیں قرار پاسکتا، ہندو اور مسلمان قومیں جو خاص طور پر آبادی کے اجزائے ترکیبی ہیں بحیثیت مجموعی ہندوستان میں چار اور ایک کی نسبت رکھتے ہیں. یہانتک کہ بنگال اور پنجاب میں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے. یہ دونوں قومیں تقریباً مساوی طور پر تقسیم کیگئی ہیں گوکہ مسلمان کچھہ زیادہ ہیں، پھر آپ چاہیں سو کریں، ووٹ بڑی حدتک لوگوں کے مختلف النواع اثرات اور ملک کے مختلف انتظامات سے متاثر ہوتے ہیں، اس لحاظ سے بھی ہندو کل ہندوستان میں ایک رفیع مرتبہ پر ہیں، کہ وہ ساہوکار وکیل اور زمیندار ہیں، اور کل پبلک اختیارات جو نہ صرف گورنمنٹ کے مختلف محکہ جات مثلاً مالگذاری، محکمہ انتظامی، پولیس اور عدالت میں بلکہ میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ، لوکل بورڈ یونیورسٹیوں، کالجوں، اور اسکولوں محکمہ صحت عامہ اسپتالوں، شفاخانوں، یہاں تک کہ ہر شعبہ سکے سرکاری طبقہ کے اجزا رترکیبی بنے ہوئے ہوں، اس کے علاوہ ان کی انتظامی حالت بھی بہت عمدہ ہے،

ہماری سیاسی حالت کی کمزوری خصوصاً بنگال میں زیادہ ہے: جہاں مسلمان ہندوستان کی مجموعی آبادی کے لیے حصہ سے زیادہ ہیں، اور اس صوبہ کی کل آبادی میں ۵۵ فی صدی ہیں، بنگال کی انجمن وضع قوانین کے نصف سے زیادہ اراکین ہندو مدبرین کی ایک جماعت کے انتظام

رہنما یا نہ امداد اور اثر کی وجہ سے اپنے عہدہ پر مقرر ہیں، اور اسی لئے اپنی ذات کو انکے لئے وقف کر رکھا ہے میں اپنے مفہوم کو واضح کرنے کیلئے چند مثالیں پیش کرتا ہوں،

ایک مرتبہ کونسل میں بعض سیاسی تفرقہ اندازیوں کی وجہ سے دو مسلمان وزیر ہو گئے تھے اور جنہیں محکمہ جات متعلقہ تفویض کئے گئے تھے، لیکن وہ اپنے عہدے سے ووٹوں کی ایسی مجموعی تعداد کیوجہ سے جس میں بیس مسلمانوں کے ووٹ بھی شامل تھے علیحدہ ہوئے تھے، یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسکی وجہ انکی کوئی ایسی نامقبول پالیسی نہ تھی جسے وہ اپنے مفوضہ محکمہ جات میں استعمال کر رہے تھے، اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے، کہ مسلمان اراکین کا طرز ان بعض اہم مسائل کے متعلق کیا تھا، جو موجودہ کونسل میں پیش کئے گئے تھے، آپ بنگال کے ہندو مسلم معاہدہ کے متعلق سن چکے ہیں جس نے کتنے مسلمان ممبروں کو ایسی سیاسی جماعت میں شریک ہونے کیلئے متاثر کیا جو چالاک ہندو دماغوں کے زیر اثر تھی اور انہیں کے سرمایہ و انتظام سے چلائی جاتی تھی، جب کونسل میں اس معاہدہ پر بحث کیگئی، تو اراکین نے ایک ایسے اہم مسئلہ کی جسنے نہ صرف بنگال بلکہ کل ہندوستان میں تفرقہ اندازی کی ہے، بنگال کونسل میں اس کی عقدہ کشائی کو اپنے ووٹوں کی مدد سے ایک نامحدود مدت تک ملتوی کر دیا، کل ہی رات کی بات ہے، کہ گورنمنٹ کیجانب سے ایک بل پیش کیا گیا تھا، کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے اخراجات کیلئے ایک مستقل امداد فراہم کیجائے، ایسے سرمایہ کی اہم ضرورت تھی، کیونکہ یونیورسٹی جسکا مستقبل نہایت خوش آیند معلوم ہوتا تھا اور جو پہلے ہی سے اپنی شاندار کارگذاری فضا امن و حفاظت میں دکھلا رہی تھی، یہ یونیورسٹی بنگال کے مشرقی حصہ کی ضروریات کو پورا کرتی، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ کی کافی تعداد پیدا کرتے ہیں، اگر وہ مجموعی تعداد کے ۳/۴ حصہ کے مالک ہوتے ہیں، اور یونیورسٹی کے با اختیار طبقہ میں مسلمانوں کی نمایندگی نصف سے زاید ہوتی ہے، اسکا مسلم حال ان بنگالی مسلمانوں کیلئے ایک شاندار مستقبل رکھتا ہے، جو ابھی تک تعلیمی لحاظ سے پیچھے ہیں، اور باایں ہمہ کونسل کے مسلمان سوراجی ممبروں نے اس مسئلہ کی مخالفت میں ووٹ دیا، اور کسی نے اسکی مخالفت میں تقریر کرنے کی جرأت نہیں کی انہیں میں سے ایک نے اس مسئلہ کی تائید میں جسے مناسب موقعہ پر یقینی طور پر انکے ووٹ دہندگان تک پہنچایا جائیگا، تقریر کی، لیکن پھر بھی ووٹ دیتے وقت اپنے مخالفوں کا ساتھ دیا،

بہرحال مخالفتوں کے باوجود بل قانون کی صورت میں منظور کر لیا گیا، اور ڈھاکہ یونیورسٹی نقصان سے بچ گئی، ان لوگوں اور انکی جماعت کا آخری زمانہ چند روز قبل معرض عمل میں آیا، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بنگال میں نوے فیصدی آبادی زراعت پیشہ ہے اور ان کاشتکاروں کی محنت پر جو روزمرہ بخارات (وبا) کی متاثر دلدلوں میں کام کرتے ہیں، صوبہ کی دولت اور خوشحالی کا انحصار ہے، کونسل کے آخری اجلاس میں ایک اہم لیکن حد درجہ معتدل مسئلہ پیش کیا گیا تھا، جسکا مقصد موجودہ قانون مزارعان بنگال کی کارروائی کو ترقی دینا اور اسکے ساتھ ہی رعیت کو کچھ اطمینان بخشنا تھا کونسل کی مجوزہ منتخبہ جماعت کے طبقہ میں مقتدر کافی اثر رکھنے والے زمینداروں کی کثرت تھی اور انجمن وضع قوانین کے چند اراکین نے تین یا چار ناموں کے اضافہ کی تحریک کی، جو اُن لاکھوں بے زبان کاشتکاروں کی حالت کو جن میں مسلمانوں کی کثرت ہے پیش کرنے کے قابل ہوتے، بنگال کی سوراج پارٹی نے جس میں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، چالیس میں بیس مسلمان اراکین ہیں، اسی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس تحریک کو شکست دینے کیلئے گورنمنٹ کا ساتھ دیا، دوسری تحریک جو انکی مدد سے منظور ہوئی، مجوزہ تعداد (کورم) توسیع کے متعلق تھی تاکہ منتخبہ جماعت کے باثر زمیندار اگر چاہیں تو کمیٹی وقت پر رپورٹ دینے کے ناقابل ہوگی، اور بل خود بخود نامنظور ہو جائیگا جبکہ اس کونسل کی زندگی ایک سال کے اندر ختم ہو جاتی ہے، بنگال کی سوراج پارٹی میں نہ صرف اکثر دولتمند زمیندار ہیں، بلکہ اس سے کافی مدد حاصل کرتی ہے، پس اس طرح یہ امر حد درجہ مشکوک ہے کہ آیا وہ کبھی ایسی پوزیشن میں ہو سکتے ہیں، کہ ان مزدوروں اور رعایا کی ایک ذمہ داری کو بھی پورا کر سکیں جنکے وہ نمائندہ ہیں،

سب سے پہلی مثال جس میں دو سال کی تحصیل لاحاصل کے بعد انہوں نے ایک نئی اسپرٹ پیدا کی جسے "اہم ذمہ وارانہ اتحاد" کہا جاتا ہے ایسی امید کیلئے تباہ کن ہے، سوراجی سیاسی جماعت کی حیثیت میں کم از کم بنگال کی مجلس قوانین میں ناکارہ حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے مسلمان مددگار ایک فریب ہیں، جو بنگال کے مسلمان انتخاب کنندگان کے مجرم ہیں، اس امر کے معلوم کرنے کیلئے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں، کہ ہندوستان کی سیاسی حالت مشکلات اور پیچیدگیوں سے لبریز ہے، اس میں ایسے کارکن موجود ہیں جو کافی تفریق آراء اور کام

کی وسعت پذیری میں کوشاں رہنے کیلئے پابند ہیں :-

ہمیں وزیر ہند کی طرف سے اس امر کی دعوت دیگئی ہے، کہ ہم حکومت کے سامنے ایک ایسا آئینی نظام پیش کریں، جسکے متعلق عام طور پر اتحاد دیا جائے میرے خیال میں اس عام اتحاد رائے سے خاص طور پر ہندو اور مسلم اتحاد رائے مقصود ہے، اس مقصد کی تکمیل کیلئے یہ ضروری ہے کہ دونوں جماعتوں کے سربرآوردہ نمایندوں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کیجائے، اور مجھے امید ہے کہ اس مجلس کا انعقاد جلد سے جلد ہوگا، تاہم کچھ ایسے عام مسائل موجود ہیں، جنکے متعلق عملاً مسلمہ ہندو میں اتحاد رائے موجود ہے، ہیں انکی طرف پہلے اشارہ کرچکا ہوں، اور انہیں پھر عرض کئے دیتا ہوں، جس شخص نے کہ ہندوستان کے انتخابی نظام تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، خواہ یہ انتخابات مجالس وضع قوانین کے ہوں یا میونسپلٹیوں یا ڈسٹرکٹ بورڈوں، یونیورسٹیوں یا دوسری خود انتظامی جماعتوں کے اس امر کا یقین ضرور ہوگیا ہوگا، کہ باستثنار ان چند مقامات کے جہاں مسلمانوں کو نمایاں طور پر تعدادی غلبہ حاصل ہو۔ دوسرے مقامات پر مشترک حلقہ ہائے انتخاب کے توسط سے مسلمانوں کا منتخب کیا جانا ناممکن ہے، اگر آپ اس طرز عمل کو پیش نظر رکھیں، جو ان دونوں جماعتونکا ایک دوسرے کے ساتھ ہے تو یہ امکان بالکل قرین قیاس اور فطری نظر آتا ہے لہذا اس امر کی توقع تو کوئی نہیں رکھ سکتا کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کیلئے ایک عام اور مشترک حلقہ انتخاب قابل قبول ہوگا، باقی رہی یہ تجویز کہ حلقہ ہائے انتخاب تو مشترک ہوں۔ لیکن خاص مسلمانوں کیلئے چند نشستیں محفوظ کردیجائیں، تو یہ پہلی تدبیر سے زیادہ قابل اعتراض ہے۔ اگر مجلس وضع قوانین اور دوسری خود انتظامی جماعتوں میں مسلمان قطعاً منتخب نہ کئے جائیں تو اس صورت میں وہ قطعاً آزاد ہونگے، اور اس امر کے مجاز کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کارروائیونکی مخالفت کریں، جو انکے اغراض کیلئے مضر ہیں، لیکن فرض کرو کہ متحدہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے مسلمان منتخب کئے گئے، ایسی صورت میں یہ امر قطعی ہے کہ یہ منتخب شدہ افراد تمام وکمال اپنے انتخاب کے بارہ میں بااثر ہندوؤں کے مرہون منت ہونگے اور ایسی صورت میں جہاں خود انکی اپنی جماعت کے آرا اور خواہشات کے پیش کرنیکا سوال یا اسکے اغراض کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہوگا، تو یہ بالکل عاجز ہونگے، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں، خود علیحدہ

قومی حلقہ ہائے انتخاب میں بھی یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ کمزور انتخابی حلقہ خواہ وہ تمام و کمال مسلمانوں ہی پر مشتمل کیوں نہوں، زمینداروں اور ساہوکاروں، وکیلوں اور خود مقامی عہدہ داروںکے اثرات میں آجاتے ہیں اور انکا بڑا حصہ ہندوؤں پر مشتمل ہوتا ہے، موجودہ نظام کے ماتحت مجالس وضع قوانین میں کچھ ایسے مسلمان اراکین پائے جاتے ہیں جنکی حیثیت خود مختارانہ ہے۔ اور جو آزادی کے ساتھ اپنے حلقہ ہائے انتخاب کی ضرورت اور خواہشات کو پیش کر سکتے ہیں، اگر حلقہ ہائے انتخاب مشترک کر دیے جائیں، تو ایسے اراکین کا انتخاب قطعاً ناممکن ہوگا، مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے، خود یورپینوں کے لئے بھی علیحدہ انتخابی حلقہ رکھنے کی ضرورت محسوس کیجا چکی ہے پس ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا، کہ موجودہ حالت میں کسطرح کوئی شخص اپنے دل پر ہاتھ رکھکر مسلمانوں کو علیحدہ انتخابی حلقوں سے محروم کرنا چاہتا ہے، جو شخص ایسا کرے بالیقین مانئے کہ اس کی خواہش اصلی یہی ہے کہ یہ جماعت قوم کی قانونی انجمنوں سے قطعاً خارج کر دیجائے، اب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ان نتائج کو مختصراً پھر عرض کر دوں جنہیں ابتک حالت حاضرہ سے بحث کرتے وقت میں نے ضمناً بیان کیا ہے، ان نتائج سے جو دوسرے نتائج پیدا ہوتے ہیں، میں انہیں بھی عرض کر دونگا

موجودہ صورت میں تمام طبقوں اور جماعتوں کیلئے ایک عام حلقہ انتخاب قائم کرنا ناممکن ہے اگر ایسا کیا جائے، تو بڑی بڑی اور اہم قلیل التعداد جماعتوں کے اغراض کو صدمہ پہونچیگا، اور اس سے ملک میں شدید فتنہ وفساد پیدا ہونیکا احتمال ہے۔ عام طور پر قلیل جماعتوں کے اغراض کی حفاظت کیلئے حفاظتی تدابیر کو عمل میں لانا لازمی ہونگی، علاوہ بریں یہ بھی ضروری ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں قوموںکو مجالس وضع قوانین میں تعداد آبادی کے تناسب کے اعتبار سے حق نمایندگی دیا جائے اور کسی جماعت کو ہندوستانی اور صوبہ داری وضع قوانین میں ۳۳ فیصدی سے کم نشستیں نہ دی جائیں۔"

—— ۱۹۲۵ء میں ہندوستان کی تیسری قسط اصلاحات کے متعلق ایک رائل کمیشن کا اعلان ہوا فروری ۱۹۲۶ء میں سوراجیہ پارٹی کی طرف سے اسمبلی میں ایک رزولیوشن پیش کیا گیا کہ مکمل ذمہ دار حکومت کے خیال سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں اصلاح کیجائے، اور اس مقصد کیلئے جلد از جلد ایک بڑی نمایندہ گول میز کانفرنس منعقد کیجائے۔

تحفظ اور ہندوستان کیلئے ایک نئے کانسٹیٹیوشن کی اسکیم کی سفارش کرے، لیکن گزشتہ پنج سالہ ۱۹۲۲ تا ۱۹۲۷ کے فسادات ورجحانات[۵] نے ہندو مسلمانوں کے مابین عام بدگمانی و بے اعتمادی پیدا کر دی تھی، اور مسلمانوں کو اندیشہ تھا۔ کہ اب حکومت خود اختیاری میں جو ترقی ہونیوالی ہے وہ ہندو راج کے مترادف ہوگی، مسلمان اس ہندو راج کے تو خلاف تھے جس میں انکی اقلیت کے جذب و فنا ہونے کا صاف خطرہ تھا۔ لیکن دستوری ترقی کی زبردست خواہش اور ملکی و سیاسی اتحاد کی تمنا رکھتے تھے، دسمبر ۱۹۲۶ء میں سر عبدالقادر نے اپنے خطبہ صدارت مسلم لیگ میں اتحاد و شکست اتحاد اور مسلم حقوق پر جو مبسوط بحث کی ہے اس میں وہ کہتے ہیں کہ:-

"خود کانگریس نے جب یہ دیکھا کہ خلافت ترکی کی حفاظت کا سوال زور زیادہ اہمیت پکڑ گیا ہے اور مسلمانوں میں دو نئی جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں یعنی خلافت کمیٹی، اور جمعیۃ العلماء تو اسنے ان دونوں کے ساتھ شرکت عمل کرنے کو زیادہ مفید سمجھا، لیکن اس اتحاد کی بنیاد استوار نہ تھی، مسلمانوں کو خلافت کے مسئلہ کا بہت زیادہ احساس تھا، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ تحفظ خلافت میں کانگریس سے انکو مدد مل سکیگی، ادھر بہت سے ہندو سیاست دانوں نے جنہوں نے مسئلہ خلافت سے اظہار ہمدردی کیا تھا، اس امر کی کوشش کی کہ اپنی اغراض کیلئے مسلم جذبات کے تلاطم سے فائدہ اٹھا لیا جائے اور انکی یہ خواہش ہرگز نہیں تھی، کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی پائدار اور اصلی اتحاد قائم رکھا جائے۔ ہندوؤں کو عام طور پر اسبات کا یقین تھا کہ ترکی کی طاقت کا خاتمہ ہوجائیگا، اور دول دنیا میں اسکی کوئی اہمیت نہیں رہے گی، اس بنا پر ہندو سیاست داں آزادی سے اس مسئلہ سے ہمدردی ظاہر کرتے تھے کیونکہ انکے نزدیک ترکی کی ترکی تمام ہوچکی تھی، لیکن جب ترکی اس کشمکش کے بعد نئی قوت لئے ہوئے جاں بر ہوئی، گو اس کی مملکت کا رقبہ بہت کم ہوگیا تھا، تو ہنود کے جذبات میں تبدیلی پیدا ہوگئی، اور انہوں نے پھر مسلمانوں کے متعلق وہ مخالفانہ طرز عمل اختیار کر لیا، جو مہاتما گاندھی جی کے

---

[۵] اس پانچسال میں ۴۵۰ جانیں تلف ہوئیں اور پانچہزار آدمی مجروح ہوئے

قومی اثر کی بدولت چندے معطل ہو گیا تھا، میرے خیال میں مہاتما گاندھی کو حقیقت میں مسلمانوں کے احساسات سے ہمدردی تھی، اور ان کو اس بات کا یقین تھا، کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر کوئی سیاسی ترقی نہیں ہو سکتی، لیکن ان کے بہت سے ہم مذہب اصحاب کو ان خیالات سے اتفاق نہ تھا، چنانچہ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تحریک کا ایک نہایت پُر زور رد عمل واقع ہوا، جس میں نہ صرف مہاتما گاندھی کی ہی پالیسی کی مخالفت ہونے لگی، بلکہ شدھی اور سنگٹھن جیسی تحریکات وجود میں آئیں، مہاتما جی نے کچھ عرصہ تک ہندوؤں کی اس غیر خوشگوار بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے کی کوشش کی، جس میں فرقہ داری شامل تھی، لیکن بجائے اسکے کہ انکو کامیابی ہوتی ان کی اپنی مقبولیت جاتی رہی، اور انہیں پبلک زندگی سے قبل از وقت علیحدہ ہونا پڑا۔"

"مہاتما گاندھی کی طرح مسٹر داس آنجہانی کا بھی یہ خیال تھا کہ ہندوستان کی ان دو بڑی جماعتوں کا اتحاد ضروری ہے، پس جو کام یہ دونوں عالی ظرف اصحاب کر رہے تھے وہ رُک گیا، اس کی جگہ ایک اور مخالفانہ تحریک پیدا ہو گئی، جس کے حامی پنڈت مدن موہن صاحب اور جناب لالہ لاجپت رائے جیسے صاحبان ہیں جو ہمیں پھر اس فضائے سیاسی میں واپس لے جانا چاہتے ہیں، جسکو ہم نے اپنی دانست میں ہمیشہ کیلئے خیرباد کہدیا تھا، ہندو سبھا کی رجعت پسند پالیسی کے حامیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ جو مخالفت ہو رہی ہے، وہ نہایت کوتاہ بینی پر مبنی ہے اور ملک کیلئے بحیثیت مجموعی نقصان دہ ہے، یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جبتک یہ طرز عمل جاری رہیگا، ہندوؤں اور مسلمانوں میں کسی حقیقی اشتراک عمل کی توقع نہیں کیجا سکتی، مجھ کو امید ہے کہ یہ صورت دیر تک قائم نہیں رہیگی، لیکن جبتک موجودہ شکل قائم رہے، ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ حقوق کی منظم حفاظت کریں،

کانگریس اور مسلم لیگ کو چاہیئے کہ بہ حیثیت ملک کی دو سر برآوردہ سیاسی انجمنیں ہونے کے اول

نوٹ:- فاضل صدر کو ہی نہیں، بلکہ بڑے بڑے زمانہ شناس اصحاب کو گاندھی جی کی نسبت دھوکہ ہوا، انہوں نے اپنی ریا کی چادر کو بہت جلد اتار پھینکا۔

تو اس بات کا انتظام کریں، کہ دونوں جماعتوں کے چیدہ چیدہ نمایندے کسی مرکزی مقام پر ایک کانفرنس میں شریک ہوں، جیسا کہ ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا، جبکہ مشہور و معروف میثاق لکھنؤ کی تصدیق ہوئی تھی، اس میں شک نہیں کہ اصلاحات کی پہلی قسط جو ہمیں ملی ہے، اس میں اس باہمی سمجھوتے سے بہت سہولت ہوئی، جو ان دونوں اقوام میں طے پایا تھا، اسکی تائید اس امر سے ہوتی ہے، کہ لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں نے باہمی رضامندی سے جس تناسب کا فیصلہ کیا تھا، اسی کو **مانٹیگو چمسفورڈ** سکیم کے ذمہ دار واضعین نے زیادہ تر اپنے فیصلہ کی بنیاد قرار دیا، اس کے بعد سے دونوں اقوام میں یہ احساس موجود ہے کہ بعض پہلوؤں کے لحاظ سے میثاق لکھنؤ میں ترمیم ہونی چاہیئے یا اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، اور اگر ہم ایک مرتبہ آپس میں مشورہ کرلیں تو ضروری ترمیمات کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی، یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اگر کوئی تازہ **معاہدہ** ہوجائے، یا اسی پرانے معاہدے میں جو اصول بنیادی مضمر ہیں، ان کی کسی قدر ترمیم کے ساتھ تصدیق ہوجائے، تو مزید اصلاحات کے نفاذ میں بہت زیادہ سہولت پیدا ہوجائیگی، مگر اس قسم کے اتحاد کے بغیر ہماری مشکلات کا کبھی خاتمہ نہیں ہوسکتا، اگرچہ اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کانگریس اس قسم کی تجویز کو کس نظر سے دیکھے گی لیکن میں اسکو اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایک ہندوستانی اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں اس جلسہ میں اس بات کا اظہار کردوں کہ مسلمان میثاق مذکور کی تصدیق یا تجدید کیلئے تیار ہیں، اسکی شرائط کا فیصلہ مناسب غور و خوض کے بعد ہوسکتا ہے اور ہم اپنے ہندو ہم وطنوں کی طرف دوستی اور رفاقت کا ہاتھ اس امید سے بڑھاتے ہیں، کہ وہ بھی ہاتھ بڑھاکر دوستی قائم کریں، اور اشتراک عمل کے متعلق گفت و شنید کریں، اگر کوئی ایسی کانگریس کبھی منعقد ہو تو اس کے سامنے سب سے زیادہ اہم مسئلہ جو پیش کیا جائیگا، وہ اسمبلی اور کونسلوں میں اور دیگر پبلک جماعتوں میں مسلمانوں کی کافی نیابت کے انتظام کے متعلق ہوگا، ہندوستان میں مسلمانوں کی اقلیت ہے، اسمبلی میں تو انکی نیابت کو مشکل سے کافی یا موثر کہہ سکتے ہیں، بہت سے صوبجات میں بھی انکی تعداد قلیل ہے، وہاں انکو میثاق لکھنؤ کے مطابق انکی آبادی کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ نیابت دی گئی ہے، لیکن اس اضافہ سے مسلمانوں کو اپنی مرضی پر چلانے میں تو کوئی اعانت نہیں

مل سکتی، مگر یہ ضرور ہے کہ انہیں اس سے کچھ اطمینان ہوتا ہے، ہندوستان کے صرف تین صوبے ایسے ہیں، جہاں مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے، یعنی بنگال، پنجاب، اور صوبہ سرحدی، ان میں سے آخر الذکر میں تاحال اصلاحات کو نافذ نہیں کیا گیا، میثاق لکھنؤ کے مطابق مسلمانان بنگال کو اسکی آبادی کے لحاظ سے بہت کم حصہ ملا، اور انکا کچھ حصہ اور پنجاب کا کچھ حصہ ان صوبوں کا تناسب پورا کرنے کیلئے استعمال کیا گیا، جہاں غیر مسلم اصحاب کی آبادی کثیر تھی، پنجاب میں اور غالباً بنگال میں بھی اس بات کا بہت احساس ہے کہ اگر تناسبات پر مکرر نظر ثانی کیجائے تو اس اصول کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک صوبہ کی قلیل التعداد اور کثیر الافراد جماعتوں کے ساتھ خواہ وہ ہنود کی ہوں خواہ مسلمانوں کی یکساں سلوک رہے، جب بہت سے صوبوں میں غیر مسلم اکثریت کو اپنے ہاں کے امور پر موثر انداز میں اثر ڈالنے کا موقعہ دیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دیگر صوبجات میں انہیں مراعات کو روا نہ رکھا جائے، جہاں مسلمانوں کی تعداد کثیر ہو،

البتہ ہر جگہ قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق کی مناسب حفاظت کا انتظام ہونا چاہیئے، تاکہ کثیر التعداد جماعت کو اسبات کا موقعہ نہ مل سکے، کہ وہ اپنی تعداد سے ناجائز فائدہ اٹھائے یا اپنی طاقت کا غلط استعمال کرے، میرے خیال میں اس تجویز کی موزونیت کے متعلق کسی کو بھی بجا اختلاف نہیں ہو سکتا، اور اگر دونوں اقوام اس اصول کو مد نظر رکھیں تو نہایت مناسب ہے، لیکن اس راہ میں ایک مشکل حائل ہو گئی ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے، ہندو اصحاب اس بات پر زور دیتے ہیں، اور یہ زور دینا بیجا نہیں کہ اگر مذکورہ بالا طریق پر نیابت قومی کی نظر ثانی کیجائیگی، تو ان صوبوں میں سے جہاں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہے، اور جہاں انکی نیابت میں اضافہ کیا گیا تھا، اس اضافہ کو واپس لینا پڑیگا، میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ کسی مجموعی فیصلہ میں جو سارے ملک کیلئے ہو یہ امر قرین انصاف نہیں ہوگا کہ ہم مذکورہ بالا اضافہ مانگتے رہیں اس صورت میں جب ہم ان صوبوں میں جہاں ہماری تعداد کثیر ہو، اپنے جائز تناسب کا مطالبہ کریں اسوجہ سے اب بہت سے اصحاب متفق ہوتے جاتے ہیں، کہ بمبئی، مدراس اور صوبجات آگرہ اودھ جیسے صوبوں میں ہماری جو نیابت قومی میں جو قلیل اضافہ ہوا ہے، اسکے باوجود بھی ہماری اقلیت بدستور رہتی ہے اور اس سے کچھ عملی فائدہ نہیں ہوتا، برعکس اس کے بنگال اور پنجاب میں ہماری تعداد

عملاً قلیل التعداد جماعتوں کے برابر پہنچ گئی ہے، اب اس بات کا فیصلہ ان صوبوں کے مسلمانوں پر ہے کہ آیا وہ اپنے اضافہ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، جو انہیں ۱۹۱۶ء کے سمجھوتے کے مطابق حاصل ہوا۔ اس غرض کیلئے انکے دیگر بھائیوں کو جنکی دوسرے صوبوں میں تعداد زیادہ ہے اس سے کچھ امداد ملے اور اپنی تعداد سے کچھ فائدہ اٹھا سکیں، یا وہ اس مضر اثر کے باوجود جو مسلمانوں کی آبادی کے ایک حصہ کثیر پر پڑ رہا ہے، موجودہ صورت حالات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، اگر وہ موجودہ تناسبات کی نگرانی پر مائل ہوں، تو اس سے تمام قوم کو بہ حیثیت مجموعی نفع پہنچ سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس برائے نام فائدہ کو ترک نہیں کرنا چاہتے، جو انہیں حاصل ہے تو پھر ہمیں اس فیصلہ پر مردانگی کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے جو ۱۹۱۶ء میں طے پایا تھا، اور موجودہ شکل سے حتی المقدور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے ....

اگرچہ تمام معقول ہندو لیڈر عام طور پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایک مناسب نیابت قومی کا حق حاصل ہے، لیکن ان میں اکثر کا خیال یہ ہے، کہ اس نیابت قومی کو مخلوط یا مشترکہ حلقہ جات نیابت کے ذریعہ دینا چاہیئے، اور ہر ایک صوبہ میں مسلمانوں کیلئے نشستوں کی مقررہ تعداد محفوظ رکھی جائے، لیکن انکا انتخاب مسلم اور غیر مسلم ووٹروں کے مشترکہ حلقے میں سے ہو۔ انکی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں مشترکہ قومیت قائم کرنے میں نسبتاً زیادہ مدد ملیگی، اور ایسے افراد منتخب ہوا کرینگے، جنپر دونوں اقوام کو اعتماد ہوگا، میں یہ تسلیم کئے لیتا ہوں، کہ یہ تجویز ہندو مسلم انتخابات کے جداگانہ حلقہ جات کی نسبت جن پر مسلمان بہ حیثیت جماعت اسقدر مصر ہیں، سطحی نظر سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے، اور بعض انگریز حضرات بھی جنہیں ہندوستانیوں کی خواہشات سے ہمدردی ہے، اس نظریہ کو زیادہ قابلِ قبول سمجھتے ہیں، اور اکثر یہ کہہ دیتے ہیں کہ جداگانہ حلقہ انتخابات کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ ایک ناگزیر عیب ہے۔ انکے اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ہندوستان کے حالات کا کافی علم نہیں ہے وہ یہاں کے حالات کا اندازہ انگلستان کے معیار سے لگاتے ہیں، جہاں صدیوں سے مشترکہ قومیت کا مطمح نظر موجود ہے، اور اسی مطمح نظر میں وہاں کی مشترکہ زبان اور تہذیب سے مزید پختگی اور استواری پیدا ہوگئی ہے، لیکن ہندوستان میں ابھی حقیقی معنوں میں قومیت کی تشکیل ہونی باقی ہے، اور اس تشکیل

سے پہلے ہمیں ان بے شمار عقدوں کو حل کرنا ہوگا، جو ذات پات کے اختلاف اور مذہب و تہذیب کے تضاد اور رہنے سہنے اور کھانے پینے کے جداگانہ طریق کے باعث موجود ہیں، یہاں نہ صرف کئی زبانیں مروّج ہیں، بلکہ ہر ایک زبان کے شیدائی اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ انکی محبوب زبان کو ہر جگہ اور کل اغراض کیلئے استعمال کیا جائے، اس قسم کے حالات میں یہ توقع فضول ہے، کہ یورپ کے نظریات ہندوستان کیلئے مفید ثابت ہونگے، جہاں مختلف قومیں آباد ہیں، میں مغربی بھائیوں کو یقین دلا سکتا ہوں، کہ ہندوستان کے مسلمان اس خواہش میں کسی سے پیچھے نہیں، کہ مغربی سیاسیات کی بہترین چیزوں کو حاصل کریں، اور اپنے ہاں صحیح معنوں میں نیابت قومی کے اصولوں پر یہ سوچے بغیر عمل نہیں کر سکتے. کہ آیا وہ اس ملک کے مخصوص حالات کے موافق ہیں یا نہیں، جہاں تک ہمارے ہندو بھائیوں کا تعلق ہے مجھکو ابتک یہ نہیں معلوم ہو سکا، کہ جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے متعلق انکی مخالفت کس بنا پر ہے، تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ موجودہ صورت حالات میں مشترکہ انتخاب سے اکثر اوقات صرف ایک ہی فریق کو طمانیت حاصل ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں تو حلقہ انتخاب کے اندر شدید تنازعات رونما ہو جاتے ہیں، برعکس اس کے جداگانہ طریق انتخاب کے فوائد ظاہر ہیں، یعنی انتخاب کے موقعہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں غیر ضروری شکر رنجی پیدا نہیں ہوتی، اور مقابلہ صرف ایک ہی قوم کے افراد تک محدود رہتا ہے، مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب سے کوئی ایسا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، جو ہندوؤں کو نہیں ملتا، میرے نزدیک اس مسئلہ کا بہترین حل یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں قومیں جداگانہ طریق انتخاب کو مان لیں، تاوقتیکہ اس کے ترک کر دینے کی مشترکہ خواہش نہ ہو، میں ان میں سے نہیں ہوں جنکا یہ خیال ہے کہ یہ طریق ہمیشہ کیلئے لازمی اور ضروری ہے، مگر یقیناً میری رائے یہ ہے کہ اس طریق انتخاب کو اس وقت تک ضرور بحال رکھا جائے، جبتک شک و شبہ اور بے اعتمادی کی موجودہ فضا موجود ہے، جسکے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ مختلف قوموں میں امن و امان قائم رکھنے کیلئے جداگانہ طریقہ انتخاب کو جاری رکھا جائے، بعض حلقوں میں اس رائے کا اظہار کرنا معمول ہو گیا ہے کہ یہاں کی تمام مشکلات اور موجودہ ہندو مسلم کشیدگی کا باعث جداگانہ انتخاب میں ہے، اس سے زیادہ کوئی بات گمراہ کن نہیں ہو سکتی، اور مجھکو امید ہے کہ جملہ بہی خواہان ملک عام اس سے کہ وہ یورپین ہوں، یا

ہندوستانی، سرکاری ہوں، یا غیر سرکاری اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے خالی الذہن ہو کر غور کریں گے، اور جملہ پہلوؤں پر کامل غور و خوض کے بعد کسی صحیح نتیجہ پر پہونچ سکینگے، حضور وائسرائے بہادر کی تازہ تقریروں سے مسلمانوں میں ایک قسم کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے، کہ شاید وہ جداگانہ طریق انتخاب کے خلاف ہیں، میں اس موقعہ پر یہ امر حکومت ہند اور حکومت انگلستان کے ذہن نشین کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ موجودہ حالات میں اُنکے حقوق کی حفاظت صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ ان کیلئے جداگانہ حلقہ جات انتخابات کے قائم رکھا جائے تاوقتیکہ انکے ہندو بھائی اُن کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار نہ کریں، جو از روئے انصاف موزوں ہو، اس قسم کی حفاظتی تدابیر اور دیگر امور تحفظ موجودہ حالات میں ناگزیر ہیں کونسلوں اور دیگر جماعتوں میں مسلمانوں کی نیابت سے ملتا جلتا ایک اور مابہ النزاع مسئلہ ہے جسکے لحاظ سے مسلمانوں کی حیثیت کا بعض اوقات سرکاری افسران اور بعض اوقات ہمارے ہندو ہم وطن اور بعض اوقات دونوں کے دونوں بہت کچھ غلط اندازہ لگاتے ہیں مسلمانوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ ہمارا یہ حق ہے کہ ملک کے نظم و نسق میں مناسب حصہ انہیں انہیں دیا جائے حقیقت میں یہ وہی مطالبہ ہے جو ایک مدت سے کانگریس تمام ہندوستان کی طرف سے پیش کرتی رہی ہے جب اس قسم کا مطالبہ یورپین افسروں کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا تھا تو اس ہندوستانی مطالبہ کا جواب سرکاری طبقہ کیطرف سے یہ دیا جاتا تھا کہ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر یورپین اصحاب کے زیادہ تناسب کی وجہ رنگ یا قوم کا امتیاز نہیں، بلکہ اسکا یہ سبب ہے کہ انہیں اعلیٰ قابلیت پائی جاتی ہے، اور وہ فرائض مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہیں، کانگریس نے اس خیال کی صحت پر اعتراض کیا، چنانچہ اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے، کہ ہندوستان میں قابل یا ذہین افراد کی قلت نہیں ہے، اور ہر ایک محکمہ کی ملازمت کیلئے لائق اور قابل اشخاص مل سکتے ہیں، یہ عجب بدقسمتی ہے کہ تقریباً پچاس سال تک ہندوستانیوں کی قابلیت کو تسلیم کرانے کی کوشش کے بعد ہمارے بعض ہندو ہموطن جو کانگریس کے رکن بھی ہیں یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں، کہ ہندوستان میں صرف انہی کی قوم کے افراد قابل ہوتے ہیں اور حکومت کے عہدوں پر ہنود کی کثرت اس بنا پر چاہتے ہیں، کہ مسلمان لیاقت نہیں رکھتے، یہ درست ہے کہ مسلمانوں کی نسبت تعلیمیافتہ

ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور جب کسی سرکاری محکمہ میں کوئی آسامی خالی ہوتی ہے تو ہندو امیدواروں کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ ہوتی ہے اسکے اسباب ظاہر ہیں ہندوؤں کی آبادی بہت زیادہ ہے، ان کے یہاں بہت سے لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنیکی استطاعت رکھتے ہیں، اور جہانتک مغربی تعلیم کا تعلق ہے، انہوں نے اسکے حصول میں بہت پہلے سے ابتدا کی ہے، لیکن بااین ہمہ اکثر یونیورسٹیوں میں مسلمانوں نے اس بات کا ثبوت پیش کردیا ہے کہ اگر کسی فرد واحد کا کسی دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو مسلمان ذہن اور دماغی قابلیت کے لحاظ سے اپنے کسی ہندو ہموطن سے کم نہیں، اور مختلف مضامین کے مطالعہ میں مسلمانوں نے ان کی برابری کا بھی ثبوت دیا ہے، پس اگر ان کے ساتھ انصاف برتنے کے اصول کو کھلے دل سے تسلیم کرلیا جائے، تو بہت سی ناراضگی اور رشک و رقابت کا سدباب ہوجائیگا، جو آجکل موجود ہے اور جو موجودہ شکر رنجی کے سببوں میں سے ایک سبب ہے، آپ کسی خاص سرکاری عہدہ کیلئے کوئی خاص معیار قابلیت قائم کرلیجئے۔ اور ہندو مسلم اقوام اور دیگر اقوام کے تناسب کو کسی خاص صوبے کی ملازمت کے لحاظ سے مقرر کیجئے، جو محکمہ یا صوبے کی ضروریات کے مطابق ہو، اسکے بعد اس امر کی سرگرم کوشش کیجائے کہ ہر قوم کو حصہ مناسب ملے بشرطیکہ وہ مطلوبہ قابلیت کے امیدوار مہیا کرسکے، امیدواروں کی قابلیت کا اندازہ لگانے میں صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے کسدرجہ میں امتحان پاس کیا ہے، گو اس میں شک نہیں کہ امتحانوں سے انکی قابلیت کا اندازہ لگانے میں معقول مدد ملسکتی ہے، بلکہ انکے دیگر اوصاف کی طرف بھی توجہ دینی چاہیئے، جو عملی زندگی میں کچھ کم مفید نہیں ہوتے مثلاً چال چلن، خاندانی روایات، اور جسمانی قابلیت وغیرہ ....

اس سلسلے میں اگر میں ایک اور عام غلط فہمی کا جو سرکاری ملازمت کے متعلق پائی جاتی ہے ذکر کردوں تو بیجا نہ ہوگا، بعض اخبارات نیز بعض سیاست داں یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ سرکاری ملازمتوں میں مختلف اقوام کے متناسبہ نیابت پر زور دینا حب الوطنی سے بعید ہے اور یہ دلیل پیش کیجاتی ہے کہ ملازمت سے ملک کی آبادی کے ایک فیصدی حصہ کو بھی روزگار نہیں ملسکتا، اور ہمکو چاہیئے کہ ۹۹ فیصدی کے مفاد کو مدنظر رکھیں، جو گورنمنٹ کی ملازمت کئے بغیر اپنا پیٹ پالتے ہیں ....

سرکاری ملازمت کا سوال محض روٹیوں کا سوال ہی نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔
بلکہ قوت، موقعہ اور تربیت کا، اس ملک میں سرکاری ملازمتوں کو عموماً بہت زیادہ اقتدار حاصل
رہا ہے، اور اب بھی باوجودیکہ زمانہ بدل گیا ہے، انکو بہت سے اختیارات حاصل ہیں جنہیں وہ
کسی قوم کے نفع کیلئے یا کسی قوم کے نقصان کیلئے استعمال کر سکتے ہیں، اور اس قسم کے موقعوں پر
متعلقہ جماعتوں کیلئے یہ دیکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے کہ کسی خاص وقت پر یا کسی خاص مقام پر
ذی اختیار اشخاص کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، ان ذی اختیار حضرات کو اس بات کا موقعہ
ملتا ہے، کہ جسے چاہیں مدد دیں، اور اگر اس قسم کے مددگاروں کی تعداد کسی جماعت میں زیادہ ہو
تو اس کا اثر نہ صرف موجودہ حالت پر پڑتا ہے، بلکہ اس سے مستقبل بھی اثر پذیر ہوتا ہے، مزید برآں
اگر یہ سوال محض روٹیوں ہی کا ہو، تو بھی اسکو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے اور یہ نہ خیال کرنا چاہیئے، کہ
اس کا اثر صرف چند لوگوں پر پڑیگا، ہندوستان میں اکثر یہ ہوتا ہے، کہ ایک شخص جو اپنے خاندان کے لئے
روزی کماتا ہے، اپنے دیگر عزیز اور متعلقین کا بھی کفیل ہوتا ہے، پس آپ دیکھ لیں کہ اگر ملازمت میں ہزار
آدمی ہیں، تو ان سے کئی ہزار آدمیوں کو نفع پہنچ سکتا ہے، اور اگر مسلمانوں کی حالت کو دیکھا
جائے، تو یہ مسئلہ ان کے لئے اور بھی زیادہ اہم نظر آئیگا، کیونکہ ان کیلئے تجارت اور سوداگری
کے راستے بہت کچھ مسدود ہیں، کیونکہ ایک تو ان کے پاس کافی سرمایہ نہیں ہے اور دوسرے
زندگی کے ان شعبوں سے ہندوؤں کو باعتبار تربیت زیادہ مناسبت ہے، پس یہ ضروری بات ہے کہ
گورنمنٹ اور ہمارے ہموطن ہمارے اس مطالبہ کو کہ ہمیں سرکاری عہدوں میں مناسب حصہ دیا جائے،
از روئے انصاف جائز اور مناسب خیال کریں گے

سر عبدالقادر کی اس تقریر میں تلاطم جذبات کی طرف جو اشارہ ہے اس کو سمجھنے
کیلئے چند واقعات اجمالاً بیان کرنے ضروری ہیں مسلمان اس زمانہ میں اسقدر جذب ہو چکے
تھے کہ انہوں نے قشقے اور چندن کے ٹیکے لگائے مسٹر تلک کی مصنوعی لاش پر پھول چڑھائے ...
رامائن کی پوجا میں شریک ہوئے انہوں نے رام لچھمن کو تاج پہنایا۔ ہندوؤں کو
مساجد میں لے گئے۔ منبر پر جگہ دی۔ وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا حضرت موسے
علیہ السلام کا لقب "کرشن" مان لیا اور مسٹر گاندھی مثل امام مہدی کے ہو گئے

ذبیحہ گاؤ بند کرنے کیلئے[1] مسلم لیگ میں رزولیوشن پاس ہوا فرنگی محل کے ایک عالم نے اس رزولیوشن کی جلسہ عام میں تحسین کی، اونٹوں پر پوسٹر چسپاں کر کے باز رہنے کا پروپیگنڈہ کیا گیا، انہیں بزرگ عالم نے ایک خط شائع کیا جس میں **مسٹر گاندھی** کو اپنا رہنما تسلیم کر کے لکھا کہ میرا تو حال سر دست اس شعر کے مطابق ہے ؎

عمرے کہ بہ آیات وحدیث گذشت ۔۔۔ رفتی ونثار بت پرستے کردی

اسی جوش وہیجان میں تحریک ہجرت بھی کی گئی، ترک موالات میں ملازمتوں سے استعفے بھی شامل تھے، استعفوں کے ساتھ ساتھ افغانستان کی طرف ہجرت شروع ہوئی ہزارہا مسلمانوں نے اپنا گھر بار، جائداد کوڑیوں کے مول دوسری قوموں کے ہاتھ بیچکر فریضہ ہجرت پورا کیا، مگر افغانستان کی حکومت نے بہت جلد داخلہ مہاجرین بند کر دیا، صد ہا درخیبر میں بے گور وکفن طعمہ زاغ وزغن بنے جو زندہ بچے وہ مصائب بھگتنے کے لئے رہ گئے لیکن ان مفتی زعماء میں سے کسی نے مہاجر بننے کی سعادت حاصل نہ کی،

اس تلاطم کا ابھی تک نشان پایا جاتا ہے تازہ واقعات ہیں کہ بنارس کے بھارت مندر کی افتتاحی رسم میں سرحدی مجاہد **خان عبدالغفار خاں** نے تلاوت قرآنمجید کی، اور یہ تاریخی فتوے بھی دیا کہ اسلام کے ماضی میں غیر مسلموں کو مساجد کے اندر اپنی عبادت کرنیکی اجازت تھی اسی طرح خان موصوف نے حال ہیں بمقام کراچی ایک مندر پر کانگریسی جھنڈا لہرانیکی رسم ادا کی۔

---

[1] گائے کے مسئلہ نے تو اپنی اہمیت میں برابر اضافہ ہی کیا، بلگام کے اجلاس کانگریس کے ساتھ جبکہ ایک زبردست رد عمل کے بعد دوبارہ اتحاد کی تجاویز پیش تھیں، گؤ کانفرنس بھی منعقد ہوئی، اسمیں زبردست تقریریں کی گئیں (۱۹۲۴ء) گاندھی جی نے کہا کہ گائے کی حفاظت کا مسئلہ سوراج کے مسئلہ سے کم نہیں اور ہم سوراج حاصل نہیں کر سکتے جبتک گائے کی محافظت نہ کر سکیں،

پکا ہندو وہ ہے جو گائے کی حفاظت کرے (بقیہ صفحہ ۹۰ پر ملاحظہ ہو)

۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء کے فسادات اور عام حالات نے ایسی نزاکت اختیار کرلی کہ لارڈ اروِن گورنر جنرل ہند کو دوبارہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۶ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۲۷ء میں امن وامان کیلئے اپیلیں کرنی پڑیں کانگریس کمیٹی نے بھی اتحاد کانفرنس منعقد کی دہلی و شملہ میں اسکے اجلاس منعقد ہوئے، رزولیوشن اور فارمولا مرتب کئے گئے، لیکن نتیجہ میں ناکامیابی ہی نہیں بلکہ یہ خلیج اور زیادہ وسیع ہوگئی۔ حتیٰ کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور مولانا محمد علی کی شخصیتیں بھی نشانہ ملامت بنیں، حالانکہ آخر الذکرنے تو اس فضا کو صاف کرنے کیلئے تبلیغ و تنظیم تک کی مخالفت کرڈالی تھی سوامی شردھانند، بھائی پرمانند، لالہ لاجپت رائے، ہردیال، اور پنڈت مدنموہن مالویہ سنگٹھن کو مضبوط بنانے میں مصروف رہے، اور زعمائے کانگریس انکی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتے رہے، غرض ایک طرف جہلا کے فسادات کا سلسلہ غیر منقطع تھا، اور دوسری طرف سیاسین میں بے اعتمادی ترقی پذیر تھی۔

۷ر جولائی ۱۹۲۶ء کو جدید اصلاحات کے سلسلہ میں لارڈ برکنہیڈ وزیر ہند نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹)

پنڈت مالویہ نے کہا کہ اگر ہندو مسلمان سمجھوتہ کرلیں، تو حکومت بھی ذبیحہ گاؤ بند کرنیکا حکم دیدیگی، مسلمان گائے کا ذبح کرنا چھوڑ دینگے، ہر گاؤں میں ہندو سبھا اور گاؤ سبھا قائم کیجائیں جو گایوں کو قصابوں کے ہاتھ پڑنے سے روکیں، انہیں مسلمانوں کو رضامند کرکے گائے کو ذبح کرنے سے روکنا چاہئے،

اسی کانفرنس میں تحفظ گاؤ کی تدابیر سوچنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر ہوئی، جسکے ممبروں میں گاندھی جی، لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند بھی تھے،

نہ صرف گائے کی حفاظت کے متعلق یہ جذبات ہیں بلکہ عامۃً مسلمانوں کے متعلق گاندھی جی کی حقیقی ذہنیت کا اندازہ کرنے کیلئے ان کے وہ مضامین، جو انہیں کے ذاتی اخبار میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے پورے طور پر کافی و وافی ہیں، مثلاً انہوں نے ایکبار ینگ انڈیا میں لکھا کہ۔

مسلمان یا تو عرب حملہ آوروں کی اولاد ہیں یا یہیں سے جدا کئے ہوئے افراد اگر ہم اپنا وقار رکھنا چاہتے ہیں تو تین علاج ہیں۔

ایک تو یہ کہ اسلام سے ہٹاکر انہیں اپنے دھرم میں واپس لوٹایا جائے (بقیہ صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ ہو)

دارالامرا میں ایک طولانی تقریر کی جس میں تمام سیاسی مسائل پر مبسوط بحث تھی، اس میں فرقہ وارانہ اختلافات کے متعلق یہ بیان تھا کہ :۔

"سب سے بڑی تشویش جس سے آج ہندوستان کو سابقہ ہے وہ فرقہ وارانہ اختلاف ہے، جو سات کرور مسلمانوں کو کثیر ہندو آبادی سے جدا کرتا ہے، ان اختلافات میں ہم اپنے ہاتھوں کو آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔ اگر کل ہم ہندوستان سے چلے آئیں تو اسکا فوری نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو مسلمانوں میں جنگ شروع ہو جائیگی، تین کرور جنگی قبائل جو سرحد افغانستان اور ہندوستان کے درمیان رہتے ہیں، ان سے جو خطرات ہیں، انہیں میں ایک طرف کر دیتا ہوں، واقعی حالات مجھے بلاشبہ ایسے معلوم ہوتے ہیں جنہیں میں نے بیان کر دیا ہے۔

میرا دماغ ہمیشہ اس طریقہ استدلال کو سمجھنے سے عاجز رہا ہے جو چالاک لوگوں کے قلوب سے نکلتا رہتا ہے، جنہوں نے ہندوستان میں اپنے آپ کو ہمارا دشمن بنا دیا ہے ایسے بہت سے اشخاص ہیں، میں نے ان کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، میں نے ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ خیال کرتے ہیں کہ برطانوی فوج جلد سے جلد ہندوستان سے نکل جائیگی، مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا، جنے ایسے طریقہ عمل کی حمایت کی ہو، درحقیقت ہندوستان میں کسی جماعت کا کوئی ایسا ذمہ دار لیڈر نہیں ہے، جو کل یہ کہے کہ ہمیں فوراً کامل ذمہ داری دیدو اور ہم ہندوستان سے برطانوی فوج کی واپسی پر رضامند ہیں . . . .

مجھے اس موقعہ پر سرسری حوالہ اس ناگوار فرقہ وارانہ اختلافات کا دینا ہے، جس سے ہندوستان کے مختلف حصص میں روز افزوں تشویش پیدا ہو رہی ہے ان فسادات نے بعض اضلاع میں نہایت نازک اور ناگوار صورت اختیار کی اور یہ یاددہانی کر دی، کہ مسائل ہند اسقدر سہل سلجھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)

اور اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو پھر ان کو ان کے آبائی وطن میں لوٹایا جائے، اور اگر یہ بھی دشوار ہو، تو ان کو ہندوستان میں غلام بنا کر رکھا جائے۔

یہ ہی وہ ضمیر گاندھی کی آواز ہے جسکی ڈاکٹر مونجے اور پنڈت مالویہ کی ہی زبان سے نہیں، بلکہ ہر ہندو لیڈر کی زبان سے بازگشت ہوتی رہتی ہے۔

ہوئے نہیں ہیں، جیسا کہ بعض وقت اصلی واقعہ سے بہت دور ہو کر خیال کئے جاتے ہیں،
ہندوستان میں ان سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی نے جنکی روایات وخصوصیات میں جنگ جویانہ اسپرٹ اور جوانمردی ہے، اور صورت حال کی اس نزاکت ودشواری میں مزید اضافہ کر دیا، جو خود ہی پہلے سے زیادہ تھی، اس صورت حال کا حکومت ہند اور خود ہمارے دفتر سے نہایت توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا جارہا ہے"۔

با ایں ہمہ آل انڈیا مسلم لیگ برابر دستوری ترقی کی خواہاں تھی اس نے سنہ ۲۴، ۲۵، ۱۹۲۶ء کے سیشن میں اس امر کو نہایت واضح کر دیا تھا کہ "ہندوستان کے موجودہ آئین میں ترمیمات ہونی چاہئیں اور حکومت، قانون حکومت ہند سنہ ۱۹۱۹ء پر نظر ثانی کرے اور بلا تاخیر ایک شاہی کمیشن کا تقرر کیا جائے جو تحقیقات کے بعد ایسی اسکیم تیار کرے، جسکی رو سے قانون ہند مکمل اور مضبوط بنیادوں پر وضع ہو اور جس میں یہ پوزیشن ہو کہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کی تیاری کیلئے خود بخود ترقی ہوتی جائے اور باشندے دل سے اشتراک عمل کریں جس سے گورنمنٹ میں مضبوطی پیدا ہو، لیکن بنیادی اور ضروری اصول کا تحفظ وضمانت ہونی چاہیئے،

ملک کی تمام مجالس قانون ساز اور انتخابی جماعتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی ایک خاص اور موثر اصول کے ماتحت ہوگی اور کسی صوبہ میں اکثریت کو اقلیت کے برابر نہ کیا جائیگا، اور نہ اکثریت کو اقلیت بنا دیا جائیگا،

فرقہ دارانہ جماعتوں کی نمائندگی کا انتخاب جداگانہ رہیگا، جیسا کہ جاری ہے بجز اس صورت کے کہ ہر فرقہ کو اختیار ہوگا کہ جسوقت چاہے مشترکہ انتخاب قبول کرے۔

اگر کبھی ملکی تقسیم کی ضرورت ہو تو کسی صورت میں بھی یہ تقسیم پنجاب وبنگال اور صوبہ سرحد میں اکثریت پر اثر انداز نہ ہوگی، پوری مذہبی آزادی تمام قوموں کو ہوگی،

کوئی بل یا تجاویز یا اسکا کوئی حصہ کسی مجلس وضع قانون یا کسی اور انتخابی ادارہ میں منظور نہ ہوگا اگر کسی قوم کے ۳/۴ ممبر اپنے مفاد قومی کے نقصان کی بنا پر مخالفت کریں، اور نہ کوئی ایسی تجویز پیش ہوگی جو ایسے معاملات میں دخل انداز ہو سکے۔

لیگ کی ان تجاویز پر ہندو لیڈروں نے بہت نکتہ چینی کی اور اصرار کیا کہ مشترکہ انتخاب

بہ تحفظ حقوق و مفاد مسلمانان رکھنا چاہیئے، لہٰذا امتیاز مسلمان لیڈر، ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں جمع ہوئے، اور انہوں نے چند تجاویز مرتب کیں، جو دہلی مسلم تجاویز کے نام سے موسوم ہوئیں، اس اجلاس میں شرکت کیلئے تمام ہندوستان کے نمائندہ مسلمانوں کو دعوت دیگئی تھی، جلسہ کی کارروائی مسٹر جناح کی صدارت میں شروع ہوئی، اور کافی بحث و تبادلہ خیالات کے بعد مشترکہ انتخاب سے چند شرائط کے ساتھ اتفاق کیا گیا، اور بلا اختلاف رائے سب نے منظور کیا، کہ مسلمانوں کو حسب ذیل امور پر کوئی بنا ر تصفیہ قرار دیکر جہانتک کہ آئندہ قانون کی رُو سے مختلف مجالس وضع قانون میں نمائندگی کا تعلق ہے، راضی ہوجانا چاہیئے،

(۱) سندھ کو بمبئی پریسیڈنسی سے علیحدہ کرکے جدا صوبہ قرار دیا جائے،

(۲) سرحد و بلوچستان کے صوبوں میں اور صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کیجائیں،

(۳) اگر ان امور کا تصفیہ ہوجائے، تو مسلمان مشترکہ انتخاب کو ہر صوبہ میں منظور کرلیں اور سندھ بلوچستان اور سرحد کے صوبوں میں وہی رعایات جو کہ ہندو اکثریت دیگر صوبوں میں مسلمان اقلیت کے ساتھ کرے مسلمان انکے ساتھ کریں،

پنجاب اور بنگال کے صوبوں میں نمائندگی بہ تناسب آبادی ہوگی، مرکزی مجلس قانون ساز میں مخلوط انتخاب کے ذریعہ سے مسلمانوں کی نمائندگی ⅓ ہوگی۔

اس کانفرنس نے آخر میں طے کیا کہ یہ تجاویز تمام متعلقہ مسلم آرگنائزیشن کی اتفاق رائے پر منحصر ہونگی۔

کانفرنس کے شرکار کو پوری امید تھی کہ ہندوان تجاویز کو منظور کرلیں گے، اور مسلمان ان پر متفق ہوجائینگے۔

ملازمتوں اور ایسے بلوں پر اور ریزولیوشنوں کے سوال پر بحث ہوئی، جو کسی اور قوم کے مذہب رسم و رواج اور روایات پر فرقہ وارانہ مفاد پر موثر ہوں، مگر اسکو آئندہ غور کیلئے جبکہ اصل مسئلہ پر اتفاق رائے حاصل ہوجائے ملتوی کیا گیا،

مذکورہ بالا کانفرنس میں سر مہاراجہ محمود آباد۔ سر محمد شفیع۔ مولانا محمد علی۔ ڈاکٹر انصاری۔ سر محمد یعقوب۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں۔ سید آل نبی۔ لفٹنٹ سر راجہ محمد نواز خاں

ڈاکٹر سہروردی، مسٹر شاہ نواز، راجہ غضنفر علی خاں، مسٹر فاروقی، مسٹر عبدالرحمان، سر عبدالقیوم، شاہ محمد زبیر، امام جامع مسجد دہلی، مولوی سید محمد مرتضےٰ، مولوی محمد شفیع داؤدی، مسٹر عبدالعزیز (بہار) عبدالمتین، چودھری مرزا عبدالقادر، سید عبدالجبار (اجمیری)، سید احتشام علی، سر عبدالرحیم، مولوی انوار العظیم، ڈاکٹر حیدر، مسٹر عارف، مسٹر اعجاز حسین، نواب سر ذوالفقار علی خاں، خاص خاص اصحاب تھے۔

مئی ۱۹۲۷ء میں کانگریس کی مجلس عاملہ منعقدہ بمبئی نے ان تجاویز کو تقریباً منظور کر لیا، اور یہ قرار داد بھی پاس ہوئی کہ مجلس عاملہ مرکزی اور صوبوں کی مجالس قانون ساز کے منتخب شدہ اراکین اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے مشورہ کر کے ہندوستان کیلئے سوراج کا دستور اساسی مرتب کرے جسکی بنیاد اعلان حقوق پر ہو، نیز اکتوبر میں مذہبی و معاشرتی امور کے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی۔

اسکے بعد مدراس کانگریس نے جو زیر صدارت **ڈاکٹر انصاری** منعقد ہوئی۔ حسب ذیل رزولیوشن پاس کیا۔

یہ کانگریس قرار دیتی ہے کہ ہندوستان کے آئندہ کسی دستور اساسی میں جہانتک مختلف مجالس مقننہ میں نیابت کا تعلق ہے، تمام صوبوں کی مجالس مقننہ اور مرکزی ایوانوں میں جو اس اسکیم کے مطابق تجویز کئے جائینگے، مشترکہ نیابت کا طریقہ رائج کیا جائیگا، اور اس خیال سے کہ ملک کی دو بڑی ملتوں کو پورا پورا یہ اطمینان رہے کہ فی الحال انکے جائز مفاد مجالس مقننہ میں محفوظ رہینگے اور اگر خواہش کیگئی، تو ان ملتوں کی یہ نیابت مشترکہ انتخاب میں آبادی کے تناسب سے ہر صوبہ کی مجالس مقننہ میں مرکزی جمعیت ہائے مقننہ میں نشستوں کو اس طریقہ کے ساتھ مقابل کر دیا جائیگا، کہ پنجاب کی اقلیت کے ساتھ باہمی سمجھوتہ سے اس طرح مراعات کیجائیں

نوٹ:۔ مسلم لیگ کا یہ اقدام دراصل وزیر ہند کے اس ادعا کا جواب تھا جو انہوں نے سائمن کمیشن کے تقرر کے سلسلہ میں کیا تھا، انہوں نے پہلے سالن میں تو اہل ہند کو کمیشن کے سامنے متحدہ آئین کے پیش کرنیکی دعوت دی تھی اور دوسرے سالن میں دعوے بھی کر دیا تھا کہ وہ ہرگز ایسا آئین پیش نہ کر سکینگے۔

کہ دوسرے صوبوں کی مجالس مقننہ میں اقلیتوں کو ان کی آبادی کے اعتبار سے جو نشستیں ملی ہوں وہ بھی زیادہ کر دیجائیں پنجاب میں نمایندگی کے مسئلہ کا تصفیہ کرتے وقت سکھوں کی بحیثیت ایک اہم اقلیت کے نمایندگی کا خاص لحاظ رکھا جائیگا ہ مسلمان زعما کی طرف سے صوبہ سرحد اور برطانوی بلوچستان میں اسطرح اصلاحات دئے جانے کی تجویز پیش کی گئی ہے جس طرح کی اصلاحات دوسرے صوبوں کو دی جائیں۔ کانگریس کی رائے میں نہایت درست اور حق بجانب ہے ، اور اس پر عملدرآمد رکھنا چاہیئے ، اور اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے ، کہ انتظامی امور میں جو تبدیلیاں کیجائیں اسکے ساتھ ساتھ عدالتی انتظامات بھی کئے جائیں ، سندھ کو الگ صوبہ بنانیکی نسبت اس کانگریس کی رائے ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مختلف صوبوں کو زبان کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے جسے کانگریس نے عرصہ ہوا تسلیم کرلیا ہے ، اور کوئی صوبہ زبان کے اعتبار سے تقسیم کا مطالبہ کرے تو اسکے متعلق کارروائی شروع کرنی چاہیئے یہ کانگریس قرار دیتی ہے ، کہ آئندہ ہندوستان کے کسی دستور اساسی میں ہر شخص کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی ، اور کسی مجلس مقننہ کو خواہ مرکزی ہو یا صوبہ کی یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس قسم کے قوانین بنائے جس میں ضمیر کی آزادی میں خلل پڑے ضمیر کی آزادی سے مراد اعتقاد اور عبادات کی آزادی ، مذہبی اعمال وشعائر کی آزادی ، مذہبی تعلیم اور اشاعت کی آزادی ہے ، موخرالذکر امور اسطرح ادا کئے جائینگے ، کہ دوسروں کے احساسات کا پورا احترام کیا جائے ، اور اسی طرح دوسروں کو جو حقوق حاصل ہوں ، انمیں مداخلت نہ ہو ، کوئی ایسا مسودہ قانون ایسی قرارداد تحریک یا ترمیم کسی مجلس مقننہ میں پیش نہ ہو سکے گا جبکی کسی ایک ملت کے تین چوتھائی ارکان جس پر اس مسودہ یا تحریک وغیرہ کا اثر پڑتا ہو مخالفت کریں ، بین الملتی معاملات سے مراد ایسے معاملات ہیں ، جنہیں متعلقہ مجالس مقننہ کے ہندو مسلمان ارکان کی مشترکہ کمیٹی جو ہر مجلس کے آغاز کیوقت مقرر کردیجایا کریگی ، بین الملتی قرار دیں۔

یہ کانگریس قرار دیتی ہے کہ بلاظر ان حقوق کے جنکے ہندو اور مسلمان دعویدار ہیں ، یعنی ایک فریق جہاں چاہے باجہ بجائے یا جلوس نکالے اور دوسرا فریق جہاں چاہے گائے کی قربانی کرے یا غذا کے اغراض کیلئے ذبیحہ کرے ہ مسلمان مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ گائے کے معاملہ میں ہندوؤں کے جذبات کا حتی الامکان لحاظ رکھیں ، اور ہندو ہندوؤں سے اپیل کرتے ہیں

کہ وہ مساجد کے سامنے باجہ بجانے کے معاملہ میں مسلمانوں کے احساسات کا حتی الامکان لحاظ رکھیں، اسلئے یہ کانگریس ہندو مسلمانوں دونوں سے اسکی طالب ہے کہ وہ قربانی گائے یا مساجد کے سامنے باجہ بجانے کو روکنے کے لئے تشدّد یا قانونی ذرائع کو کام میں نہ لائیں۔

یہ کانگریس یہ قرار دیتی ہے کہ ہر فرد یا جماعت کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے فرد یا جماعت کو دلائل یا رضامندی سے تبدیل مذہب کرائے، لیکن کسی فرد کو یہ حق نہ ہوگا، کہ وہ تبدیل مذہب میں مداخلت کرے، یا ایسے کرنے میں جبر، دھوکہ یا دوسرے ناجائز ذرائع مثلاً مادی لالچ دلانے کا طریقہ استعمال کرے۔ اٹھارہ سال سے کم عمر والوں کا مذہب تبدیل نہ کرایا جائیگا، سوائے اس کے کہ انکے والدین یا ولی ان کے ساتھ ہوں، اگر اٹھارہ سال سے کم عمر کے کسی آدمی کو کسی دوسرے مذہب والے ادھر ادھر گھومتا ہوا دیکھینگے، تو اسکو فوراً اس کے مذہب والوں کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ تبدیل مذہب میں اشخاص کے نام اوقات جگہ اور طریقہ کو چھپایا نہ جائیگا اور نہ اس سلسلہ میں کسی خاص مسرّت کا مظاہرہ کیا جائیگا، جب کبھی تبدیل مذہب کے متعلق شکایت سُنی جائیگی، کہ اسے خفیہ یا زبردستی یا دھوکہ یا دیگر ذرائع ناجائز سے کرایا گیا یا جب کبھی یہ پتہ چلے، کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کے کسی شخص کا مذہب تبدیل کرایا گیا ہے، تو اس کی تحقیقات کی جائیگی اور اس کا تصفیہ ثالث کے ذریعہ سے ہوگا، جسکو کانگریس کی مجلس عاملہ خواہ نام بنام یا عام ضوابط کے ماتحت مقرر کرے، اسکے بعد ہی لبرل فیڈریشن منعقدہ بمبئی میں مسلم زعما کی خلوص نیت کا اعتراف کیا گیا، اور مشورہ دیا گیا کہ مجوزہ تصفیہ کی مختلف مدات پر کسی قریب تاریخ میں فرقوں کے منتخب نمائندے اتحاد عمل کی پُر خلوص نیت کے ساتھ بحث و مباحثہ کریں، جو مکمل اتفاق کی طرف رہنمائی کر سکے"

چونکہ اب کانگریس نے مسلمانوں کی تجاویز کو مان لیا تھا، لہٰذا اسی سال کلکتہ کے اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی بہ زیر صدارت سر مولوی محمد یعقوب حسب ذیل رزولیوشن پاس کیا، کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس کونسل مسلم لیگ کو یہ اختیار دیتا ہے، کہ وہ ایک سب کمیٹی بدیں غرض مقرر کرے، جو کانگریس کی مجلس عاملہ اور اسی قسم کی دیگر مجالس کے ساتھ جنہیں کونسل مناسب سمجھے، ملک ہندوستان کے دستور اساسی کے مسودہ کے تیار کرنے میں مشورہ کرے، تاکہ ایسی

مسلمانوں کے مفاد کا حسب ذیل تجاویز کے ساتھ تحفظ ہو سکے جنکی لیگ تصدیق کرتی ہے، اور قبول کرتی ہے، اور اس نیشنل کنونشن میں شرکت کیلئے اپنی آمادگی کا اظہار کرتی ہے جسے کانگریس نے آیندہ مارچ میں دہلی میں منعقد کرنا طے کیا ہے، پہلی تجویز یہ ہے کہ سندھ کو صوبہ بمبئی سے الگ کرکے خود مختار بنا دینا چاہیئے، دوسری تجویز یہ ہے کہ صوبہ شمال مغرب اور بلوچستان میں اس طرح اصلاحات کا نفاذ ہونا چاہیئے، کہ وہ بھی دیگر صوبوں کے برابر ہو جائیں، تیسری تجویز یہ ہے کہ مجالس مقننہ میں، بحالت موجودہ مسلمانوں کی جداگانہ نیابت ناگزیر ہے، اور اسلئے مسلمان کسی ایسی اسکیم کو قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہو سکتے جس سے انکے قیمتی حق سے انہیں دست بردار ہونا پڑے تاوقتیکہ سندھ کو ایک خود مختارانہ صوبہ نہ بنایا جائے، اور صوبہ سرحد و بلوچستان کو مکمل اصلاحات نہ دیدیئے جائیں، سب یہ شرائط کامل طور پر پورے ہو جائیں، تب مسلمان جداگانہ انتخاب سے مخلوط انتخاب کے حق میں دست بردار ہونے کیلئے تیار ہوں گے، جسمیں آبادی کے تناسب سے مختلف ملتوں کی نیابت کیلئے نشستیں اس طرح مخصوص ہونگی۔ کہ (۱) سندھ اور بلوچستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہندو اقلیت کے ساتھ ان کی نشستوں کے تناسب میں وہی مراعات کریگی، جو ہندو اکثریت دوسرے صوبوں میں مسلم اقلیت کے ساتھ انکی آبادی کے تناسب کے بارے میں کرے گی (۲) مرکزی مجالس مقننہ میں مسلمانوں کی نمایندگی ایک تہائی سے کم نہ ہوگی۔

لیگ نے بحیثیت مجموعی ان تجاویز کی بھی تائید کی، جو کانگرس نے ضمیر کی آزادی، مذہب، گائے، باجہ اور تبدیل مذہب کے متعلق منظور کی تھیں،

اس سال کے یہ اجلاس نہایت یادگار تھے، ہندو مسلم زعمار نے اتحاد و اشتراک عمل پر بڑی زوردار تقریریں کیں، اور آپس میں مبارکبادیاں دی گئیں،

فروری ۱۹۲۸ء میں سر جان سائمن کے زیر صدارت وہ کمیشن بھی ہندوستان میں پہونچگیا، جو اس غرض کے لئے مقرر ہوا تھا کہ وہ اس امر کی تحقیقات کرے، کہ ہندوستان کہانتک ذمہ دار حکومت کا اہل ہے، اور کیا کیا تبدیلیاں دستور میں مناسب ہیں۔

کانگرس اور مسلم لیگ نے اسکا مقاطعہ کیا، لیکن بعض دوسری جماعتوں نے اسکا خیر مقدم بھی کیا، اور میموریل پیش کئے، ادھر وہ سرگرم کار تھا، اور ادھر مدراس کانگریس کی تجویز کے مطابق اسی مہینہ

میں بمقام دہلی کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا، اور دستور کا مسودہ مرتب کرنے کیلئے آل پارٹیز کانفرنس مدعو کی گئی، جسکے متعدد اجلاس منعقد ہوئے، بالآخر طے پایا کہ ذمہ دار حکومت کو پیش نظر رکھکر دستور بنایا جائے۔ نیز صوبوں کی نئی تقسیم حلقہ ہائے انتخاب اور نشستوں کے تحفظ کے متعلق بھی تجاویز منظور ہوئیں، اور ایک کمیٹی مقرر کی گئی جسنے مدت معینہ میں اپنی رپورٹ جس میں تجاویز درج تھیں پیش کردی، جس میں ایسے اصول رکھے گئے کہ مسلم لیگ کونسل کو مجبوراً اُن تجاویز پر ناپسندیدگی ظاہر کرنی پڑی، اسنے اپنے نمایندوں کو ان ہی تجاویز کے منظور کرانیکی ہدایت کی، جو اجلاس منعقدہ کلکتہ (۱۹۲۷ء) کی قرار داد میں موجود تھیں، تاکہ وضع دستور کا کام شروع کرنے سے پہلے وہ ان کے متعلق مناسب کارروائی کر سکے لیکن بجائے مصالحت کے ان مسائل پر مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا اور سکھ لیگ میں اختلافات شدید رونما ہوئے۔

آل پارٹیز کانفرنس کا اجلاس پھر مارچ میں منعقد ہوا۔ اور اس نے دو سب کمیٹیاں مقرر کیں جس میں سے ایک کو سندھ کی علیحدگی کے مالی پہلو پر تحقیقات کرنے اور دوسری کو نمایندگی باعتبار تناسب لائق عمل ہونیکے متعلق غور وتجویز کیخدمت سپرد ہوئی کانفرنس نے رپورٹ کے شائع کرنیکا بھی حکم دیدیا۔ اپریل میں بمقام جبلپور مہاسبھا کے اجلاس نے مسلم تجاویز سے شدید مخالفت کی قرار دادیں منظور کیں۔ ۱۹ مئی کو بمبئی میں پھر کانفرنس کا اجلاس ہوا لیکن فرقہ وارانہ مسائل پر سخت مخالفت تھی اور دہلی کے مقرر کردہ کمیٹیوں نے بھی کوئی رپورٹ پیش نہیں کی تھی، اب ایک جدید کمیٹی مئی ۱۹۲۸ء میں پنڈت **موتی لال نہرو** کے تحت صدارت مقرر ہوئی اور اسکو حکم دیا گیا کہ آیندہ یکم جولائی سے پہلے آئین ہند کے اصولوں پر غور کرے اور انہیں متعین کرے، پھر مسودہ رپورٹ اظہار رائے کیلئے مختلف انجمنوں کے پاس بھیجا جائے۔ اور فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مدراس کانگریس کی تجویز اور اس کے ساتھ جو تجاویز ہندو مہاسبھا مسلم لیگ، سکھ لیگ اور دیگر سیاسی انجمنوں میں جنکے نمایندے دہلی کی آل پارٹیز کانفرنس میں شریک تھے، منظور ہوئیں، اور نیز دیگر ایسے مشورے جو بعد میں اسکو حاصل ہوں، ان سب پر مکمل ترین طریقہ سے فکر وتامل کرے، مسلم نقطۂ نظر کے اظہار کے لئے **سر علی امام** اور **مسٹر شعیب قریشی** ممبر منتخب ہوئے، جن میں سے صرف اول الذکر ایک ہی اجلاس میں شریک ہوئے۔

رپورٹ آخر اگست میں بمقام لکھنؤ آل پارٹیز کانفرنس کے اجلاس میں پیش ہوئی، اس اجلاس میں مسلم لیگ کی قطعی نمائندگی نہ تھی، سوراج کے سلسلہ میں تو نے درجہ مستعمرات قبول کر لیا اور مسلم مطالبات تقریباً نظر انداز کر دیئے گئے، اور جنکو باقی رکھا، ان پر ایسے پیرایہ بیان میں بحث کی گئی، جو نہایت دل شکن تھا، اور صاف طور پر بیان کیا گیا کہ مطالبات فرقہ وارانہ ہیں، اور مفاہمت ممکن نہیں، رپورٹ میں بنگال و پنجاب کی قلیل مسلم اکثریت کو خطرہ میں ڈالدیا گیا، غرض بقول مولانا محمد علی مرحوم کہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کیجاتی تھی، تو منادی پکارتا تھا، کہ خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا حکم کمپنی بہادر کا لیکن نہرو رپورٹ کا ملخص یہ ہے، کہ خلقت خدا کی ملک وائسرائے یا پارلیمینٹ کا ہے اور حکم ہندو مہاسبھا کا۔

اس رپورٹ کے سلسلہ میں یہ انکشاف دلچسپی سے دیکھا جائیگا، کہ صوبہ سرحد کی بحث میں پنڈت مالویہ جی نے جب کچھ مطالبات پیش کئے، تو ایک مسلمان نمائندہ نے کہا، کہ آپ جو مطالبات کریں، وہ بند لفافہ میں پیش کر دیں، چنانچہ وہ لفافہ پیش ہوا، اور مسلمان نمائندے نے اسکو دیکھے بغیر منظور لکھدیا، جب پنڈت موتی لال نہرو نے لفافہ کھولکر پڑھا، تو اس میں ہندو میناریٹی کے لئے پچاس فیصدی نمائندگی مطلوب تھی، اور دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ دیوانی و فوجداری کے وہ مقدمات جنمیں کوئی فریق ہندو ہو صرف ہندو یا یورپین جج کے سامنے پیش ہوں۔ پنڈت موتی لال نے اس کاغذ کو فوراً چاک کر دیا، غرض اس رپورٹ کی اشاعت سے علاوہ درجہ مستعمرات کے فرقہ وارانہ معاملات اور اقلیتوں کے مسائل پر بھی ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور عجیب جوش و خروش کا اظہار ہوا، مسلمانوں کے تمام سیاسی ادارات خلافت کمیٹی و جمعیۃ العلماء وغیرہ نے زبردست احتجاج کئے، اور قراردادیں منظور کیں اس سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب ٹانڈوی (مدنی) کا ایک خط قابل ملاحظہ ہے، جو ستمبر میں مولانا شوکت علی خاں کے نام انہوں نے ارسال کیا تھا، اور جس سے صورت حالات پر پوری روشنی پڑتی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

اگرچہ کچھ عرصہ سے اخبار "خلافت" میرے نام نہیں آیا، مگر "انقلاب" "ہمدرد" اور "الجمعیۃ" وغیرہ میں آپ کے مقالات آتے ہیں، ان سے آپکی تحریریں معلوم ہو رہی ہیں، میرے نزدیک آپکو آگے بڑھکر پکڑنا چاہیئے اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے آواز اٹھانی چاہیئے۔ ع ہر گز نہ گیرتا نہ تپ راضی شود

بلکہ حقیقت بھی یہی ہے، کہ ہم نے اس طریقہ پر آواز نہیں اٹھائی جسطرح پر لازم تھی۔
مولانا ابوالکلام آزاد کے بھی کلام رنگین سے زمیندار کے کالم رنگے جارہے ہیں، ڈاکٹر صاحب
کے نسخوں سے بھی یاران صحافت شفا ڈھونڈ رہے ہیں،

میں آنجناب کی توجہ ایک خاص طریقہ پر مبذول کرانا چاہتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ آزادی کامل
ہمارا مذہبی، سیاسی، وطنی، نصب العین ہے، اور ہر حیثیت سے ہم کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے
مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہم اپنے مذہب و قوم کو ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ آزادی کو مذہب اور قوم کیوجہ سے
ڈھونڈھتے ہیں، اگر خدانخواستہ مذہب برباد ہوجائے، اور مسلمان فنا ہوجائیں، تو ایسی آزادی
سے کیا فائدہ ہے۔

چونکہ مسلمان ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، اور ہندو اکثریت میں، اور انکی اکثریت بھی غیر
معمولی ہے، اور تین اور ایک کی نسبت ہے، اور ان کی یہ حالت ہے کہ آجتک ڈاکٹر مونجے بھی
فرما رہے ہیں کہ۔

"یہ سرزمین کسی مسلمان یا کسی فرقہ کی سرزمین نہیں ہے یہاں جو راج قائم ہوگا وہ
ہندو راج ہوگا، مجھے کئی کروڑ ہندو رضاکاروں کی ضرورت ہے"

(دیکھو خطبہ صدارت ڈاکٹر مونجے در سندھ)

جو مظالم آئے دن دفاتر میں، شہروں میں اور ریاستوں میں کئے جا رہے ہیں، اور جس تعصب اور
عدم رواداری کا ثبوت حسب تصریح جناب "ہندو دیوتا" گاندھی جی اور نہرو صاحب نے
دیا ہے، ان کی بنا پر ہم کسی طرح بھی اپنے ابنائے وطن کے ساتھ متحدہ قومیت کی توقع نہیں کرسکتے۔

بلاشبہ متحدہ قومیت عمدہ اور اعلیٰ چیز ہے، اور حصول آزادی کے لئے کارآمد نسخہ ہے، مگر افسوس
کہ ہندوانی اکثریت نہایت تنگدل ہے، اور پھر ہم سے بدرجہا منظم اور تعلیمیافتہ ہے، تعصب اس میں
کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ پھر اقلیتیں بالخصوص مسلم اقلیت کس طرح مطمئن ہوسکتی ہے۔

متحدہ قومیت کے راگ الاپے گئے، مسلمانوں کو اس طرف کھینچا گیا، مگر ابنائے وطن نے کوئی بھی ثبوت
رواداری اور متحدہ قومیت کا دیا ہے۔

میرے بزرگ!

سیاست محض فلسفی تخیل کا نام نہیں، اس کیلئے تاریخ اور واقعات ازحد ضروری ہیں، ہم اور ہمارے جیسے سینکڑوں صائب رائے اور ہمدردان وطن کو ان چند برسوں کے واقعات نے نہایت واضح مگر رنجدہ سبق دیا ہے۔ ہمارے برادران وطن کسی انصاف اور عدالت کو مسلم اقلیت کیلئے کہیں کبھی جائز نہیں کہتے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں واقعات۔ کالشمس فی رابعۃ النہار۔ میدان ظہور میں آچکے ہیں۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اب پھر جان بوجھ کر ہم اپنے آپکو اور قوم کو غار میں دھکیلیں۔

من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ

انہیں امور نے مسلمان رہنماؤں کو ۱۹۲۷ء میں دہلی میں مجبور کیا تھا۔ کہ مسلم اقلیت اپنے فرقہ وارانہ انتخاب کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی، جب تک کہ اس کو ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ دیجائے اور وہ امور یہ ہیں:۔

(۱) نشستیں حسب مردم شماری ہوں۔

(۲) سندھ علیحدہ صوبہ ہو۔

(۳) سرحد اور بلوچستان کو اصلاحات ملیں۔

(۴) اگر کوئی اقلیت اپنے ۳/۴ ممبروں سے اس امر کا ثبوت دے دے کہ فلاں رزولیوشن پر غور و خوض نہ ہو سکیگا۔

(۵) مذہبی امور میں ہر قوم آزاد رہے گی وغیرہ وغیرہ۔

ان شرائط پر ہی مخلوط انتخاب قبول کیا گیا۔ اور مسلمان رہنماؤں نے انہیں کی بنا پر اپنی وطنیت کا ثبوت دیکر کانگریس کمیٹی کے ممبروں کو قائل و معقول کیا تھا، تمام ممبران مسلم لیگ اور گورنمنٹ مسلم اسکو قبول نہیں کرتے تھے، بالآخر اس کو کانگریس، مدراس، آل پارٹیز دہلی منعقدہ فروری ۱۹۲۸ء نے قبول کر لیا۔ اگر مہاسبھا اور اسکے ہم نواؤں کو یہ تجویز ہمالیہ سے بھی زیادہ گراں قدر صرف اسلئے معلوم ہوئی بلکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے، کہ ہندو کسی جگہ بھی مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں، اور اسلئے اگر ایسا ہو، تو ہندو اکثریت بے دست و پا ہو جائیگی، اور مسلم اقلیت پر اپنے مستبدانہ اور جابرانہ احکام بھی جاری نہ کر سکیگی۔ ورنہ ایسا ہی جواب اس کو بنگال، پنجاب اور سندھ وغیرہ میں مسلم اکثریت کی طرف سے برداشت کرنا پڑیگا۔ اس لئے مہاسبھا نے ہر جگہ مخالفت کی سکھوں کو اپنے ساتھ لیا۔

اور اس میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے ۔
کانگریسی ممبر بجائے اسکے کہ مہاسبھا اور سکھ لیگ کو سمجھا سمجھا کر منصفانہ تجویز لاتے اور اپنے اثر و قوت سے انکی قوت کو تہ و بالا کرتے انہوں نے یہ کیا کہ مسلمانوں ہی کو دبایا جائے اور انکے ہاتھ پاؤں کاٹکر انکو مفلوج و بیکار بنا دیا جائے ۔
افسوس ہے کہ مسلمانوں میں چند بجیدار ہستیاں بھی کسی طرح انکی ہمنوا ہو گئیں اور مسلمانوں کے ٹکڑے کرنے کی تجویزوں اور تدبیروں کے ساتھ اپنے ابنائے وطن کے ساتھ میدان میں آ گئیں ۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے مخلوط انتخاب قبول کرنے سے حالانکہ وہ مشروط تھا فائدہ اٹھایا گیا ۔ اور قبل از تحقیق اعلان کر دیا گیا کہ مسلمانوں نے مخلوط انتخاب قبول کر لیا ہے ، اب نشستوں کے تعین کو بھی اٹھادو ۔ اور اس حیلہ سے اٹھادو کہ اکثریت کے لئے کسی جگہ نشستیں متعین نہ رہیں ۔
مسلمانوں کیلئے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے مخلوط انتخاب ہی میں خطرہ تھا یعنی ہندو اثرات کی بنا پر ایسے بس بھرے مسلمان منتخب ہوں ۔ جو بے دین ۔ ایمان فروش اور ہندو پرست ہوں ۔ صورت ظاہر میں مسلمان ہوں ۔ اور باطن میں ہندو ہوں ۔ ان کی تعلیمیافتہ طبقوں میں کثرت ہے ۔ کسی اسلامی مفاد کی امید کیجا سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ اب جبکہ نشستیں بھی اٹھ گئیں ، تب تو مسلمانوں کا کسی بھی صوبہ میں اپنی شمار کے موافق ان نشستوں کا حاصل ہونا مستحیل ہوگا ۔
نتیجہ بالآخر یہی ہوگا کہ معمولی سے دباؤ اور تھوڑے سے لالچ میں جو زمینداری ، ساہوکاری ، مہاجنی ، آڑھت وغیرہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر پڑنے والا ہے کھلے ہندوں ہندوؤں کے لئے مسلمان ووٹ دینگے ، اور مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائیگی مگر اسکا نقصان نہ صرف بنگال یا پنجاب کو اٹھانا پڑیگا ۔ بلکہ دوسرے صوبوں کی مسلم اقلیت کو بھی اسکا زہریلا خمیازہ اٹھانا پڑیگا انکی قومی وقعت اور قوت اکثریت کی نظر میں باقی نہیں رہیگی ۔
مسلمان ہر طرح ظلم و استبداد کے شکار بنائے جائینگے ۔ لہذا پنجاب اور بنگال کی تھوڑی سی اکثریت باقی نہ رکھی گئی ، تو تمام ہندوستان میں مسلم اقلیت کی حفاظت کی کوئی صورت نہیں ۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو اسکے خلاف آواز اٹھانا ضروری ہے اور صاف کہدینا چاہیئے کہ اگر تناسب آبادی کے لحاظ سے نشستیں محفوظ نہیں کرائی جاتیں ۔ اور صوبوں کو آزاد حکومت نہیں دیجاتی اور صوبہ سندھ

کو علیحدہ نہیں کیا جاتا تو ہم فرقہ وارانہ انتخاب کو نہیں چھوڑ سکتے۔

جیسے پنڈت موتی لال نہرو نے صوبہ سندھ کی علیحدگی کے خلاف بمبئی کونسل میں محمد خان بلوچ کے رزولیوشن پر تمام ممبروں کو آمادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ:۔

یہ امر مختلف شروط سے مشروط ہے، اسوقت اسکا ذکر کرنا جبکہ شروط متحقق نہیں ہیں قابل توجہ نہیں سمجھتا اسلئے تمام ممبروں کو منظور کر دینا چاہیئے۔

اس طرح مخلوط انتخاب بھی کسی طرح اس وقت تک میدان میں آنا چاہیئے۔ جب تک شروط متحقق نہ ہوں۔

الحاصل ہم اپنے فرقہ وارانہ انتخاب اور تعین نشست سے ہرگز ہرگز دست بردار نہیں اور نہ ہونگے، اگر متفقہ بنائی ہے تو جو رزولیوشن ۲۷ء میں دہلی اور بمبئی کانگریس اور مدراس کانگریس اور جمیعتہ العلماء پشاور وغیرہ میں پاس ہوا ہے اسکو بعینہ پاس کیا جائے ورنہ تمام کارروائی بے سود ہے یہ آواز اٹھائی جائے اور تمام ہم نوایان نہرو رپورٹ کو ترمیم کے لئے آمادہ کیا جائے۔

ہم اسوقت تک تعین نشست کے حسب آبادی طالب ہیں جبتک کہ اکثریت متحدہ قومیت کا اطمینان نہ کرا دے، جب حالت قابل اطمینان ہو جائیگی، اور سب کا اطمینان اس امر پر متفق ہوگا۔ کہ فرقہ وارانہ نشستیں بالکل اٹھا دیجاویں۔ تو ہم ایک برس کی قید لگائیں گے۔ ورنہ دس برس کی۔ امید ہے کہ آنجناب میری اس عاجزانہ عرض پر غور فرمائینگے۔"

اس صورت حال میں کانگریس نے بمقام کلکتہ ۲۲ دسمبر کو رپورٹ پر بحث کرنے کیلئے ایک آل پارٹیز کنونشن طلب کیا۔ لیگ کو بھی نمایندگی کیلئے دعوت نامہ آیا اسنے نمایندگی سے اجتناب کیا۔ لیکن مسٹر چھاگلا نے ایک تجویز اسکے اجلاس میں پیش کی جو اسی زمانہ میں بصدارت مہاراجہ محمود آباد ہو رہا تھا۔ یہ تجویز منظور ہوئی۔ بیس نمایندے منتخب ہوئے کہ وہ شریک ہو کر ان مسائل کا تصفیہ کریں۔ جو نہرو رپورٹ کیوجہ سے معرض بحث میں تھے۔ کنونشن نے ان امور کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی جو لیگ ڈیلیگیشن پیش کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اسکے مطابق کارروائی شروع ہوئی، اور مطالبات یا نہرو رپورٹ میں ترمیمات پر مباحثہ کیا گیا۔ مگر کنونشن کی کمیٹی نے مسترد کر دیا، اسکے بعد مسٹر جناح نمایندہ لیگ نے کنونشن کے اجلاس میں انہیں مطالبات کو ایک مدلل تقریر میں پیش کیا

اور ان پر پوری روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نمایندہ لبرل فیڈریشن نے مسٹر جناح کی پرزور تائید کی مہاسبھا مخالف تھی۔ اور اسکے نمایندوں نے صاف طور پر کہدیا تھا کہ اگر رپورٹ میں سے ایک کامہ (،) بھی کم ہوا۔ تو وہ اسکی تائید سے دست بردار ہو جائینگے۔ غرض اس تمام کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھہ بھی منظور نہ ہوا۔

مسٹر چھاگلا نے کنونشن کے رویہ کے متعلق ۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو جو بیان پریس کو دیا اس میں کہا کہ کنونشن کے اجلاس کے سامنے لیگ کی نمایندگی اسلئے رکھیگئی تھی۔ کہ مسلمان چند ضروری ترمیمات کے بعد نہرو رپورٹ کو منظور کر سکیں گے۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کا اعادہ کرتا ہوں۔ کہ کنونشن کو مسلم مطالبات پر نہایت فراخدلی سے غور کرنا چاہیئے تھا۔ بجائے اسکے وہ ہندو مہاسبھا کے زیر اثر اور اسکی دھمکی میں آن کر یہ صورت اختیار کرتا۔ میں یہ امر ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ کے نمایندوں کی اکثریت کنونشن کے اجلاس میں شریک ہوئی تھی، اور جنہوں نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو پیش کیا تھا۔ نہرو رپورٹ کے حامیوں میں سے تھے، اور یہ وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے نہ صرف اپنی ملت کے ساتھ جنگ، کی بلکہ اپنی جماعت (مسلم لیگ) سے محض نہرو رپورٹ کی تائید کرنیکے سلسلے میں برائی حاصل کی۔ اگر کنونشن ان ۲۳ منتخب نمایندوں کے ساتھ کسی امر پر گفتگو کرنے سے قاصر ہے تو سمجھنا چاہیئے، کہ وہ ہندوستان کے کسی مسلمان سے بھی فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اگر ان ۲۳ نمایندوں کو فرقہ پرست سمجھہ کر ان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا گیا۔ تو سمجھہ لو کہ ہندوستان میں ایک بھی مسلم قوم پرور موجود نہیں۔

جسطرح مسلم لیگ نے شفیع سکشن کو علیحدہ کر دیا۔ اور جسطرح اسنے پٹنہ کی اس تجویز کو جو کہ علی برادران نے تیار کی تھی رد کر دیا۔ یا آل پارٹیز کانفرنس دہلی میں اپنے نمایندوں کے کھینچنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح کنونشن کو بھی چاہیئے تھا کہ بہادری کے ساتھ موسنجے اور جیکار کیساتھ یہ سلوک روا کرتا۔ جو اجلاس کنونشن میں لحظہ بہ لحظہ دھمکی دیرہے تھے کہ وہ اجلاس چھوڑ کر چلے جاویں گے۔

مولانا محمد علی نے بھی جواب ہندو مسلم اتحاد کے بڑے مخالف اور بڑے فرقہ پرور سمجھے جانے لگے تھے۔ اپنے اخبار ہمدرد میں حسب ذیل بیان شائع کیا۔

"دیار غیر سے زیادہ خود اپنے وطن میں غریب الوطن ہوں۔ انہیں زبانوں سے جنسے آج

اپنی ہجو سُن رہا ہوں۔ اپنی تعریف میں ہزاروں قصیدے بھی سن چکا ہوں۔ ہمارے قید ہوتے ہی ہندو مہا سبھائی مہاراشٹر نے مہاتما گاندھی اور عدم تعاون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ خود مہاتما گاندھی نے حکومت کو الٹی میٹم دے چکنے کے بعد باردولی میں وہ روش اختیار کی جسے ملک نے ہتھیار ڈالدینے کے مرادف سمجھا اور وہ خود بھی ہماری طرح قید کر دیئے گئے اُنکے قید ہونیکے بعد پنڈت **موتی لال نہرو** اور دیش **بندھو داس** آزاد ہوئے اور بجائے سول نافرمانی شروع کرنے کے۔ جسکا یاد دش بخیر! اب کلکتہ میں نام لیا گیا ہے، گیا میں سوراج پارٹی کے نام سے وہ علم بغاوت بلند کیا، جسنے عدم تعاون کی تحریک کا خاتمہ کر دیا۔ پھر لطف یہ کہ ہندو مہا سبھائیوں نے شُدھی اور سنگٹھن کی تحریکیں شروع کیں جنہوں نے اس مذہبی تعصبات کی آگ کو پھر بھڑکا دیا جنہیں ہم ٹھنڈا کر چکے تھے اور اُس کے جواب میں مسلمانان پنجاب کے اسی عنصر نے تبلیغ و تنظیم کے نام سے زبانی جمع خرچ دکھانا شروع کر دیا۔ جو آج وطن پرستی اور ملت شکنی کا ڈھول بجا رہا ہے۔ نہ ہم نے ڈاکٹر مونجے۔ مسٹر آنے اور مسٹر کیلکر کیطرح مہاتما گاندھی کے خلاف اس بغاوت میں حصہ لیا تھا۔ جو بالآخر پنڈت موتی لال کے خلاف بھی جو اپنی تعاون کے لاجواب نام سے ظاہر ہوئی۔ نہ ہم نے گیا میں اس تحریک کے خلاف پنڈت موتی لال اور ان کے سوراجی ساتھیوں کی طرح علم بغاوت بلند کر کے حصہ لیا۔ نہ پنڈت مدن موہن مالوی اور سوامی شردھانند کیطرح ہندو مہا سبھا کی قائم کردہ سنگٹھن اور شدھی کی تحریکوں میں حصہ لیا اور نہ ڈاکٹر کچلو اور ان کے رفقاء کی طرح تبلیغ و تنظیم کے نام سے اپنا ڈھنڈورا پیٹا آج یہی حضرات کلکتہ کی تماشا گاہ میں اپنا سوانگ بھر رہے ہیں۔

پنڈت **موتی لال** نہرو اور ان کے ساتھیوں کو کونسلوں اور اسمبلی کی شرکت نے جو کچھ سُوراج دلوایا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس شرکت میں پنڈت جی کو جو آج کانگریس کے صدر ہیں اتنا اصرار تھا کہ انہوں نے خود مجھ سے فرمایا تھا۔ کہ اگر کانگریس نے اس شرکت کی اجازت نہ دی۔ تو میں کانگریس کے گرد اگر دو سو میل کے احاطہ میں بھی قدم نہ رکھوں گا میں نے اس خیال سے طوعاً و کرہاً اپنی پارٹی سے آج کے خداوند کانگریس دکنونشن کو اجازت دلوائی کہ کہیں یہ دو ڈھ جیل سے نکلکر مہاتما گاندھی مجھ سے شکایت نہ کریں کہ تم نے کانگریس سے اتنی بڑی اقلیت کو کیوں نکلوا دیا ورنہ دہلی اور

کوکناڈا میں موتی لال جی کو شکست فاش نصیب ہوتی۔

باب ششم

نہرو رپورٹ کو مسلمانوں نے اپنے لئے سیاسی موت کا جام زہر تصور کیا متعدد صوبوں میں اسپر احتجاج وناراضی کے بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے مسلم سیاسین نے کانگریس اور کنونشن سے مایوس ہوکر ۲۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد کی صوبوں اور مرکزی کونسلوں کے علاوہ مسلم لیگ خلافت کمیٹی اور جمعیتہ العلماء کے سربرآوردہ ارکان شریک ہوئے صدارت کیلئے ہزہائنس سر آغا خان کا انتخاب ہوا۔ نہایت غور وخوض اور اتحاد وسنجیدگی کے ساتھ اس کانفرنس نے ایک مفصل تجویز مرتب کی جسکو سر محمد شفیع مرحوم نے پیش کیا اور شفیع داودی ڈاکٹر سر اقبال۔ سر محمد یعقوب۔ مفتی کفایت اللہ اور مولانا محمد علی صاحبان اور دیگر اصحاب نے تائید کی۔

مفتی صاحب نے تائیدی تقریر میں فرمایا کہ:-

یہ رزولیوشن ایک ایسے جلسہ کی طرف سے ہے جو مسلم قومیت کے حقوق کی حفاظت کا ایک نمائندہ جلسہ ہے۔ اس میں ہر خیال اور ہر طبقہ کے مسلمان شریک ہیں، اب کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہوگا کہ مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کو تسلیم کیا ہے اگر کوئی شخص ایسا کہے گا تو اسکا کہنا غلط ہوگا۔ اور یہ طرز عمل ایسا ہی ہوگا جس طرح کوئی شخص آفتاب پر خاک ڈالنے کی سعی وکوشش کرے۔ میں جمعیتہ العلماء ہند کیطرف سے اس تجویز کی تائید کرتا ہوں

تجویز حسب ذیل تھی

۱۔ جبکہ ہندوستان کی وسعت اور اسکی نسلی، لسانی، جغرافی یا ملکی تقسیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستانی حالات کے مطابق صرف وفاقی طرز حکومت ہے، جس میں ان ریاستوں کو جو وفاقی حکومت کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتی ہوں، کامل خود مختارانہ اور فیصلہ کن اختیارات حاصل اور مرکزی حکومت کو صرف ان امور کے متعلق قطعی اختیارات حاصل ہوں۔ جو مشترکہ مفاد سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور دستور اساسی کی رو سے خاص طور سے اُسے تفویض

کئے گئے ہوں۔ . . . . اور . . . .

۲۔ جبکہ یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا مسودہ قانون، قرارداد، تحریک یا ترمیم جو بین الملّی معاملات کے متعلق ہو۔ کسی مجلس مقننہ خواہ وہ صوبہ وار ہو۔ یا مرکزی پیش نہ کیا جائے۔ اگر اس ملت سے جس پر اس کا اثر پڑتا ہو۔ خواہ وہ ہندو ملت ہو یا مسلم ملت۔ تین چوتھائی ارکان کی اکثریت اس مجلس مقننہ میں اس کے پیش کرنے۔ اس پر بحث و مباحثہ کرنے یا اس کو منظور کرنے کی مخالفت کریں۔ . . . . اور . . . .

۳۔ جبکہ مسلمانوں کا یہ حق کہ مختلف ہندوستانی مجلس مقننہ میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کریں۔ ملک کا مروجہ قانون ہے۔ اور مسلمان اپنے اس حق سے بغیر اپنی رضامندی کے محروم نہیں کئے جا سکتے۔ . . . . اور . . . .

۴۔ جبکہ ان حالات کے ماتحت جو اسوقت ہندوستان میں موجود ہیں اور جبتک یہ حالات موجود رہینگے۔ مختلف مجالس مقننہ اور دیگر آئینی خود مختار انجمنوں میں مسلمانوں کی نیابت اپنے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ ضروری ہے تاکہ حقیقی نمایندہ جمہوری حکومت قائم کیجائے۔ . . . . اور . . . .

۵۔ جبکہ اسوقت تک جبتک کہ مسلمانوں کو یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ دستور آساسی میں ان کے حقوق و مفاد کی مناسب حفاظت کی گئی ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی اس پر رضامند نہ ہوں گے۔ کہ خواہ مشروط یا غیر مشروط طریقہ پر مخلوط حلقہ ہائے انتخاب قائم کئے جائیں۔ . . . . اور . . . .

۶۔ جب کہ مذکورۃ الصدر مقاصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان مرکزی اور صوبہ جاتی کابینوں میں اپنا جائز حصہ حاصل کریں۔ . . . . اور . . . .

۷۔ جبکہ یہ ضروری ہے کہ مختلف مجالس مقننہ اور آئینی خود مختار انجمنوں میں مسلمانوں کی نیابت ایک ایسے طریقہ پر مبنی ہو جس سے اُن صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت میں کسی صورت سے بھی فرق نہ آئے گا۔ اور ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ کسی حالت میں بھی، ان کی نیابت اس سے کم نہ ہوگی۔ جو ان کو موجودہ قانون کے ماتحت حاصل ہے۔ . . . . اور . . . .

۸۔ جب کہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں مسلمانوں کی نمائندہ جمعیتوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان میں بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کے مفاد کے مناسب تحفظ کی غرض سے مرکزی مجالس مقننہ میں مسلمانوں کو ۱/۳-۳۳ فی صدی نیابت کا حق ملنا چاہیئے۔ اور یہ کانفرنس اس مطالبہ کی تائید کرتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۹۔ لسانی، نسلی، جغرافی، اور انتظامی وجوہ کی بنا پر صوبہ سندھ بقیہ احاطہ بمبئی سے کوئی بھی مناسبت نہیں رکھتا اور اسکے باشندوں کے مفاد کے لحاظ سے اسکا غیر مشروط طور پر ایک ایسا علیحدہ صوبہ بنانا جس میں ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح اپنا علیحدہ نظام حکومت اور مجلس قانون ساز موجود ہونا ضروری ہے۔ ہندو اقلیت کو اس کے تناسب آزادی سے زیادہ اسی طرح مناسب اور موثر نمائندگی دیدی جائے، جسطرح کہ مسلمانوں کو ان صوبوں میں دی جاسکتی ہے۔ جہاں ان کی آبادی اقلیت میں ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۰۔ جبکہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اس طریقہ پر جو ہندوستان کے دیگر صوبوں میں اختیار کیا جائے آئینی اصلاحات کا نفاذ نہ صرف ان صوبوں کے مفاد کے خیال سے بلکہ بحیثیت مجموعی تمام ہندوستان کی آئینی ترقی کے لحاظ سے بھی ضروری ہے، ان صوبونکی ہندو اقلیتوں کو ان کے تناسب آبادی سے زیادہ اسی طرح مناسب اور موثر نمائندگی دیدی جائے جس طرح کہ مسلمانوں کو ان صوبوں میں دیجا سکتی ہے جہاں انکی آبادی اقلیت میں ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۱۔ جب کہ انتظام ہندوستان کے مفاد کے لحاظ سے یہ ضروری ہے۔ کہ دستور اساسی میں ایسا بندوبست کیا جائے۔ جس کی رُو سے سرکاری اور آئینی خود مختار انجمنوں کی ملازمتوں میں اہلیت کے واجبات کا مناسب لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو دیگر ہندوستانیوں کے ساتھ مناسب حصہ دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۲۔ جبکہ ہندوستان کے موجودہ سیاسی معاشی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے تمدن کے تحفظ اور مسلمانوں کی تعلیم زبان مذہب شخصی قانون اور مسلمانوں کے خیراتی ادارات کے تحفظ اور ترقی سرکاری امداد میں ان کے مناسب حصہ کے لئے مناسب تحفظ شامل کئے جائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۴۔ جبکہ یہ ضروری ہے کہ دستور اساسی میں یہ قرار دیا جائے کہ ہندوستان کے دستور اساسی میں اسکے نفاذ کے بعد کوئی تغیر و تبدل اسوقت تک نہیں کیا جائیگا جبتک کہ وہ تمام ریاستیں جنپر ہندوستانی وفاقی حکومت (انڈین فیڈریشن) مشتمل ہو متفقہ اسکی خواہش نہ کرینگی ....

یہ کانفرنس نہایت زور کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی دستور اساسی کو خواہ اسکو کوئی مرتب کرے یا تجویز کرے اسوقت تک قبول نہیں کرینگے۔ جبتک وہ ان اصولوں کی تصدیق نہ کرے جو اس تجویز میں پیش کئے گئے ہیں۔

مسلم لیگ نے آل پارٹیز کانفرنس کے طریق کار اور مطامح نظر کو غور کے ساتھ دیکھا اور جب تمام کوشش و محنت رائیگاں ہوگئی، اور نہرو رپورٹ کے تمام مراحل گذر چکے، اور ہر مرحلہ میں مہاسبھائی ذہنیت سے مقابلہ رہا تو بالآخر وہ بھی آزاد ہوگئی۔ کہ آئندہ دستور میں آئینی تغیرات کے لئے ایسے اصول بنائے جو مناسب سمجھے۔

بدقسمتی سے اسی مسئلہ کی بنا پر لیگ کے دو گروپ ہوگئے تھے ایک گروپ کے قائد مسٹر جناح اور دوسرے گروپ کے سر محمد شفیع تھے۔ اب ڈاکٹر سیف الدین کچلو سکریٹری مسلم لیگ جناح گروپ نے سر شفیع گروپ سے باہمی اتحاد کے متعلق گفتگو کی اور ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء کو مسلم لیگ کونسل کا متفقہ جلسہ دہلی میں ہوا مسٹر محمد علی جناح نے صدارت کی اور اپنے مطبوعہ بیان میں نہرو رپورٹ کو "مسلم تجاویز دہلی" کے مقابلہ میں "ہندو تجاویز" قرار دیا کیونکہ مسلمان نہرو رپورٹ پر راضی نہیں ہوئے۔ اور دوسری تمام غیر ہندو جماعتوں نے بھی اس کو رد کر دیا تھا مسلم لیگ نے مسٹر جناح کی مندرجہ ذیل تجویز کو جو آل انڈیا مسلم کانفرنس کی بنیادی قرارداد مورخہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء کی آواز بازگشت ہے پاس کیا:۔

"ہرگاہ کہ آل پارٹیز کانفرنس کے طلب کرنے اور کرسمس ہفتہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں کلکتہ میں نیشنل کانونشن منعقد کرنیکا اصلی مقصد یہ تھا کہ تمام جماعتیں اور ملتیں باہمی سمجھوتہ اور اتفاق سے ایک ایسی متفقہ اسکیم دستور اساسی کی تیار کریں جسکو ملک کی اہم ترین سیاسی مجالس قبول کرلیں اور جس کو "نیشنل پیکٹ" (میثاق قومی) کہا جاسکے۔

"اور ہرگاہ کہ نہرو رپورٹ کو کانگریس نے صرف ایک سال یعنی ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک کیلئے

قبول کیا تھا اور اگر برطانوی پارلیمنٹ نے اسکو قبول نہیں کیا تو پھر کانگریس اسکو زائدالمیعاد قرار دیگی۔ اور کامل آزادی، سول نافرمانی اور عدم ادائے ٹیکس کی تحریکات کو جاری کریگی۔

"اور ہرگاہ کہ ہندو مہا سبھا کی روش یہ ہے کہ اسنے کلکتہ کنونیشن میں یہ الٹی میٹم دیدیا تھا کہ اگر نہرو رپورٹ میں بین الملی معاملات کے متعلق ایک کاما یا ایک شوشہ یا نقطہ کی بھی تبدیلی کی گئی تو وہ اس کی تائید چھوڑ کر مخالفت شروع کردیگی۔

"اور ہرگاہ کہ نیشنل لبرل فیڈریشن کے ڈیلیگیٹوں نے کلکتہ کنونیشن میں بین الملی معاملات میں غیر جانب داری اور بے تعلقی کی پوزیشن اختیار کی تھی۔

"اور ہرگاہ کہ سکھ لیگ نے نہرو رپورٹ سے اتفاق کرنے سے انکار کردیا۔

"اور ہرگاہ کہ غیر برہمن پارٹی اور پست ماندہ طبقات نے نہرو رپورٹ کو بالکل مسترد کردیا ہے۔

"اور ہرگاہ کہ کلکتہ کنونیشن میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نمایندوں نے جو معقول ترین اور معتدل ترین تجاویز نہرو رپورٹ کی ترمیم کے بارے میں پیش کیں انکو آناً فاناً بلا غور کئے ہوئے رد کردیا گیا۔ لہذا آل انڈیا مسلم لیگ نہرو رپورٹ کو نہیں قبول کرسکتی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ جبتک مندرجہ ذیل اصول اساسی کو شامل نہیں کیا جائیگا کوئی دستور ہند و مسلمانوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوگا۔

(۱) نکتہ اول یہ کہ آئندہ دستور ہند کی شکل فیڈرل (وفاقی) ہوگی اور اختیارات باقیہ صوبجات کو حاصل ہونگے۔

(۲) نکتہ دوم یہ کہ صوبونکو کامل صوبجاتی خودمختاری حاصل ہوگی۔ اور تمام صوبونکی خود مختاریت میں کامل مساوات اور برابری ہوگی یعنی تمام صوبوں کو یکساں اختیارات حاصل ہونگے۔

(۳) نکتہ سوم یہ کہ ملک کی تمام قانون ساز مجالس کی تعمیر اس معین اصول پر ہوگی کہ اقلیات کو ہر صوبہ میں کافی اور موثر نیابت حاصل ہو لیکن کسی اکثریت والی قوم کو گھٹا کر اقلیت یا مساوات کی پوزیشن میں نہ کردیا جائے۔

(۴) نکتہ چہارم یہ کہ مرکزی فیڈرل قانون ساز مجلس میں مسلمانوں کی نیابت ⅓ (ایک تہائی) سے کم نہ ہو۔

(۵) نکتہ پنجم یہ فرقہ دار گروہوں کی نمائندگی و نیابت بطریقہ جداگانہ انتخاب ہوگی جس طرح اب ہوتی ہے البتہ ہر قوم مجاز ہوگی کہ اپنی خوشی سے اس مسلمہ قانونی حق سے خود دست بردار ہو جائے۔

(۶) نکتہ ششم یہ کہ کوئی تبدیلی صوبوں کے علاقوں کی تقسیم میں آئندہ ایسی نہیں کیجائیگی جس کا اثر سرحد پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریتوں پر پڑے۔

(۷) نکتہ ہفتم یہ کہ تمام ملتوں کیلئے ضمیر کی پوری مذہبی آزادی یعنی آزادی عقیدہ و یقین آزادی عبادت و رسوم۔ آزادی تعلیم و تبلیغ۔ آزادی اجتماع و تنظیم کی ضمانت کیجائے۔

(۸) نکتہ ہشتم یہ کہ کوئی بل۔ ریزولیشن یا تحریک کسی قانون ساز مجلس میں پیش یا پاس نہیں ہو سکتا ہے اگر ¾ (تین چوتھائی) ممبران کسی قوم کے اسکو اپنے قومی مفاد کیلئے مضر قرار دیں۔

(۹) نکتہ نہم یہ کہ سندھ کو بلا شرط صوبہ بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک مستقل صوبہ بنا دیا جائے۔

(۱۰) نکتہ دہم یہ کہ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں دوسرے تمام صوبوں کی برابر اصلاحات جاری کیے جائینگے۔

(۱۱) نکتہ یازدہم یہ کہ سلطنت اور دیگر آئینی خود مختار ادارات کی سروسوں میں مسلمانوں کو دیگر ہندوستانیوں کے پہلو بہ پہلو مناسب حصہ صلاحیت و کارکردگی کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے دیا جائیگا۔

(۱۲) نکتہ دوازدہم یہ کہ دستور اساسی میں ایسے کافی تحفظات رکھے جائینگے جنکا مقصد اسلامی کلچر تہذیب و تمدن کی حفاظت و ترقی اور مسلم تعلیم و زبان رسم الخط۔ مذہب۔ پرسنل لا (شریعت) اور اسلامی ادارات خیریہ کی ترقی و حمایت اور ان کیلئے سلطنت اور دیگر خود مختار ادارت کی گرانٹ سے مناسب حصہ حاصل کرنا ہو۔

(۱۳) نکتہ سیزدہم۔ یہ کہ کوئی کابینہ وزارت حکومت خواہ وہ کسی صوبہ کی ہو یا مرکزی حکومت کی ہو مسلمانوں کی کم از کم ایک تہائی نیابت کے بغیر ترتیب نہیں دیجائیگی۔ یعنی ہر وزارت میں ⅓ وزیر مسلمان ہونا ضروری ہو۔

(۱۴) نکتہ چہاردہم یہ کہ دستور اساسی میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کیجا سکتی ہے۔ تاوقتیکہ انڈین فیڈریشن (وفاق ہند) کے تمام اجزائے ترکیبی یعنی تمام صوبے اور ریاستیں اس کو تسلیم نہ کریں

کانگریس نے مسلمانوں کے احتجاج کی مطلق پرواہ نہ کی اور کنونشن نے نہرو رپورٹ کو ہی مندرجہ ذیل

الفاظ میں منظور کیا۔

موجودہ حالات کے مدنظر کانگریس کنونشن کے پاس کردہ دستور اساسی کو قابل قبول سمجھتی ہے بشرطیکہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک پارلیمنٹ اسکو منظور کرے ورنہ اس تاریخ سے کانگریس پرامن ترک موالات شروع کردیگی اور لوگوں کو ٹیکس نہ ادا کرنیکا مشورہ دیگی۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو وسیرائے نے اپنے طولانی اعلان میں یہ خواب دکھایا تھا کہ شہنشاہ کیطرف سے انکو اس امر کا صاف طور پر بیان کرنیکا اختیار دیا گیا ہے کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا قدرتی نتیجہ حصول درجہ نوآبادیات ہے،

اس کے بعد لاہور کے اجلاس سالانہ میں نہرو رپورٹ کی قرارداد کو منسوخ کرکے آزادی کامل کا اعلان کیا گیا اور کانگریس کمیٹی کو سول نافرمانی کرنیکا اختیار دیا گیا۔ اور چونکہ بالخصوص سکھ اور بالعموم مسلمان اور دوسری اقلیتوں نے نہرو رپورٹ کو نامنظور کردیا تھا اور کانگریس نے آزادی کامل کا منصوبہ قائم کرلیا تھا۔ لہذا نہرو رپورٹ یعنی باپ کا وضع کردہ دستور اساسی بیٹے پنڈت جواہر لال نہرو صدر کانگریس کے ہاتھوں دریائے راوی میں غرق کردیا گیا

مسلم کانفرنس کی تجاویز اور مسلم لیگ کے چودہ نکات کی ترکیب کے بعد ہی مسلم نیشنلسٹ پارٹی وجود میں آگئی، اور ۲۷، ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو مولانا **ابوالکلام** کے زیر صدارت اس کا اجلاس منعقد ہوا۔

اس پارٹی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں حب الوطنی پیدا کیجائے اور وہ فرقہ پرستی سے بالاتر ہوکر ملک کی سیاسی جدوجہد میں شریک ہوں۔ اکثریت اور اقلیت کے درمیان ایسے تعلقات پیدا کئے جائیں جلسے اکثریت وسعت قلب کے ساتھ مسلمان اقلیت کے حقوق تسلیم کرلے۔

اس جماعت کے صدر مولانا **ابوالکلام** اور سکریٹری تصدق احمد خاں صاحب شروانی اور خزانچی ڈاکٹر مختار احمد انصاری مقرر ہوئے۔ پارٹی کا دوسرا اجلاس جولائی ۱۹۳۰ء میں اور تیسرا اپریل ۱۹۳۱ء میں بمقام لکھنؤ منعقد ہوا۔ آخرالذکر اجلاس میں **سرسید علی** امام نے صدارت کی اور حسب ذیل تجاویز پاس ہوئیں۔

(۱) ایک ایسی دفعہ دستور اساسی میں لازم ہوگی، جسکی بنا پر ہر باشندہ کا تمدن زبان خط تحریر، تعلیم مذہبی آزادی۔ مذہبی اوقاف اور اقتصادی منافع برقرار رہینگے۔

۲۔ حقوق اساسی اور شخصی قوانین دستور اساسی میں اس طور پر مندرج ہو جائیں کہ ان کا پورا تحفظ ہو سکے۔

۳۔ ملک کا آئندہ دستور اساسی "وفاقی اصول" پر ہوگا اور مابقی اختیارات صوبجاتی حکومتوں کو حاصل ہونگے۔

۴۔ کل ملازمتوں کا تقرر ایک پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ہوگا جو کم از کم معیار قابلیت کو مدنظر رکھکر کسی فرقہ کو اس کے جائز حصہ سے محروم نہ کریگا اور نیچے طبقوں کی ملازمتوں میں کسی فرقہ کا مکمل دخل جائز نہ رکھے گا۔

۵۔ سندھ ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔

۶۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ویسا ہی طرز حکومت دیا جائے جیسا کہ دوسرے صوبوں کو ہے

۷۔ نیشنلسٹ مسلمانوں کا قطعی فیصلہ ہے کہ وفاقی اور صوبجاتی سیاست کے لئے حسب ذیل امور ہی جھگڑوں کو طے کر سکتے ہیں۔

(الف) ہر بالغ کو ووٹ کا حق۔

(ب) مخلوط انتخاب۔

(ج) آبادی کے تناسب سے اقلیتوں کی خالص نشستیں جہاں تیس فیصدی سے کم ہوں اور انکو بقیہ نشستوں کے انتخاب میں حصہ لینے کا حق۔

۸۔ ملک کی فضا کو دیکھتے ہوئے اور خاصکر ایک جماعت کے پروپگینڈے کا خیال کرتے ہوئے اور دونوں قوموں کے ایک حصہ کا رویہ دیکھکر امن و امان کیخاطر نیشنلسٹ مسلم کانفرنس مخلوط انتخاب اور ہر بالغ کو ووٹ کے حق کی بنا پر گفتگو کرنے کیلئے تیار ہے۔

ڈاکٹر انصاری نے مسلم تحفظات کیلئے حسب ذیل تشریح کی۔

۱۔ ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی میں نمائندگی کی بنیاد حق رائے دہندگی بالغان اور مخلوط انتخاب پر مبنی ہوگی۔

۲۔ (الف) رائے دہندگی بالغان کیحالت میں نشستوں کا تحفظ ان اقلیتوں کیلئے کیا جائے جنکی آبادی دو فیصدی سے کم ہے یہ تحفظ نشست تناسب آبادی کے لحاظ سے کیا جائیگا۔ مگر اقلیتوں

کو زائد نشستوں کیلئے مقابلہ کرنیکا حق ہوگا۔

(ب) جن صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی ۲۵ فیصدی سے کم ہے انہیں مسلم نشستیں تناسب آبادی کے لحاظ سے محفوظ کردیجائیں گی۔ اور انکو زائد نشستوں کے حاصل کرنیکا بھی حق ہوگا لیکن اگر دوسری اقوام توازن کا مطالبہ کریں تو مسلمانوں کو بھی وہی توازن دیا جائیگا جو انکو آج حاصل ہے۔

(ج) اگر رائے دہندگی بالغان کا اصول قائم نہ ہو یا حق رائے دہندگی ایسا مقرر ہو جس سے تناسب آبادی کے لحاظ سے ووٹروں کی تعداد درج رجسٹر نہ ہوسکے تو پنجاب و بنگال میں مسلم نشستیں اُس وقت تک کیلئے محفوظ رہینگی، جبتک رائے دہندگی بالغان یا ووٹروں کی تعداد تناسب آبادی کے لحاظ سے درج رجسٹر نہوا ان صوبوں میں مسلم نمائندگی اسطریقہ سے برقرار رہیگی کہ مسلم اکثریت نہ تو اقلیت میں تبدیل ہوسکے نہ مساوی درجہ پر آسکے۔

۳۔ فیڈرل مجالس مرکزیہ میں مسلمان ممبروں کی تعداد ⅓ ہوگی۔

۴۔ سرکاری ملازمتوں کیلئے ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کیا جائیگا جو تقرریاں ہر عہدہ کی معیار قابلیت کو مدنظر رکھکر کریگا لیکن اسطرح کہ کسی قوم کو اس کے جائز حق سے محروم نہ کیا جائے اور چھوٹی چھوٹی جگہوں پر کسی قوم کو اجارہ نہ حاصل ہوجائے۔

۵۔ فیڈرل اور صوبجاتی وزارتوں میں مسلم مفاد کا تحفظ ایک قانون کے ذریعہ سے کیا جائیگا۔ جسے ہر مجالس قانون ساز کی تمام پارٹیاں منظور کرینگی۔

۶۔ سندھ علیحدہ کرکے ایک مستقل صوبہ بنا دیا جائے۔

۷۔ صوبہ سرحد و بلوچستان کو ٹھیک وہی اساسی حکومت دیجائیگی۔ جو برطانوی ہند کے دوسرے صوبجات کو حاصل ہونگے۔

۸۔ ہندوستان کا آئندہ دستور اساسی فیڈرل (وفاقی) طریقہ کا ہوگا اور صوبجات کو باقی ماندہ اختیارات حاصل ہونگے۔

۹۔ (الف) دستور اساسی میں بنیادی حقوق کی ایک دفعہ ایسی ہوگی جس سے ملک کے تمام باشندوں کے ساتھ زبان، رسم خط، تعلیم، مذہبی پابندی مذہبی حقوق اور اقتصادی مفاد بالکل محفوظ و مامون ہوں۔

(ب) دستور اساسی میں ایسے مخصوص دفعات ہوں گے جس سے ہر شخص کے ذاتی قوانین وبنیادی حقوق کی ضمانت ہو سکے۔

(ج) جہاں تک بنیادی حقوق کا سوال ہے اسکے متعلق دستور اساسی میں کوئی تبدیلی نہ کیجائیگی تاآنکہ ہر مجلس قانون ساز ۳/۴ ارکان کی متفقہ اکثریت اسکی حمایت نہ کرے۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہم کسی طرح قبول نہیں کر سکتے کہ پنجاب وبنگال کی مسلم اکثریت متبدل بہ اقلیت ہو جائے یا غیر مسلموں کے مساوی ہو جائے۔ نہ کبھی ہم یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہاں اسکو ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ ہم یو۔پی اور بہار کے مسلمانوں کو وہی تحفظات دیدینا چاہتے ہیں۔ جو ہندو ان صوبجات میں مانگتے ہیں۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں"

مگر چندہی اجلاسوں کے بعد یہ پارٹی ختم ہو گئی۔

اب یہ سوال بھی دماغوں میں اور زبانوں پر گردش کر رہا تھا کہ مسلمانوں کو کانگرس میں بغیر شرط وتحفظات کے شامل ہو جانا چاہیئے۔ بعض صداقت کے ساتھ اس کے موافق تھے۔ اور بعض سیاسی شطرنج کی ایک چال چل رہے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کے اداروں میں جمعیتہ العلماء بھی نہایت ممتاز درجہ رکھتی تھی جو علمائے اہل سنت والجماعت سے مرکب تھی اس جماعت کی نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کے ساتھ ہی تشکیل ہوئی تھی۔ اس کا مقصد اساسی یہ تھا کہ صرف مشترکہ مذہبی وسیاسی امور میں علمائے اکرام عامہ اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض ادا کریں جمعیتہ کے مستقل صدر مفتی کفایت اللہ اور ناظم مولوی احمد سعید قرار پائے

پہلا اجلاس دسمبر میں ہی امرتسر میں ہوا اور مزید مقاصد غیر مسلم برادران کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق۔ مذہبی حقوق کی نگہداشت اور مسلمانوں کی رہنمائی قرار دیئے گئے ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں ترک موالات کا پروگرام طے ہوا اور پھر متعدد اجلاسوں میں اسی قسم کی سیاسی تجاویز ہوتی رہیں۔ جنپر مذہبی رنگ چڑھا ہوا تھا ساتواں اجلاس ۱۹۲۶ء میں بصدارت مولوی سید سلیمان ندوی بمقام کلکتہ منعقد ہوا۔ اب ہندو مسلم فسادات نے جو فضا قائم کر دی تھی۔ اس میں جمعیت اور کانگریس کا رابطہ ٹوٹ چکا تھا اس لئے ایک طولانی قرارداد پاس ہوئی کہ "چونکہ برادران وطن کے مخالفانہ طرز عمل سے منافرت کی خلیج وسیع ہوگئی

اسلئے مسلمان اپنی تنظیم کرکے اپنے بل پر ملک کو آزاد کرائیں البتہ جو غیر مسلم حضرات اس بارہ میں اتحاد عمل کرنا چاہیں ان کے ساتھ اتحاد عمل کیا جائے۔

آٹھویں اجلاس منعقدہ پشاور میں زیر صدارت مولانا **انور شاہ** مسٹر جناح کے چودہ نکات کی تائید کی گئی۔

نواں اجلاس ۱۹۳۰ء میں بمقام امروہہ **شاہ معین الدین** اجمیری کی صدارت میں ہوا۔ اس سے قبل کانگریس نے لاہور میں آزادی کامل کا رزولیوشن پاس کیا تھا۔ اور چند ماہ پہلے ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار بھی قائم ہو چکی تھی۔ جسکے صدر مولوی **عطاء اللہ شاہ** بخاری تھے۔ اب اس جلسہ جمعیت میں قائد احرار نے مسلمانوں کو بلا شرط کانگریس میں شامل ہو جانیکا مشورہ دیا۔

جس وقت مجلس انتخاب مضامین میں یہ رزولیوشن پیش ہوا تو مولوی **عبد القدیر** بدایونی نے اپنی تقریر میں کہا کہ بہ لحاظ مخصوص طرز عمل کے جو کانگریس نے اختیار کر لیا ہے اگر مجھے اطمینان دلایا جائے کہ کانگریس کی موجودہ روش کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو اس میں شریک ہونا جائز ہے تو سب سے اول میں شریک ہونگا ورنہ میرے نزدیک مسلمانوں کی شرکت حرام ہے۔

مولانا **مرتضیٰ احسن** صاحب دیوبندی نے فرمایا کہ:-

حضرات میرے مرنے کا زمانہ بہت قریب ہے اور جب خدائے برتر کے روبرو مجھ سے سوال ہوگا۔ کہ تو جمعیتہ العلماء کے اجلاس میں موجود تھا جس میں کروڑوں مسلمان کے حقوق بلکہ موت وحیات ہست و نیست کا مسئلہ درپیش تھا، تو تو نے اپنا فرض ادا کیا، اور ایسے نازک وقت میں تو نے دیانت اور ایمانداری کے ساتھ بلا کسی لوث و دباؤ کو احکام شرع شریف کو ظاہر کیا تو میں کیا جواب دوں گا اسلئے میں علی الاعلان اور صفائی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بحالت موجودہ جیسا کہ اسوقت کانگریس کا رویہ ہے یعنی غیر مسلم اقوام کی کثرت کیوجہ سے کانگریس میں ہماری آواز قطعاً بے اثر ہے، مذہب اور مذہبی احکام کو سیاست کے سامنے پوچھا نہیں جاتا بلکہ اس کے تابع قرار دیا جاتا ہے مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا قطعاً ناجائز بلکہ حرام ہے۔

یہ شکل اختیار کرنا کہ انگریزوں سے آزادی حاصل کرکے ہم اہل ہنود سے ایک ہندوستانی سلطنت قائم کریں گے تو ایسی جدوجہد حرام ہوگی البتہ ایک شکل ہے کہ اگر مسلمان اس خیال سے

جنگ وجدل کیلئے کھڑے ہوں کہ اسلام کو نہ دو۔ انگریز اور جملہ غیر اقوام سے آزاد کرالیں گے تو ایسی آزادی کیلئے اہل ہنود آپ سے کیوں ملینگے۔"

بعض دیگر علماء اور بالخصوص علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی نے مولانا **مرتضے حسن** کی پر زور تائید کی۔

مولوی عطاء اللہ بخاری اصل تحریک کے موید تھے طویل بحث کے بعد یہ ترمیم ہوئی کہ مسلمان دائرہ اسلام کے اندر رہکر اس شرط کے ساتھ کانگریس میں شریک ہو سکتے ہیں کہ انکے حقوق کی پوری حفاظت کی ضمانت ہو اور جبتک مسلمانوں کے حقوق نہ تسلیم کئے جائیں۔ انفرادی طور پر جو مسلمان چاہے کانگریس میں شریک ہو جائے۔ لیکن من حیث القوم انکو شریک نہ ہونا چاہیئے۔

بالآخر ۱۸ گھنٹہ کی رد وکد کے بعد ۳۴ بزرگوں کے مجمع میں جو علما اور غیر علما دونوں پر مشتمل تھا ترمیم منظور ہو گئی مگر اجلاس عام میں یہ فقرہ کہ انفرادی حیثیت سے مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اس میں شریک ہوں یا نہوں نکالدیا گیا۔ اور دائرہ اسلام کے اندر شرکت کے متعلق مبہم الفاظ رکھے گئے اور ایسے گول فقرے قائم کئے کہ انکا مطلب دونوں فریق نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق لے لیا۔

اس اجلاس کے بعد ہی جمعیت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک جمعیۃ العلماء دہلی اور دوسری جمعیۃ العلمائے کانپور اور دونوں کو آل انڈیا کا ادعا رہا۔

باب ہفتم

سلسلہ اصلاحات میں حکومت کیطرف سے ۱۹۲۴ء میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی تھی جسکے صدر **سر الگزینڈر موڈی** میں اور ممبران مہاراجہ بردوان۔ ڈاکٹر سر سپرو۔ سر سوامی آئر۔ ڈاکٹر رانجپائے۔ میاں سر محمد شفیع اور مسٹر محمد علی جناح تھے۔ اس کمیٹی کی مجارٹی اور مینارٹی رپورٹوں میں باوجود اختلاف اس نقطہ پر اتفاق تھا کہ فرقہ وارانہ انتخاب[1] قائم رکھا جائے۔ پھر سائمن کمیشن کے سامنے

---

[1] اس کمیٹی کے سامنے ۱۸ اگست کو مسٹر چنتامنی سابق وزیر حکومت صوبہ متحدہ و اڈیٹر اخبار لیڈر نے اپنی شہادت میں انتخاب جداگانہ کی حمایت کی تھی۔

جسقدر رپورٹیں پیش ہوئیں۔ ان سب میں فرقہ وارانہ انتخاب کی حمایت کی گئی ۱۹۳۰ء میں لارڈ
اروِن نے حکومت ہند کیطرف سے جو مراسلہ وزیر ہند کو بھیجا۔ اس میں بھی یہ امر واضح کر دیا کہ یہ
رعایت (جداگانہ انتخاب) جو اسوقت مسلمانوں کو حاصل ہے ان کی مرضی کے خلاف نہ واپس
لیجا سکتی ہے نہ لینی چاہیئے۔ تمام مسلمان سیاسئین و ادارات اپنے مطالبات پر برابر زور دیتے اور
ہندوؤں کیطرف سے جو بے اطمینانی و بے اعتمادی تھی اسکو علی الاعلان ظاہر کرتے رہے۔ مسلمانوں کے
علاوہ اور بھی حسب ذیل پانچ اقلیتیں طالب حقوق تھیں۔ (۱) سکھ (۲) اچھوت (۳) برطانوی
تجار (۴) اینگلو انڈین۔ (۵) دیسی عیسائی اور ملک معظم قیصر ہند کے اعلان میں تمام اقلیتوں کے
سیاسی حقوق کے تحفظ کا یقین دلایا گیا تھا۔

نوٹ (۱) ۱۹۲۱ء کے دستور میں سکھوں کو نیابت مل گئی تھی اس موقعہ پر بھی بلند آہنگی کے ساتھ
انہوں نے اپنے مطالبات پیش کئے۔ ان کی آبادی کل پنجاب اور دیسی ریاستوں میں پوری
آبادی کا ۱/۸ حصہ ہے۔

(۲) اچھوت ......۳۵۰۰۰۰۰۰۰ کی تعداد میں ہیں اس سے قبل وہ ہندو قوم میں شامل
تھے لیکن تعلیم نے انہیں اپنی ذلت یا اونچی ذات والوں کے مظالم کا احساس پیدا کر دیا
اور حکومت کی دستگیری اور اپنی جدوجہد سے انہوں نے پست اقوام کے نام پر تعلیمی و سیاسی
مراعات حاصل کیں ۱۹۲۱ء سے اسمبلی صوبجاتی کونسلوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلیٹیوں
میں لازمی طور پر ان کی نامزدگی ہونے لگی۔

(۳) برطانوی تجار کو ۱۸۸۶ء سے حق نمائندگی حاصل تھا۔ جو تدریج ترقی کرتا رہا۔

(۴) اینگلو انڈین کی آبادی کم و بیش ایک لاکھ ہو گی مگر انہوں نے بھی اپنے لئے نشستیں
حاصل کرنے کی کوشش کی۔

(۵) دیسی عیسائی حقیقت میں ہندوؤں کی نیچ ذاتوں کا بڑا حصہ ہے اور تقریباً ساڑھے
چار ۴½ کروڑ آبادی ہے ۱۹۱۹ء میں انکا وجود بطور فرقہ خاص تسلیم کیا گیا صوبہ مدراس
میں حلقہ ہائے انتخاب جداگانہ بنائے گئے اور باقی صوبوں اور مرکز میں نامزدگی سے نشستیں
محفوظ رکھی گئیں۔ اسی سلسلہ میں ایک راؤنڈ ٹیبل (گول میز) کانفرنس کی بھی تجویز

ہوئی جس میں حکومت ہند کے انتخاب سے ہندوستان کی تمام قوموں کے نمائندے مدعو کئے گئے۔ چنانچہ ۱۳ر نومبر ۱۹۳۰ء کو جب ہندوستانی سیاسیین پہلی گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو ان کے پاس کوئی فرقہ دارانہ مصالحت کا حل نہ تھا اور ایک دوسرے کیساتھ بے اعتمادی تھی مگر اس کانفرنس کی بیمارٹی کمیٹی کی پہلی ہی نشست میں مسٹر رمیزے میکڈانلڈ چیرمین نے اس مسئلہ کی اہمیت پر زور دیا کہ :۔

اقلیتوں کی مصالحت کا سوال ہندوستان کی سیاسی ترقی کیلئے ضروری ہے اور یہ نظریہ صرف انگریزوں کا ہی نہیں ہے بلکہ ہر روشن دماغ ہندوستانی کا ہے اور یہ ایک ایسا سوال ہے جو آپس میں ہی طے ہو جانا چاہیئے۔ یہ اچھی بات نہیں کہ آپ ہندوستان کا ایک دستور وضع کریں اور کسی بیرونی اتھارٹی سے خواہشمند ہوں کہ وہ ایسے ضروری مسئلہ کو طے کر دے کہ جو اس دستور پر کامیابی کیساتھ عمل پیرا ہونے کی شرط اولین ہو دسمبر کی میٹنگ میں اچھوتوں اور دیسی عیسائیوں کے نمائندوں نے فرقہ وارانہ انتخاب و نمائندگی پر سخت اصرار کیا۔ مسلمانوں کے اقل قلیل مطالبات وہی تھے جو ۱۹۲۹ء میں مرتب کئے گئے تھے تمام اقلیتوں نے متفقہ طور پر اس امر کو ظاہر کر دیا کہ ہندوستان کیلئے سیلف گورننگ کانسٹیٹیوشن (دستور حکومت خود اختیاری) صرف اس صورت میں قابل قبول ہے۔ کہ انکے مدلل مطالبات مان لئے جاویں۔ جنمیں سب سے اہم مطالبہ انتخاب جداگانہ ہے۔

اس مسئلہ پر مسلمان اور دیگر تمام اقلیتوں میں کامل اتفاق تھا اور وزیر اعظم نے بھی ۱۹ر جنوری ۱۹۳۱ء کو پہلی کانفرنس کے اختتام پر اپنے اعلان میں اس امر کا اظہار کیا۔ کہ :۔

"دستور اساسی کی ترتیب میں ملک معظم کی حکومت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ اس قسم کی شرائط رکھے جنسے اقلیتوں کیلئے سیاسی نمائندگی کے علاوہ اسکی ضمانت ہو جائے کہ صرف مذہب، نسل، فرقے یا ذات کے اختلاف کی بنا پر کوئی شخص مدنی حقوق سے محروم نہ کیا جائے گا۔

ملک معظم کی حکومت کے نزدیک مختلف فرقوں کا یہ فرض ہے کہ جو مسائل اقلیتوں کی

سب کیبنٹ میں چھڑے تھے۔ اگر طے نہ ہوں تو آپس میں کوئی تصفیہ کرلیں اس گفت و شنید کے سلسلہ میں جو اس کے بعد ہوگی یہ تصفیہ ہو جانا چاہیئے اور حکومت اس معاملہ میں جو کچھ مدد کرسکتی ہے کرتی رہیگی کیونکہ اسے نہ صرف اسکی فکر ہے کہ نیا دستور اساسی جلد سے جلد جاری ہو جائے بلکہ اس بات کی بھی ہے کہ اس کا آغاز تمام فرقوں کی رضامندی اور اعتماد کے ساتھ ہو۔"

۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی اور اسکے اثر سے جو فضا قائم ہوگئی اس میں حکومت کو بھی اس تحریک کے خلاف اقدام کرنا پڑا۔ گاندھی جی گرفتار کرلیئے گئے اور بھی بہت سی گرفتاریاں ہوئیں۔ لیکن جنوری ۱۹۳۱ء میں رہائی عمل میں آئی وائسرائے اور گاندھی جی میں گفتگوئیں ہوئیں۔ اور ۵ مارچ ۱۹۳۱ء ایک معاہدہ کی رو سے سول نافرمانی کی تحریک بند کردی گئی اور آخر ۱۹۳۱ء میں کانگرس کے واحد نمایندہ کی حیثیت سے وہ دوسری گول میز کانفرنس کی شرکت کیلئے روانہ ہوئے تقریباً اس ایک سال کے دوران میں فرقہ وارانہ تصفیہ کیلئے پوری کوشش کی گئی۔ گاندھی جی نے مسلم مطالبات کو صرف اس صورت میں منظور کرنیکا وعدہ کیا کہ معدودے چند کانگریسی مسلمان ان سے اتفاق کرلیں، جو مخلوط انتخاب کے موئید تھے، مسلمانوں نے ان کانگریسی یا نیشنلسٹ مسلمانوں کو متفق و راضی کرنیکی کوشش کی مگر نتیجہ سے قبل گاندھی جی نے ایک بیان دیدیا کہ مسلمان باہم متفق ہو کر سکھوں کو بھی منالیں تو مطالبات تسلیم کیے جائینگے مگر چونکہ مسلمانوں کی اہم اکثریت انتخاب جداگانہ کی حامی تھی اسلیے مصالحت نہ ہوسکی اور مسٹر گاندھی نے جب کانفرنس میں شرکت کی تو مختلف مباحثات کے دوران میں انہوں نے اقلیتوں کے مطالبات کی نسبت جو روش اختیار کی اسنے فضا کو بہت زیادہ مکدر کردیا دیسی عیسائی اور اچھوتوں کے لیڈروں نے اپنی بے اعتمادی کا اظہار کیا۔ حالات کی نزاکت بہت زیادہ بڑھ گئی، ایک نازک موقع پر مسز نائڈو اور سر محمد شفیع کی صلح جویانہ تقریروں نے کچھ سکون پیدا کیا مسز نائڈو نے کہا کہ :۔

"ہمیں کسی اقلیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ مجھے اسوقت وہ نصیحت یاد آتی ہے جو دو سال ہوئے کہ یورپ کے ایک بہت بڑے سیاست داں نے کی تھی کہ تمکو اپنی اقلیتوں کو خوش رکھنا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ تم جبتک اپنی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری نہ کرلو ایک ایک قوم

کی تشکیل نہیں کر سکتے۔

اس موقع پر اکثریت کی رواداری کے متعلق نحاس پاشا وزیر مصر کا وہ خط جو انہوں نے ۱۹۳۰ء میں حافظ عمران خاں لادی مقیم مصر کے نام لکھا تھا۔ قابل مطالعہ ہے۔

وہ تحریر فرماتے ہیں :۔

آپ کا مفصل خط مجھے ملا میں اس تکلیف کیلئے جو صورت حال سے مجھے مطلع کرنے کیلئے آپنے فرمائی ہے مشکور ہوں۔ استاذ مکافی سے میری تمامتر گفتگو اس پہلو پر منحصر تھی۔ کہ ہندوستانیوں کو ایک کلمہ پر جمع کرنیکی ضرورت ہے دینی تعصب ترک کرنا چاہیئے اور سب سے پہلی کوشش ہندو مسلم اتحاد کی ہونی چاہیئے تاکہ حقیقی طور پر ہندوستان کی آزادی کیلئے کوشش کیجا سکے اور اسکے مفید نتائج ظاہر ہوسکیں (افسوس ہے کہ اسی اہم تر مسئلہ کیطرف سب سے کم توجہ ہندو کرتے ہیں) میری یہ عادت قریباً دس برس سے ہے۔ اور ہمیشہ جب میں نے ہندوستان کے لیڈروں سے ملاقات کی ہے اسی اہم پہلو کی بابت زیادہ زور دیا ہے کہ سب سے پہلے امت ہندیہ کو ایک کلمہ پر جمع ہونیکی ضرورت ہو اور دینی اختلافات سے قطع نظر کرکے وطن کی آزادی کیلئے سب کی متحدہ کوشش جبتک نہ ہوگی متوقع نتائج ظاہر نہیں ہو سکتے اور یہ صرف اسوقت ہو سکتا ہے جب اکثریت اپنے طرز عمل سے اپنے قول و فعل سے اقلیت کو مطمئن کردے۔ اختلافات دین یا کسی فرقہ کی اکثریت اسبات کی موجب نہ ہونا چاہیئے کہ دوسرے فرقوں پر ظلم و زیادتی روا رکھی جائے یہ بات میں نے ایسی نہیں کہی ہے جو عمل سے عاری ہو۔ بلکہ اسکے ثبوت میں ہم اپنا طرز عمل پیش کرتے ہیں جو ہمنے بہت بڑی اکثریت میں ہونے کے باوجود مصر کے قبطیوں کے ساتھ روا رکھا ہے ہمنے انہیں انکے حقوق سے اتنا زیادہ دیا ہے کہ وہ اس کا خیال بھی نہیں کر سکتے تھے یہی سبب ہے کہ انکے قلوب ہمارے ساتھ ہیں۔ سب سے زیادہ حریص میں اسی کا رہا کرتا ہوں۔ کہ مصر کے قبطی اور مسلمان متحد رہیں اور اس سلسلہ میں کوئی موقع میں ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بہت ہی صراحت کے ساتھ یہ گفتگو میں نے پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی، پنڈت جواہر لال نہرو پروفیسر کلیانی، نیز مسلمان لیڈروں میں قاضی مظفر

اور مرحوم سر اقبال سے کی ہے۔ میری طرف سے اسکی اجازت آپکو ہے کہ آپ اخبارات میں میری اس تصریح کو شائع کر دیں اسکے سوا کوئی دوسرا مقصد پروفیسر ملکانی سے میری گفتگو کا نہ تھا۔"

ڈاکٹر سر سپرو اور رائٹ آنریبل سر سری نواس شاستری نے اس فیصلہ کیلئے تین یا پانچ ممبروں کی ایک کمیٹی قائم کیے جانیکی تجویز پیش کی اور مسٹر گاندھی کے استفسار پر ہز ہائنس آغا خان نے اس کمیٹی پر مسلمانوں کا اتفاق بھی ظاہر کر دیا جس سے فیصلہ کی امید پیدا ہوئی۔ لیکن ڈاکٹر مونجے اور پنڈت مالویہ کو تشویش پیدا ہو گئی۔ اور ڈاکٹر مونجے نے بتایا کہ راجہ نریندر ناتھ و سردار اجل سنگھ اعلان کر دیا کہ جہانتک فرقہ وارانہ مسئلہ کا تعلق ہے ہمکو اعتبار نہیں خود گاندھی جی نے اقلیتوں کی کمیٹی کے آخری اجلاس میں تسلیم کیا کہ اپنی ذات سے تو میں مسلمانوں کو سب کچھ دینے کو تیار ہوں جو وہ چاہتے ہیں اور میں رات کو پچھلے پہر تک ہندوؤں اور سکھوں کو آمادہ کرتا رہا کہ میرا ساتھ دیں مگر مجھے ناکامی ہوئی۔

ہز ہائنس آغا خان نے مسلمانوں کی طرف سے مسٹر گاندھی کو یہ یقین بھی دلایا۔ کہ وہ ہر صورت میں کانگریس کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ ان کے تحفظ حقوق کی ذمہ داری کی جائے۔

مسٹر گاندھی نے ذاتی حیثیت سے چودہ نکات اور انتخاب جداگانہ کو بہ ایں شرط منظور کر لیا کہ مسلمان دیگر اقلیتوں کی جداگانہ مخالفت میں کانگریس کی مدد کریں بجز سکھوں کے اور ایسے ہندوؤں کے جو اپنے صوبوں میں اقلیت رکھتے ہوں۔ مگر اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا گیا۔ اور اسکو نہایت ذلت آمیز امر تصور کیا کہ وہ ایسی ذلیل شرط پر ان اقلیتوں کی رفاقت ترک کر دیں۔ جنکے ساتھ وہ پورا اتفاق اور سمجھوتہ کر چکے ہیں۔

ان تمام اقلیتوں نے مسٹر گاندھی اور مہاسبھائیوں کے رویہ سے مایوس ہو کر باہمی معاہدہ کیا اور جب ۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء کو میناریٹی کی آخری نشست ہوئی تو وزیر اعظم نے ایک زوردار تقریر کی جس میں کہا کہ :۔

"ہندوستان کے کسی نئے دستور کیلئے سب سے پہلے فرقہ وارانہ نمائندگی۔ فرقہ وارانہ حقوق اور انکے تحفظ کے مسئلہ کا طے ہونا ضروری ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ آپ بھی اس سے انکار نہ کرینگے

کہ بغیر کسی بنیاد کے کوئی قانون بھی وضع نہیں کیا جا سکتا۔"

اسکے بعد ہز ہائنس آغاخان نے مینارٹیز پیکٹ پیش کیا جو تمام اقلیتوں کی باہمی مفاہمت سے مرتب ہوا تھا اسکو پیش کرتے ہوئے ہز ہائنس نے کہا کہ:۔

یہ معاہدہ بہت ہی غور و فکر کے بعد اس مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کے متعلق طے ہوا ہے اور اسکو سب کا پورا پورا متفقہ راضی نامہ سمجھنا چاہیئے اس معاہدہ کی تمام دفعات ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور اگر وہ نامنظور کیا جائے تو کلیتہً اور اگر منظور ہو تو کلیتہً ہونا چاہیئے۔

اس پیکٹ کے پیش ہونے کے بعد تمام اقلیتوں کے نمایندوں نے مسلمانوں کا شکریہ ادا کیا اس کے بعد ہندوؤں نے وزیر اعظم سے فیصلہ کی درخواست کی پنڈت مالویہ ڈاکٹر مونجے اور دوسرے ہندو لیڈروں نے انکی خدمت میں متحدہ اپیل کی کہ وہ خود فرقہ وارانہ فیصلہ کردیں مسٹر گاندھی نے بھی اسکی تائید میں ایک جداگانہ خط لکھا کہ ہر ایسے فیصلہ کی جسپر متعلقہ پارٹیاں متحد ہو جائیں کانگریس حمایت کریگی۔ لیکن مسلمانوں نے اس درخواست پر اس بنا پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ایسے اندرونی فرقہ وارانہ مسئلوں کا فیصلہ کرے جو کہ باہمی سمجھوتہ سے فیصل نہ ہو سکیں اور دوسری اتھارٹی اسبات کا حق رکھتی ہے کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ صادر کر اسکے یا اس پر عمل کرنے کے لئے زور دے سکے۔

ان حالات کے سلسلہ میں مسٹر **تصدق احمد خاں** شروانی نے جو نیشنلسٹ مسلم پارٹی کے سکریٹری تھے اخبار "لیڈر" میں لکھا تھا کہ:۔

سر محمد شفیع نے مسلمانوں کی طرف سے ایک تجویز پیش کی تھی کہ جسکی رو سے معین نشستوں کے

(نوٹ) مینارٹی کمیٹی کی تقریر میں مسٹر گاندھی نے یہ بھی کہا کہ دوسری اقوام نے جو مطالبات پیش کئے ہیں انکو سمجھ سکتا ہوں لیکن اچھوتوں کیطرف سے جو مطالبات پیش ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ دکھ پہنچانے والے ہیں ہم اچھوتوں کو ہرگز ہرگز علیحدہ کرنا نہیں چاہتے سکھ الگ رہ سکتے ہیں اور اسیطرح مسلمان اور عیسائی بھی کیا اچھوت اچھوت ہی رہینگے وہ لوگ جو اچھوتوں کے سیاسی حقوق کے متعلق گفتگو کرتے ہیں وہ ہندوستان اور اس سوسائٹی کے حالات کو نہیں جانتے اور میں یہاں اپنی پوری طاقت سے کہدینا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے تن تنہا اپنی زندگی سے بھی اسکی مزاحمت کرنی پڑے تو کرونگا

ساتھ مخلوط انتخاب جاری کر دیا جائے مگر پنڈت مدن موہن مالویہ نے اُسے محض ایک نشست کی کمی بیشی کی بنا پر نامنظور کر دیا اور چونکہ ہندوؤں کو کتاب بیداری ہند کے مصنف مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم سے توقعات تھیں اسلیئے انکے نام چٹھی لکھی گئی کہ وہ فرقہ وارانہ فیصلہ دیں۔

اس چٹھی پر کسی مسلمان نے دستخط نہیں کیئے اور ہندوؤں میں گاندھی جی مسٹر نائڈو اور سر تیج بہادر سپرو نے بھی دستخط نہیں کیئے تھے۔

ان ہی طے شدہ مباحث کے ساتھ گول میز کانفرنس کا اجلاس ختم ہو گیا اور آخری دن یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم نے جو مبسوط بیان دیا اسمیں فرقہ وارانہ مسائل کی گتھی نہ سلجھنے پر افسوس کا اظہار کیا اور اسکو ترقی کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ قرار دیکر کہا کہ:۔

"اس صورت میں ملک معظم کی حکومت اس امر پر مجبور ہو گی کہ ایک عارضی تجویز پر عمل کرے۔ کیونکہ اسنے یہ مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اس دقت کو کبھی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہونے دیگی اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک معظم کی حکومت نہ صرف آپکی نمایندگی کے مسائل کا تصفیہ کریگی بلکہ جہانتک ممکن ہے دانشمندی اور انصاف کیساتھ یہ بھی طے کر دیگی کہ اصول جمہوریت کے بے قید اور خلاف انصاف استعمال سے جسکی بدولت اکثریت کو کل اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں، اقلیتوں کو محفوظ رکھنے کیلیئے دستور اساسی میں روک تھام کی کیا کیا صورتیں ہونی چاہئیں یہ میں آپسے کہے دیتا ہوں کہ اگر حکومت کو عارضی طور پر ہی آپ کے دستور کا یہ حصہ مرتب کرنا پڑا جو آپ خود نہیں کر سکتے تو باوجود اسکے کہ وہ پورے اہتمام سے اقلیتوں کیلیئے کافی تحفظات رکھیگی۔ تاکہ انئیں سے کسی کو بے توجہی کی شکایت نہ رہے یہ اس مسئلہ کے حل کرنیکی قابل اطمینان صورت نہ ہو گی یہ بھی سن لیجئے کہ اگر اس معاملہ میں آپکے آپس میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ تو ہماری حکومت کو جو ہندوستان کے دستور اساسی کے بارے میں ہمارے ہم خیال ہو بڑی مشکلیں پیش آئیں گی اور اسکی وجہ سے آپکے دستور کا مرتبہ دوسرے ملک کے دستور سے گھٹ جائیگا۔ اسلیئے میں ایکبار پھر آپسے التجا کرتا ہوں کہ آپس میں گفتگو کر کے جو مواقع ملیں ان سے فائدہ اٹھایئے۔ اور کوئی فیصلہ کر کے ہمارے سامنے پیش کیجئے فرقہ وارانہ مسئلہ کا وہ حل جسکا تعلق صرف کونسلوں کی نمایندگی سے ہو ان حقوق کی حفاظت کیلیئے کافی نہیں جنکو میں فطرتی حقوق کہتا ہوں جن شرائط کا ذکر ہو چکا ہے انکے بعد بھی اقلیتیں بدستور اقلیتیں رہینگی اس دستور اساسی میں ایسی دفعات کی ضرورت ہے

جن سے ہر عقیدہ اور طبقہ کے لوگوں کو پورا اطمینان ہو جائے کہ اکثریت کی حکومت اس طرح نہیں کیجائیگی کہ جس سے انہیں ہیئت سیاسی کے اندر اخلاقی یا مادّی نقصان پہونچ جائے حکومت اسوقت یہ تصریح نہیں کر سکتی کہ اس کیلئے کیا شرطیں ہونا چاہئیں۔ ان کی نوعیت اور ان کے دائرہ کو معین کرنے کیلئے بہت کچھ غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ ایک طرف تو اسکا یقین ہو کہ وہ اپنا مقصد پورا کرنے کیلئے کافی نہیں اور دوسری طرف یہ اطمینان ہو کہ وہ سیاسی ذمہ دارانہ حکومت کے اصولوں میں اس حد تک مداخلت نہیں کرتی کہ انہیں باطل کر دیں۔ اس میں مشاورتی کمیٹی کو خاص طور پر دخل ہونا چاہیئے کیونکہ نشستوں کے تناسب اور طریق انتخاب کے مسائل کیطرح اس معاملہ میں بھی دستور کی کامیابی اس پر منحصر ہے کہ اسکی ترتیب باہمی مفاہمت کی بنیاد پر ہو۔

نتیجہ میں ملک معظم کی حکومت نے دستور جدید میں کمیونل اوارڈ کے نام سے فرقہ وارانہ فیصلہ کر دیا اور جداگانہ انتخاب کا اصول بہ ایں شرط قائم کیا گیا کہ باہمی رضامندی سے دس سال کے بعد تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

بنگال اور پنجاب میں نشستوں کی تقسیم نہایت اہم ہے لیکن ان صورتوں میں مسلمانوں کے تناسب آبادی سے تقریباً (۰) فیصدی کم نشستیں ملیں۔

مذکورہ بالا واقعات کے متعلق جو گول میز کانفرنس میں پیش آئے مئی ۱۹۲۵ء میں (مرحوم) **خان بہادر حاجی حافظ ہدایت حسین** بار ایٹ لاء نے سر ستیا مورتی کے ایک بیان شائع ہونے پر اپنے بیان میں حسب ذیل روشنی ڈالی ہے۔

۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو وزیر اعظم مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اقلیتوں کی میٹنگ میں ممبران سے جنہیں مہاتما گاندھی بھی شامل تھے۔ اپیل کی تھی کہ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کریں۔ پنڈت مدن موہن مالوی اور ہز ہائنیس سر آغا خان کی درخواست پر میٹنگ ایک ہفتہ کیلئے ملتوی کر دی گئی بعد ازاں ۳۰ ستمبر ۱۹۳۱ء کو یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس مسئلہ کو حل کرنیکے بعد ہر طبقہ کے دو دو تین تین ممبران پر مشتمل ایک چھوٹی کمیٹی مقرر کیجائے۔

۸ اکتوبر سے ۱۲ اکتوبر تک مہاتما **گاندھی** کی صدارت میں اس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا لیکن بالآخر کمیٹی نے اپنی ناکامی کا اظہار کیا۔ ایک ہفتہ کے التواء کے بعد اقلیتوں کی کمیٹی کا پھر اجلاس منعقد

ہوا اور وزیر اعظم سے پھر اپیل کی کہ ایکمرتبہ اور اسے حل کرنیکی کوشش کیجائے چنانچہ پھر گفت وشنید شروع ہوئی اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ مہاتما گاندھی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں اور سرحد میں ہندوؤںکی اقلیت تسلیم کرنے کیلئے تیار تھے لیکن انکے علاوہ اور کسی کو بھی اقلیت تسلیم کرنا پسند نہیں کرتے تھے علاوہ بریں اسی شرط پر گفت وشنید کرنا چاہتے تھے کہ عیسائی ۔ اینگلو انڈین اور یورپین کو ہندوستان کا باشندہ نہ تسلیم کیا جائے دیگر اقلیتوں نے اس اثنا رمیں باہمی گفت وشنید کے ذریعہ سمجھوتہ کرلیا تاہمم نے بھی اسکی حمایت کی ۔ مہاتما گاندھی کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اسکے بعد اقلیتوں کی کمیٹی کی میٹنگ منعقد ہوئی مہاتما گاندھی نے اس سمجھوتہ کی کچھ پرواہ نہ کی اور کہا کہ وہ لوگ مردہ کی چیر پھاڑ کی کوشش کر رہے ہیں ۔ وزیر اعظم نے میٹنگ ملتوی کرتے ہوئے ممبران سے کہا کہ وہ اپنے دستخطوں سے انکے پاس ایک درخواست بھیجیں اور آمیں یہ وعدہ کریں کہ میں خود فرقہ دارانہ مسئلہ کو جس طرح حل ،کروں گا اسکو وہ تسلیم کریں گے ۔ ۱۴ ر نومبر کو مہاتما گاندھی نے مسلم ڈیلی گیٹوں سے ملاقات کی اور انکو اس سمجھوتہ سے توڑنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے انکار کردیا اسی دن پنڈت مدن موہن مالویہ نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ کا تصفیہ کریں ۔ اس خط پر مہاراجہ درکبھنگہ شریمتی سروجنی نائیڈو مسٹر نریندر ناتھ ڈاکٹر موںجے ۔ سیٹھ برلا ۔ مسٹر جیکر اور مسٹر آئینگر کے بھی دستخط تھے جب یہ خط بھیجا گیا اسوقت مہاتما گاندھی نے بھی وزیر اعظم کو ایک چٹھی لکھی جسمیں انہوں نے یہ واضح کیا کہ پنڈت مالویہ کی چٹھی پر میرے دستخط نہ کرنے کے یہ معنی اخذ نہیں کرنا چاہئیں کہ کانگریس آپکے فیصلہ کی مخالفت کریگی اسکے بعد سر تیج بہادر سپرو رائٹ آنریبل سرنیواس شاستری ۔ سرچمن لال ستیلواد ۔ سر اے ۔ پی پیٹرو اور فیروز سیٹھنا نے بھی وزیر اعظم کو چٹھیاں لکھیں ۔ ان تمام چٹھیوں میں اس بات کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا کہ کانگریس اس فیصلہ کی پابند نہیں ہوگی لہذا اب یہ کہنا بیکار ہے کہ کانگریس سرکاری فرقہ وارانہ حل کی پابند نہیں ہے ۔

مسٹر عبد الرحمٰن صدیقی (سندھی) ایم ۔ ایل ۔ اے بنگال کونسل ان اصحاب میں ہیں ۔ جو کانگریس کے مسلم زعما سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کے خاص رفقا میں ہیں اور راونڈ ٹیبل کانفرنس کے زمانہ میں لندن میں موجود تھے انہوں نے اگست ۱۹۳۷ء میں

بمقام سورت ایک پبلک اسپیچ میں کہا ہے کہ "مسٹر گاندھی نے انگلستان میں رونڈ ٹیبل کانفرنس کے زمانہ میں خود وزیر اعظم کو اپنی رضامندی دی تھی۔ مگر فرقہ وارانہ سوال کے واقعہ کو ہندو پریس نے کلیتہً دبا دیا اور قطعاً نہ ابھر سکا۔

ان ہی کوششوں کے متعلق ڈاکٹر سر سپرو کا بیان ہے کہ:۔

"انہوں نے (گاندھی جی نے) ۲۷ یا ۲۸ اشخاص کا ایک جلسہ طلب کیا جو قصر سینٹ جیمس میں ہر رات جمع ہوتے تھے۔ اس تمام کارروائی میں وہ (گاندھی جی) بیحد آرزومند تھے کہ کوئی مفاہمت ہوجائے اگر میں بعض ان حضرات کا تذکرہ کروں جنہوں نے اس جلسہ کی تمام کارروائیوں میں حصہ لیا تھا۔ تو یہ گویا مسئلہ کے بہت ہی نازک پہلو کا اظہار ہوگا ان کارروائیوں کی سچی اور مکمل تاریخ تو ابھی لکھی جانی باقی ہے، لیکن میں یہ بلاخوف و تردد بیان کرونگا کہ اس آخری رات کو جب جلسہ ہوا تو ذہنی اضطراب کے آثار اُن (گاندھی جی) کے چہرے سے عیاں تھے ہم بغیر کچھ حاصل کئے ہوئے اٹھے اور اسوقت ایران کے شاعر اعظم فردوسی کا وہ قول یاد آگیا جو اُسنے تاریخ ایران کے ایک مشہور واقعہ کے متعلق کہا تھا۔ "نشستند و گفتند و برخاستند" میں نے اس تاثر کو اپنی ڈائری میں اسیوقت قلمبند کیا ممکن ہے کہ وہ کسی قدر جذباتی رنگ لئے ہوئے ہو۔ لیکن آج چار سال بعد نیز ان چار سالوں میں جو کچھ میں نے دیکھا اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ماننے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اسوقت میں کسی مخالفانہ جذبہ سے مغلوب ہوگیا تھا، اس کا اندراج اس طرح ہے:۔

"نام نہاد ہندوستانی قومیت کا جنازہ نکلتے دیکھا جسکے مخصوص کندھا دینے والوں میں .... تھے کیا پھر وہ زندہ بھی ہوگی۔"

تصفیہ باہمی میں تمام ناکامیوں کے بعد ۱۹۳۱ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس نے بنیادی حقوق کے نام سے ایک قرارداد پاس کی جس میں یہ امر واضح کیا گیا کہ "ہر باشندہ ہند کو ضمیر کی آزادی حاصل ہوگی، اور وہ اپنے مذہب کا اعلان آزادی سے کرسکیگا اور وہ اپنے فرائض اور رسوم آزادی سے ادا کرسکیگا۔ بشرطیکہ اس سے انتظام عامہ اور اخلاق عامہ میں کوئی نقص واقع نہ ہو ملک کی اقلیتوں کی تمدن زبان رسم الخط محفوظ ہوں گے نیز ملک کے وہ مختلف رقبے جو باعتبار

اختلاف زبان قائم ہیں ان کا تحفظ ہوگا۔

ہندوستان کے تمام باشندے بلا امتیاز مذہب و ملک یا ذات و قوم یا جنسیت قانون کی نظر میں برابر ہونگے، ہندوستان کا کوئی باشندہ خواہ مرد ہو یا عورت اپنے مذہب یا ذات یا جنسیت کیوجہ سے یا کسی تجارت یا پیشہ سے ممنوع نہیں سمجھا جائیگا مذہب کے معاملہ میں حکومت غیر جانبدار رہیگی رائے دینے کا حق ہر عاقل و بالغ کو ہوگا۔"

مگر اس مبہم قرارداد سے کوئی بھی مطمئن نہ ہوا۔

ہندوستان میں اچھوت قوم دراصل ہندوؤں کے تمدنی و سیاسی مظالم کی ایک یادگار ہے اگرچہ ان کے سیاسی زوال کے بعد زمانہ نے اچھوتوں کی مساعدت کی انکو کچھ ابھرنے کے مواقع ملے اور تبدیل مذہب نے اونچی ذات کے ہندوؤں کی برابر کرسی پر بٹھادیا تاہم ابھی تک ایک کثیر تعداد اچھوت ہی ہے۔

مسلمانوں نے جب ابتداً حکومت کو اس طرف توجہ دلائی کہ یہ اچھوت دراصل ہندوؤں سے ایک علیحدہ فرقہ ہے تو ہندو سیاسئین کی آنکھیں کھلیں اور محض اپنی عددی برتری قائم رکھنے کے لئے انکے ساتھ نمائشی ہمدردی شروع ہوگئی۔ جسکا شرف اولیت مالویہ جی کو حاصل ہے ان اچھوتوں کو بھی اپنی حالت کا احساس ہوا اور اس احساس نے ان میں یک گونہ اپنی پست حالت سے ابھرنیکا حوصلہ پیدا کیا اور وہ کامیاب ہوئے اور کچھ حقوق حاصل کرلئے۔

اب جدید اصلاحات کے موقع پر جب انکو جداگانہ حقوق دیئے تو ہندو سیاسئین تلملا اٹھے، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقع پر گاندھی جی نے انکو جدا کرنے پر سخت احتجاج کیا اور جب کیمونل اوارڈ میں انکی جداگانہ نیابت رہی تو گاندھی جی نے واقعی اپنی جان سے مزاحمت کی، وہ کانفرنس سے لوٹنے کے بعد دوبارہ سول نافرمانی شروع کرنے کی وجہ سے وہ پھر یروده جیل میں نظر بند تھے، یہاں سے انہوں نے اا رمارچ ۱۹۳۲ء کو سر سیموئل ہور وزیر ہند کے نام ایک طولانی خط لکھا، جس کا مفاد وملخص یہ تھا کہ "جداگانہ نیابت ذلت جاتیوں کیلئے اور ہندوؤں کیلئے نقصان رساں ہے اسکا صحیح اندازہ وہ ہی شخص کرسکتا ہے جو یہ جانتا ہو کہ برائے نام اونچی ذات والے ہندوؤں میں وہ کسطرح پھیلے ہوئے ہیں اور انکا موخرالذکر فالتو کتنا بھاری سہارا ہے۔ جہانتک ہندو مت کا تعلق ہے جداگانہ نیابت انکے جسم کو بالکل

چیر کر ٹکڑے ٹکڑے کردیگی۔

اسی خط میں حسب ذیل فقرہ بھی تھا کہ:۔

میں اسکے برخلاف نہیں ہوں کہ ان کو کونسلوں میں نمایندگی دیجائے میں تو اس بات کے حق میں ہوں کہ انکے ہر ایک مرد و زن کو خواہ انکی تعلیم یا جائداد کی قابلیت کچھ ہی ہو ووٹر قرار دیا جائے اور خواہ دوسرے فرقوں کیلئے رائے دہندگی کے طریق اس سے زیادہ سخت ہی کیوں نہ ہوں لیکن میری یہ مسلمہ رائے ہے کہ خالص سیاسی نکتہ نگاہ سے خواہ کچھ بھی ہو جداگانہ نیابت ان کیلئے اور ہندوؤں کیلئے نقصان دہ ہے۔

آخر خط میں فاقہ کشی کرکے اپنی جان دیدینے کی دھمکی دی تھی، لیکن حکومت نے اچھوتوں کو جداگانہ نیابت ہی دی، اور عام انتخابات میں بھی نشست حاصل کرنیکا حق عطا کیا۔

اب گاندھی جی نے وزیر اعظم کو اپنے طریق عمل کے فیصلہ کی اطلاع دی اور ۲۰ ستمبر سے فاقہ کشی کا اعلان کردیا۔

اس خط کا جواب ۸ ستمبر کو ہی ملگیا جو حسب مراد نہ تھا۔

درمیانی وقفہ میں ہندو سیاسیین نے ہر ممکن کوشش کی کہ اچھوتوں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ سے اس فیصلہ کو تبدیل کرایا جائے چنانچہ ایک کانفرنس منعقد ہوئی اونچی اور نیچی ذاتوں کے سیاسیین جمع ہوئے ادھر فاقہ کشی بھی شروع ہوگئی، پانچویں دن ایک اسکیم مرتب کی گئی، کہ ضروری تحفظات کے ساتھ اچھوت جداگانہ نیابت سے دست بردار ہوجائیں انکو عام ہندو نشستوں میں ایک مخصوص تعداد دی گئی، اسطرح یہ باہمی فیصلہ ہوگیا اور ۲۶ تاریخ کو سرکاری طور پر وزیر اعظم کے فیصلہ میں وہ بطور ترمیم شامل کرلیا گیا،

اگرچہ اسکے بعد اچھوتوں کی ہمدردی کے بہت سے گیت گائے گئے انکو پستی سے نکالنے کیلئے اصلاحی اسکیمیں جاری ہوئیں، لیکن جب کانگریس نے وزارتوں کی ترتیب کی تو ان کو ہر جگہ نظرانداز کردیا گیا حتے کہ خود گاندھی جی کے صوبہ میں یہ نوبت پہونچی کہ ان اچھوتوں کی عورتوں کو اپنے حقوق کے لئے ستیہ گرہ کرنی پڑی اور انکے مہاتما نے ان کی ستیہ گرہ اور ہڑتال سب کو ٹھکرا دیا۔ اور اب یہ پردہ جیل کے معاہدہ کی قلعی روز بروز اتر رہی ہے، اگست ۱۹۳۸ء میں اچھوت لیڈر۔ ایم۔ سی۔ راجہ نے گاندھی جی کو ایک مفصل

خط لکھا جمیں مدراسی حکومت کی شکایت کی اور لکھا کہ مدراس اسمبلی میں اعلیٰ ذات کے ہندو اس معاملہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں پارٹی ڈسپلن کے زیر اثر اچھوت ممبر مجبور ہوئے کہ مندروں میں اچھوتوں کے داخلہ کے بل کی مخالفت کریں۔۔۔۔ ہندوؤں کیساتھ مشترکہ نیابت قبول کر کے ہم نے اپنی آزادی سلب کر دی اور اپنے گلوں پر اپنے ہاتھوں چھری پھیری۔ مسٹر راجہ نے آخر میں دھمکی دی کہ اب میری قوم مجبور ہو گئی ہے کہ جُداگانہ نیابت کیلئے جدوجہد کا براہ راست اقدام کرے

آخر اکتوبر میں مشہور اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیدکر نے ایک تقریر کے دوران میں بمقام احمد آباد کہا کہ :۔

مجھے کانگریس اور گاندھی جی پر بالکل اعتماد نہیں۔ کہ وہ کبھی بھی پست اقوام کی بہتری کیلئے کچھ کرینگے، مجھے گول میز کانفرنس کا تجربہ ہے اور گاندھی جی پر میرا اعتماد ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے جو (گاندھی) مسلمانوں کے مطالبات منظور کرنے کیلئے تیار ہو گیا تھا مگر پست اقوام کیلئے نشستیں مقرر کرنیکا مطالبہ ماننے کو تیار نہ تھا گو وہ (گاندھی) اس سے پہلے اعلان کر چکا تھا کہ اگر دیگر جماعتیں ہمارے مطالبات منظور کر لیں تو وہ بھی اس کیلئے تیار ہے

مسلمان پست اقوام کے مطالبات منظور کرنے کیلئے تیار تھے، مگر گاندھی جی رضامند نہ تھے۔

گاندھی جی نے کانگریسی وزارتوں کو اپنے کابینہ میں کسی اچھوت وزیر کے تقرر کیلئے نہیں کہا۔ آپ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ بمبئی کی کانگریسی حکومت نے اس کمیٹی کی منظوری پر کوئی توجہ نہیں دی جو سابقہ حکومت نے پست اقوام کی ترقی کیلئے مقرر کی تھی اور نہ ہی ان کیلئے کچھ کیا ہے آخر میں آپ نے پست اقوام سے کہا کہ وہ خود اپنی تنظیم کریں۔ یا انڈی پنڈنٹ لیبر پارٹی میں شرکت کو ترجیح دیں جو مہاراشٹر میں اقتدار حاصل کر رہی ہے۔

کمیونل ایوارڈ کے قرطاس ابیض میں شائع ہونے کی عین مابعد اس پر غور کرنے کیلئے دسمبر ۱۹۳۳ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا جسکے صدر راجہ سید احمد علیخان علوی آف سلیم پور تھے، انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ان مسائل پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی، جس کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میں سے کوئی صاحب اقلیت کے اس حق سے انکار نہ کرینگے کہ وہ ملک کے آئین میں اپنے لئے کچھ تحفظات کا مطالبہ کرے اور مجھے یقین ہے کہ آپ تمام حضرات اس معاملہ میں میری تائید کرینگے کہ تمدنی تحفظات کو جنمیں زبان اور رسم الخط کے مسائل بھی شامل ہیں دیگر تحفظات پر فوقیت حاصل ہے ہندوستان کے مسلمان ایک خاص تمدن کے حامل ہیں جو اسوقت بھی انکی ایک شان امتیازی ہے اور اس تمدن کو وہ دل سے عزیز رکھتے ہیں اور جان کے ساتھ حفاظت کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے جبتک آئینی تحفظات نہ ہوں اسوقت تک مسلمانوں کو بجا طور پر یہ اندیشہ ہے کہ انکی انفرادیت کسی ایسی چیز میں جذب ہو جائیگی، جسے وہ اپنی ملی مفاد کیلئے مفید نہیں سمجھتے آل انڈیا مسلم کانفرنس نے ۱۹۲۹ء میں ایک قرارداد کے اندر یہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ:۔

"ہندوستان کے موجودہ معاشرتی اور سیاسی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہندوستان کے دستور اساسی میں مسلمانوں کے تمدن کے تحفظ اور مسلمانوں کی تعلیم، زبان، مذہب، شخصی قانون اور مسلمانوں کے خیراتی ادارات کے تحفظ اور ترقی اور سرکاری امداد میں انکے مناسب حصے کیلئے مناسب تحفظات شامل کئے جائیں۔

تحفظات کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہے حتیٰ کہ نہرو رپورٹ اور سائمن کمیشن نے بھی اس مسئلہ کو نظر انداز نہیں کیا البتہ دونوں نے واقعی ضروریات کو توڑ مروڑ کر بالکل مبہم اور بے نتیجہ شکل میں تبدیل کر دیا ہے نہرو رپورٹ نے مجالس فرقی کے مسئلہ پر غور کیا، لیکن انکے بروے کار لانے کی تجویز کو مسترد کر دیا اور ہندوستانی زبان کو تو ملک کی مشترکہ زبان بنانے پر زور دیا لیکن رسم الخط کے مسئلہ کو نہایت چالاکی سے گول کر دیا دوسری طرف سائمن کمیشن نے یہ رائے دی کہ "اس معاملہ میں تحفظ کی بہترین شکل یہ ہے کہ گورنر جنرل اور گورنران صوبہ کو اس معاملہ میں بروے کار لانیکے لئے امتیازی اختیارات دیدیئے جاویں" لیکن اسی سائمن کمیشن نے ایک دوسری جگہ اینگلو انڈین طبقہ کے ایسے ہی مطالبہ کو اس سے

زیادہ وزن دیا ہے اور اس مقصد کیلئے ایک خاص بورڈ کی تشکیل کی سفارش کی ہے۔

سرچمن لال سیتلواد نے راونڈ ٹیبل کانفرنس کے مائنارٹیز کمیٹی میں ایک یادداشت بھیجی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ :-

"اصل معاملہ میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ اقلیتوں کے لئے کامل مذہبی آزادی اور تمدن و دستور کی حفاظت کی ضمانت کیلئے مناسب تحفظات معین کرنیکی ضرورت ہے اور ایسے قوانین کی ضرورت ہے کہ انکے مذہب وغیرہ کیخلاف کوئی قانون نہ بن سکے۔

انگلستان میں جو معاہدہ اقلیتوں کے مابین ہوا تھا۔ اس میں بھی ایک دفعہ بالفاظ ذیل موجود ہے :-

"آئین میں قلیل التعداد اقوام کے مذہب تمدن اور دستور کے تحفظ اور تعلیم زبان اور خیراتی اوقاف کی ترقی اور سرکاری اور بورڈ کی امداد میں ان کے مناسب حصہ کے لئے مناسب تحفظات ضروری ہیں۔"

لیکن مجھے افسوس ہے کہ جو مطالبہ اس شدومد کے ساتھ پیش کیا گیا اور جس کی اسطرح ہر چہار طرف تائید ہوئی اس پر قرطاس ابیض میں اتنی توجہ نہیں کی گئی جتنی چاہیئے تھی، اور ہم مسلمانوں کو اس پر مسلسل اصرار کرنے اور اس کے حصول کے لئے پوری قوت صرف کرنے کی ضرورت ہے"

ملازمتیں

مسلمانوں کا ایک اور مطالبہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے متذکرہ صدر ریزولیوشن کے الفاظ میں حسب ذیل ہے :-

"انتظام ہندوستان کے مفاد کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ دستور اساسی میں ایسا بندوبست کیا جائے جسکی رو سے سرکاری اور آئینی خودمختار مجالس کی ملازمتوں میں اہلیت کے واجبات کا مناسب لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو دیگر ہندوستانیوں کے ساتھ مناسب حصہ دیا جائے"

لندن میں اقلیتوں کا جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس میں اس مطالبہ کو بشکل ذیل تسلیم کیا گیا تھا :-

"ہر صوبہ میں اور نیز مرکزی حکومت کے ساتھ ایک پبلک سروسز کمیشن کا تقرر کیا جائے، اور سرکاری ملازمتوں پر تقرر بجز ان صورتوں کے جہاں یہ تقرر گورنر جنرل یا گورنر کی نامزدگی پر منحصر ہو،

اسی کمیشن کے توسط سے ہو۔ اور اس طرح ہو کہ مختلف اقوام کے افراد صحیح مناسب تعداد میں استعداد وغیرہ کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے لیے جائیں۔

سائمن کمیشن اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس اور قرطاس ابیض میں دیگر مطالبات کی طرح اس مطالبہ کے ساتھ سلوک نہیں کیا گیا۔ اور قرطاس ابیض میں کچھ دفعات ایسی ہیں جن سے مسلمانوں کو اس معاملہ میں تھوڑا بہت تحفظ مل جاتا ہے لیکن ان دفعات کے الفاظ ایسے مبہم ہیں کہ ان پر نظر رکھنے کیلئے ایک سرکاری ادارہ کی ضرورت ہے جو کمیشن مذکور اور مختلف سرکاری محکموں کی سرگرمیوں کی پڑتال کرتا رہے اور یہ اس کانفرنس کا کام ہے کہ اس قسم کی کوئی جماعت بنا دے۔

وزارتیں

اس کے علاوہ صوبجاتی اور مرکزی ایوانہائے وزارت میں مناسب نمائندگی کا مطالبہ ہے جو آل انڈیا مسلم کانفرنس کی قرارداد کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

"مذکورالصدر مقاصد کیلئے یہ ضروری ہے کہ مرکزی اور صوبجاتی وزارتوں میں مسلمانوں کو ان کا واجبی حصہ حاصل ہو۔"

لنڈن کے معاہدہ اقلیتات میں اس مطالبہ کو بشکل ذیل تسلیم کیا گیا تھا۔

"مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں میں ایوانہائے وزارت کی ترتیب کے وقت حتی الامکان مسلمانوں اور دیگر کافی تعداد رکھنے والے قلیل التعداد اقوام کے افراد کو شامل کرنے کی شرط آئین میں شامل ہونی چاہیئے۔"

انڈین سنٹرل کمیٹی نے مسلمانوں کی اس خواہش کو توقرین فطرت سمجھا اور نہرو رپورٹ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ایک وزیر اعظم کا تقرر اس مسئلہ کو حل کریگا اسلئے کہ وزیر اعظم دیگر اقوام کی خواہشات پر نظر رکھنے کیلئے مجبور ہو گا سائمن کمیشن نے بھی اس قسم کی تجویز پیش کی جیسی نہرو رپورٹ میں ہے۔ لیکن قرطاس ابیض میں ذرا آگے قدم بڑھایا گیا۔ اور حسب ذیل دفعہ رکھی گئی دستاویز ہدایات میں گورنر پر اس قسم کی پابندی عاید کی جائے گی کہ وہ اپنے وزرار کے تقرر میں اس بات کی پوری کوشش کریں کہ جو شخص ان کی نظر میں مجلس قانون ساز میں سب سے اثر زیادہ رکھتا ہو اسکے مشورہ سے ایسے افراد کا تقرر کریں (جمیں حتی الامکان قلیل التعداد اقوام کے نمائندے

بھی شامل ہوں) جو سب ملکر مجلس قانون ساز کا اعتماد حاصل کرسکیں ۔

یہاں بھی مطالبہ کو ایسی مبہم شکل میں تسلیم کیا گیا ہے کہ اسمیں کافی دیکھ بھال اور خبرداری کی ضرورت ہے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اس تحفظ کو جزو آئین بنایا جائے اور ہمیں اس کے لئے مسلسل اور اپنی پوری قوت کے ساتھ کوشش کرنا ہے

دیگر تحفظات

یہ اور انکے علاوہ بہت سے دیگر مسائل ہیں جنمیں تحفظات کی ضرورت پر اس جلسہ میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا بہت سے مسائل کا میں نے ذکر نہیں کیا ہے مثلاً ایک یہ مسئلہ کہ اکثریت کوئی ایسا قانون نہ بنائے جسکا اقلیت کے مذہب پر اثر پڑے اور اسکے علاوہ اور بہت سی باتیں جنکے متعلق مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے اور ان مسائل کے متعلق ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہونا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمام حالات پر منصفانہ نظر ڈالنے سے آپکو یقین ہوجائیگا کہ آج جو کانفرنس یہاں مجتمع ہے اسے زیادہ دنوں تک ملتوی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اب ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہماری کوششوں کو کامیاب فرمائے اور ہماری مباحث کا یہ نتیجہ نکلے کہ ہم یہاں سے ایک متحدہ جماعت بنکر اٹھیں، جسکا ہر فرد دوسرے کے دوش بدوش میدان عمل میں اتر آئے اور اس سے مسلمانان ہند کے اتحاد و استحکام میں ایک نئی جان پڑجائے تاکہ بالآخر ہم سارے ہندوستان کو ایک قومی رشتہ میں منسلک کرکے متحدہ قومیت ہند کی مضبوط بنیاد رکھ سکیں ۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں داخلہ کونسل کے متعلق رانچی اور پٹنہ میں کانگریس نے غور کرنے کے لئے جلسے کئے اور بمبئی میں قرطاس ابیض اور کمیونل اوارڈ پر پالیسی کا اظہار کیا گیا جس میں اقلیتوں کے مفاد کا تحفظ بطور اصول تسلیم ہوا اور صاف طور پر طے ہوگیا کہ کانگریس اسوقت تک کمیونل اوارڈ کو نہ رد ہی کرسکتی ہے اور نہ منظور ہی کرسکتی ہے جبتک اختلاف رائے قائم ہے۔ پنڈت مالویہ اور مسٹر اینے کانگریس کے اس رویہ سے سخت بیزار تھے اور بالآخر وہ کانگریس کے پارلیمنٹری بورڈ اور ورکنگ کمیٹی دونوں سے مستعفی ہوگئے بنگال کے کانگریسی بھی مخالف تھے انکو پونہ پیکٹ (اچھوتوں کے متعلق جو گاندھی جی نے کیا تھا) بھی پسند نہ تھا۔ پنڈت مالویہ[لہ] اور مسٹر اینے نے اگست میں ممبران

لہ پنڈت مالویہ جی نے سنہ ۱۹۳۲ء میں بھی اختلاف کیا تھا اور کانگریس نے مہاسبھائی طاقت سے مرعوب ہوکر

کانگریس اور دیگر لوگوں کی ایک کانفرنس مدعو کی جس نے قرطاس ابیض اور کمیونل ایوارڈ کے خلاف کونسلوں میں اور انکے باہر ایجی ٹیشن کرنے کیلئے ایک پارٹی قائم کی اور ورکنگ کمیٹی کو بھی مجبور کیا کہ اپنی قرارداد پر نظرثانی کرنے کیلئے آل انڈیا کانگریس کا جلسہ طلب کرے لیکن ورکنگ کمیٹی نے غور و بحث کے بعد اپنے عمل کی مناسبت میں کوئی شک نہ پایا۔"

باب ہشتم

فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق بظاہر ایک حد تک مطلع صاف تھا۔ ۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے **مسٹر جناح** مسلم ممبروں کے قائد تھے اور سب کا نصب العین ملک کی ترقی و فلاح اور آزادی تھا چنانچہ مسٹر جناح نے کانگریس پارٹی کے ساتھ حکومت کو پے در پے شکستیں دیں ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو گول میز کانفرنس کی جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ اسمبلی کے سیشن میں پیش ہوئی۔ مسٹر ڈیسائی مخالف پارٹی کے لیڈر نے اسکو ختم یا مسترد کئے جانے کی تحریک پیش کرتے ہوئے کمیونل ایوارڈ کی بابت غیر جانبدارانہ رویہ رکھا۔ **مسٹر جناح** نے کمیونل ایوارڈ کو تسلیم کئے جانے کے متعلق ترمیم پیش کرتے ہوئے کہا کہ :۔

"میری ترمیم ہے کہ جب تک ———— حضرات! میری شرط کے تعینات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے) ———— "ہم آپس میں ملکر کوئی معقول اور اعلیٰ لائحہ عمل پیش نہ کرسکیں اس وقت تک فرقہ وارانہ حل تسلیم کرلینا چاہیئے۔ حضرات میرے ہندو دوست فرقہ وارانہ حل سے مطمئن نہیں ہیں۔ بیشک میں خود بھی نہیں ہوں۔ اور یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں ہرگز نہیں ہیں!! کیونکہ یہ حل مسلمانوں کے درد کا پورا علاج نہیں ہے۔ اور انکے مطالبات کو بکمال ضرورت پورا نہیں کرتا۔ حضرات میں بھی اس حل سے اپنے عدم اطمینان کا یقین دلاتا ہوں اور اگر میری انفرادی رائے دریافت کی جائے تو عرض کروں گا کہ ذاتی طور پر میں اس کو خودداری کے خلاف سمجھتا ہوں کہ غیر

(بقیہ نوٹ ص ۱۲۴)

اپنے طرز عمل اور نظریہ میں تبدیلی کی تھی۔

قوم کے مسلط کردہ حل کو قبول کریں مجھے اُس وقت تک رُوحانی اطمینان نہ ہوگا جب تک ہندوستان کی متعلقہ اقوام فرقہ وارانہ معاملات کے متعلق کوئی معقول حل خود ہی تجویز نہ کرلیں گی۔ ہم کو خود اپنا حل پیش کرنا چاہیئے . . . .

میں نے اسوقت تک آپ حضرات کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہے، اس کا مقصد یہ نہیں ہے۔ کہ آنکھ بند کرکے اسے قبول کرلیں۔ اصل میں یہ بات ہے کہ آپ کو خود غور کرنے سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ میں نے جو کچھ رائے قائم کی ہے وہ درست ہے میں فرقہ وارانہ حل کو کس لئے قبول کرتا ہوں۔ زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا اور نہ ماضی کی تاریخ پر تفصیلی بحث کرکے ایوان کا زیادہ وقت لینا چاہتا ہوں میں صرف اس چیز کو آپکے سامنے لانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی مختلف اقوام، اور فرقوں نے بہت بڑی حد تک باہمی سمجھوتہ کی کوشش کی لیکن افسوس کہ ہم کسی معقول نتیجہ پر نہ پہونچ سکے خواہ میں اس حل کو قابل تسلیم سمجھتا ہوں لیکن اسوقت یہ ماننے اور ظاہر کرنے کیلئے مجبور ہوں کہ فرقہ وارانہ برطانوی حل کے بغیر (ایسی حالت میں جسکا اوپر ذکر کیا گیا) کوئی دستوری اسکیم عملی طور پر کامیاب نہیں بنائی جاسکتی ۔"

حضرات اس حل کو کسی طرح بھی ہم مسترد نہیں کرسکتے اور اس حالت میں اس کو نامنظور کرنیکا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم بالکل مجبور سے ہوگئے ہیں۔ میں مخالف پارٹی کے لیڈر کے جذبات وخیالات کی پوری حمایت کرتا ہوں، بیشک یہ درست ہے کہ سیاسیات میں مذہب کو دخیل نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اسے دخیل ہونے دینا چاہیئے اسی طرح نسل کو بھی سیاسیات پر حاوی نہ ہونے دینا چاہیئے۔ گو زبان کا مسئلہ اسقدر زیادہ وسیع نہیں ہے . . . .

میں یہ جانتا ہوں کہ مذہب کو سیاسیات پر دخیل وحاوی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مذہب کا معاملہ انسان کا اور خدا کا براہ راست تعلق ہوتا ہے اس سے ہمیں سروکار نہیں

بے شک میں مخالف لیڈر سے اسبات میں متفق ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ صرف مذہبی مسئلہ ہے کیا یہ صرف نسلوں کی آویزش کا معاملہ ہے کیا یہ صرف زبان کے اختلاف پر ہی مشتمل ہے یا نہیں۔ ہندوستان کی اقلیتوں کا مسئلہ قطعی طور پر ایک سیاسی مسئلہ ہے . . . .

بہرحال حضرات یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے دوسرے ممالک میں بھی اس قسم کا مسئلہ موجود ہے

یا نہیں ؟ بیشک ہے ۔ ہر ملک میں اقلیتوں کا مسئلہ موجود ہے ۔ اور وہاں کے لوگ بہادری کے ساتھ ان روح فرسا حالات کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ جن کا اس مسئلہ یا اُس کے متعلقات سے تعلق ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بھی جرأت کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ نہ کریں ۔ اور تمام دقتوں کے خلاف جہاد نہ کریں جب دوسرے ممالک اقلیتوں کے مشکل مسئلہ کو طے کر سکتے ہیں ، تو کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے فرقے مایوس ہو جائیں اور اسکو حل نہ کر سکیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اقلیت بجائے خود ایک دنیا ہوتی ہے ریاست (اسٹیٹ) میں اقلیت ایک منفرد حالت میں بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے ۔ اس کا خیال ، تصور ، تمدن ، زبان ، مذہب ، نسل ، رنگ ، آرٹ ادب غرض ہر چیز دوسری اقلیت یا دوسرے فرقہ سے متفوق ہوتی ہے ، لیکن باوجود وہ ایک ریاست کا جزو لاینفک ہوتی ہے ۔ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ اس فرقہ کے سیاسی اور بنیادی حقوق کو عملی طور پر کس طرح قبول کیا جائے فرقوں کا مسئلہ قطعی طور پر سیاسی حفاظت اور ترقی کا مسئلہ ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہمیں اس مسئلہ کو حل کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے ۔ بلکہ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے اس کا صحیح و معقول حل تلاش کرنا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میرے معزز دوست لیڈر مخالف پارٹی نے اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے ہمیں حقوق مل کر حاصل کر لینے چاہئیں ۔ اس کے بعد تقسیم کا معاملہ ہوتا رہے گا ۔

۔ ۔

میں نہایت ادب کے ساتھ اس اصول کو منطقی و بنیادی طور پر غلط سمجھتا ہوں ۔ اصل میں اقلیتوں کے مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے ۔ پہلے حقوق طلبی و حصول حقوق پر عمل کیا جائے اور تقسیم حقوق کو مستقبل کیلئے ملتوی کر دیا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کوئی جاگیر نہیں ہے کہ پہلے حاصل کیجائیگی ۔ اور بعد میں اسکی حصہ بخرہ ہوگی نہ یہ کوئی لوٹ کا مال ہے کہ بعد میں برابر کے حصے بانٹے جائینگے اگر یہ بات ہے تو گاندھی جی نے اچھوتوں کے معاملہ کیلئے کیوں فاقہ مرگی شروع کی تھی اور حصول حقوق سے پہلے تعین حقوق کے مسئلہ کو کیوں فوقیت

دی تھی ....

حضرات صحیح طریقہ یہی ہے۔ جو گاندھی جی نے اختیار کیا، اور میں بھی اس پر زور دینا چاہتا ہوں۔ بیشک گاندھی جی نے ٹھیک کیا۔ انہیں معلوم تھا۔ کہ اچھوت اور پسماندہ اقوام ہندوؤں کا پچاس فیصدی حصہ ہیں۔ اور انکو راضی کئے بغیر سیاسی اقتدار ہندو قوم سے علیحدہ کرنا نہ چاہا۔ اور کسی نہ کسی طرح ان سے معاملہ کر ہی لیا۔ میں نے انگلستان میں ان سے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو گاندھی جی نے جواب دیا کہ میں اچھوتوں کو ہندو قوم سے علیحدہ حقوق دلوانا نہیں چاہتا ورنہ وہ عام ہندوؤں سے الگ ہو جائینگے اور ہندو قوم انتشار اور سیاسی افتراق کا شکار ہو جائیگی۔ لہذا میں پہلے ان ہی سے فیصلہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ گروہ ہندو جتھے سے باہر نہ نکلنے پائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

میں ہندو دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اچھوتوں کو اپنے حقوق میں شریک بنا کر انکو اپنا سیاسی حلیف بنا لیا میں اسی اسپرٹ کو اپنے لئے بھی دیکھنا چاہتا ہوں پس آپ ہمارے ساتھ بھی اسی طرح کا انصاف کیجئے میرا ہاتھ دوستی کیلئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ آیئے اور یہی اسپرٹ دکھایئے دوسروں سے لڑنے کے بجائے ہم خود کیوں نہ کسی معاہدہ پر متفق ہو جائیں میں اسوقت فرقہ وارانہ حل کی بابت ان الفاظ سے زیادہ کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا۔"

اس تقریر کے بعد جس میں پوری رپورٹ پر مخالفانہ بحث تھی ترمیم منظور ہو گئی اور فرقہ وارانہ حل قطعی طور پر مستند ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اور بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس دونوں ایک فرقہ وارانہ حل کی تدبیر میں سرگرم تھے اور دونوں نے ایک فارمولا بھی مرتب کر لیا تھا مگر بنگالی کانگریسیوں نے جو اسمبلی کے موقعہ پر موجود تھے شدید اختلاف کیا اور بالآخر دونوں کو اعلان کرنا پڑا کہ "فرقہ وارانہ مسئلہ کو طے کرنے کیلئے ہمنے نہایت ہی دیانت دارانہ کوشش کی کہ اس سے فریقین مطمئن ہو سکیں، ہمیں افسوس ہے کہ ہم باوجود اپنی انتہائی جدوجہد کے اس قسم کا کوئی حل تلاش نہ کر سکے۔ ہم اسے محسوس کرتے ہیں۔ کہ ملک کی ترقی کے لئے فرقہ وارانہ یکجہتی و اتحاد نہایت ضروری ہے اور ہم صرف یہی امید کر سکتے ہیں کہ حالات جب خود سازگار ہونگے۔ تو آئندہ زیادہ نتیجہ خیز کوشش کا نتیجہ مل سکیگا۔"

اسمبلی کے فیصلہ کے بعد اگرچہ کمیونل اوارڈ ایک طے شدہ مسئلہ ہو گیا تھا اور جب تک کہ دوسرا

حل متحدہ طور پر نہ ہوا تھا آئے اب کسی اختلاف و احتجاج کی گنجائش نہ تھی پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی اپنے صدارتی ایڈریس کانگریس منعقدہ لکھنؤ اپریل ۱۹۳۶ء میں فرقہ وارانہ فیصلہ کی بہت کچھ منطقی مذمت کے باوجود یہ کہنا ناگزیر ہوگیا کہ "اگر ہمیں جمہوریت کے اصولوں پر عمل کرنا ہے تو ہمیں مجوزہ فرقہ وارانہ تقسیم کا خاتمہ کرنا پڑیگا اور میرا خیال ہے کہ اسکا خاتمہ ہو کر رہیگا لیکن فرقہ وار فیصلہ کا خاتمہ اس جارحانہ طرز عمل سے نہیں ہو سکیگا جو اسکے مخالفوں نے اختیار کر رکھا ہے اس قسم کی سرگرمیاں اس فیصلہ کو زیادہ مستحکم کردینگی کیونکہ اسطرح کی صورت حالات ٹھنڈے دل سے غور کرنیکی مہلت نہیں دیتی۔

فرقہ وار فیصلہ کے متعلق کانگریس نے جو حکمت عملی گذشتہ ایام میں اختیار کر رکھی تھی مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا لیکن اسکے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اس حکمت عملی کی بنیاد خالص جذبہ پر تھی کانگریس نے ہمیشہ آزادی کے مسئلہ کو مقدم سمجھا ہے اور دوسرے مسائل کو جنہیں فرقہ وار معاملات بھی شامل ہیں اسنے ہمیشہ ثانوی حیثیت دی ہے۔

اکثریت کو اقلیتوں کے شکوک اور خطرات کو دور کرنے کیلئے فیاضی سے کام لینا چاہیئے خواہ اس فیاضی میں تھوڑی بہت غیر معقولیت ہی کیوں نہ ہو فرقہ وار فیصلہ کے متعلق کانگریس کی حکمت عملی کیلئے یہ جواز کافی ہے۔"

اگست ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بھی جو منشور شائع کیا اور اس میں فرقہ وارانہ فیصلہ کے متعلق جو بحث کی اس میں باوجود اس فیصلہ کی انتہائی برائی کے تسلیم کیا گیا کہ ملک کے خاص خاص فرقے ہی باہمی افہام تفہیم سے فرقہ وارانہ مسائل کا قابل اطمینان حل تلاش کر سکتے ہیں۔

مگر مختلف اطراف میں احتجاج کی قوت سے اسکو مسترد کرانیکی کوششیں شروع ہوگئیں۔ بنگالی ہندوؤں نے وزیر ہند کے پاس میموریل بھیجا اور پھر پنجاب میں احتجاجی کارروائیاں ہوئیں پنڈت جواہر لال نہرو نے بمقام بنارس اس ایجی ٹیشن پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور بنگال کی مہم کا بیڑہ جب بنگال پراونشل کانگریس کمیٹی نے اٹھایا تو صدر کانگریس نے اس کے سکریٹری مسٹر سرت چندر بوس سے جواب طلب کیا کہ پراونشل کانگریس کمیٹی نے اس اہم معاملہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے تجویز کردہ راستہ سے مختلف راستہ اختیار کرنے کا کیوں فیصلہ کیا۔ مسٹر سرت چندر بوس نے ایک نہایت طولانی جواب لکھا جس میں اپنے فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ کانگریس کے مینی فسٹو میں یہ بات

واضح کر دیگئی ہے کہ کانگریس کی جانب سے نئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو کلیتہً "نامنظور کرنے میں کمیونل اوارڈ کی نامنظوری بھی شامل ہے۔ ایکٹ کے علاوہ بھی کمیونل اوارڈ قطعی طور پر ناقابل منظوری ہے ۔
بنگال کے کانگریس مین اور کانگریس خیال کے آدمی محسوس کرتے ہیں کہ نئے آئین کو مسترد کرانے کے لئے ایجی ٹیشن کرنا اور کمیونل اوارڈ کو مسترد کرانے کیلئے نہ کرنا منطقی طور پر ایک ساتھ نہیں چل سکتے ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہماری یہ رائے ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کو متفقہ طور پر طے کرنے کیلئے کانگریس کیجانب سے تمام ملک میں کمیونل اوارڈ کے خلاف ایجی ٹیشن نہایت ضروری ہے ۔

اسی سلسلہ میں بابو جگت نرائن لعل پریسڈنٹ بہار نیشنلسٹ پارٹی نے بھی صدر کانگریس کو ایک خط تحریر کیا تھا۔ مگر اب ان کے خیالات میں بھی تغیر شروع ہوا اور جواب میں انہوں نے تسلیم کیا کہ کمیونل اوارڈ جیسے اہم معاملہ کانگریس غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔ اور کانگریسی ممبر اوارڈ کی مخالفت میں ووٹ دینگے ۔ کانگریس اس معاملہ میں غیر جانب دار یا بے لوث رویہ اختیار نہیں کر سکتی ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ پھر وہ ابتدائی غور و خوض کا موضوع حصول آزادی کے مسئلہ کو قرار دیتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایسی حالت میں جبکہ مختلف وجوہات کی بنا پر کمیونل اوارڈ کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا موافق نہ آئے تو اسکے خلاف خاص ایجی ٹیشن کرنے سے بڑے مقصد کو نقصان پہونچیگا کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ہم درحقیقت نئے آئین یا یوں کہیئے کہ برطانی ملوکیت پرستی کے اندر تبدیلیاں چاہتے ہیں دوم ایجی ٹیشن کا دارومدار اندرونی صورت حالات پر ہے ممکن ہے کہ کمیونل اوارڈ کے حق میں مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کے مقابلہ سے کمیونل اوارڈ کو قائم رکھنے کے حق میں صورت حالات پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ حکومت برطانیہ ہمارے تصادم سے ضرور فائدہ اٹھائیگی یہی وجہ ہے کانگریس یکطرفہ ایجی ٹیشن پسند نہیں کرتی وہ آزادی کی بنا پر ایسی صورت حالات پیدا کرنا چاہتی ہے۔ جو کہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں امداد پہنچائے اس کے یہ معنی نہیں کہ مختلف فرقوں کے تمام فرقہ پرست لیڈر آپس میں سمجھوتہ کرلیں گے بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ سیاسی آزادی اور اقتصادی مسائل کو اہم سمجھتے ہیں وہ فرقہ وارانہ فیصلہ کو اسکی صحیح شکل میں دیکھ سکیں گے اور اسکے خلاف ایجی ٹیشن کرنے میں اشتراک عمل کر سکینگے سردست کانگریس کا یہ خیال ہے کہ مذکورہ بالا دونوں وجوہ کی بنا

ہم یہ امر غیر پسندیدہ ہے کہ کمیونل اوارڈ کی طرف خاص توجہ مبذول کیجائے اگرچہ بلاشبہ اسکی ناپسندیگی اور مخالفت کا اعلان ہوجانا چاہیئے۔ جیساکہ انتخابی منشور میں کیاگیا ہے اور ہم میں سے بہتوں نے انفرادی حیثیت سے یہی کیاہے "

مسٹر سرت چندر بوس نے پورے عزم کے ساتھ اس ایجی ٹیشن کو بنگال سے پنجاب میں منتقل کیا۔ انہوں نے کئی جگہ سخت تقریریں کیں اور آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے نوجوان طلبا کو اس مقصد کی غرض سے ایجی ٹیشن کرنے کے لئے انھوں نے کہا کہ میں نوجوانوں کی اعانت سے فرقہ وارانہ فیصلہ اور جدید دستور سے ملک کو نجات دلانا چاہتا ہوں فرقہ وارانہ فیصلہ میں تمام اقوام کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے اور اس سے ہندوستانی قوم میں نفاق و شقاق پھیلا دیا گیا ہے فرقہ وارانہ فیصلہ اور جدید دستور کیخلاف جنگ شروع کرنیمیں ملک نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی امداد چاہتا ہے کیونکہ یہ صرف نوجوان ہی ہیں جو فرقہ پرستی میں وسیع النظر ہیں جو کوئی ذاتی غرض نہیں رکھتے اور انکے پاس لوٹ مار کرکے فائدہ حاصل کرنے کی کوئی اسکیم بھی نہیں۔

دسمبر ۱۹۳۵ء میں مہاسبھا نے زیر صدارت پنڈت مالویہ رزولیوشن پاس کیا۔ کہ کونسلوں اور اسمبلی میں وہی ہندو منتخب کئے جائیں جو ہندو جاتی کے تحفظ حقوق کا جذبہ دل میں رکھتے ہوں اور صرف یہ احد مقصد پیش نظر ہو کہ ہندو جاتی کے حقوق کا تحفظ کیا جائے بھائی پرمانند نے یہ چیلنج کیا کہ "ہندوستان ہندوؤں کا وطن ہے، مسلمان، عیسائی اور دوسری قومیں جو ہندوستان میں آباد ہیں وہ بطور مہمان ہیں اور اسی وقت تک رہ سکتے ہیں جبتک کہ وہ مہمان کی حیثیت سے رہیں"۔

اردو ہندی کا سوال تو اور بھی زور پکڑ گیا حتیٰ کہ مسٹر گاندھی نے اپنی پوری طاقت ہندی کے عروج اور اردو کی مخالفت پر مبذول کردی اور جابجا جلسوں میں اس کو مٹانیکی قراردادیں پاس ہوئیں چنانچہ نومبر ۱۹۳۶ء میں لاہور میں آریہ سماج کانفرنس کے جلسہ میں کہا گیا کہ اردو ایک بدیشی زبان ہے اور ہماری غلامی کی یادگار ہے اس زبان کو صفحہ ہستی سے مٹادینا چاہیے۔ اردو نے جو ملیچھوں کی زبان ہے ہندوستان میں رواج پاکر ہمارے قومی مقاصد کو سخت نقصان پہونچایا ہے "

کمیونل اوارڈ کی نسبت اس جذبہ و احتجاج کے بالمقابل غیر مسلم سیاسین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس کا حامی ہے چنانچہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں بمبئی کے مسلم طلبا کی یونین میں سر چمن لال ستیلواڈ نے تقریر کرتے ہوئے صاف لفظوں میں کہا کہ جبتک اقلیت رکھنے والی اور اکثریت رکھنے والی اقوام میں

اس وقت تک جداگانہ انتخاب کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہتی۔ اس جلسہ کے صدر سر کاؤس جی جہانگیر تھے۔ انہوں نے بھی کہا کہ کانگریس جداگانہ انتخاب کو صرف اس صورت میں ختم کراسکتی ہے کہ وہ اقلیتوں پر اعتماد حاصل کرے۔"

بنگال میں کمیونل اوارڈ کے منسوخ کرانے کی جو زبردست تحریک شروع ہوئی۔ اس کا ذکر کیا جاچکا ہے، لیکن اس سلسلہ میں یہ امر اور قابل بیان ہے کہ دسمبر ۱۹۳۶ء میں جب وائسرائے ہند کلکتہ گئے تو برٹش انڈیا ایسوسی ایشن نے ایک ایڈریس پیش کیا اور اس میں بنگال کے متعلق فرقہ وارانہ فیصلہ کی تنسیخ پر زور دیا گیا مگر وائسرائے نے صاف اور واضح جواب دیدیا کہ یہ فیصلہ اس وقت تک اٹل ہے جب تک پارلیمنٹ تبدیل نہ کرے یا دونوں فرقے از خود تبدیلی پر مائل نہوں۔

اس کے بعد بعض ہندو مسلم زعماء میں صوبہ بنگال کے متعلق ایک معقول سمجھوتہ ہوا جس میں دس سال تک کمیونل اوارڈ کو بشرطیکہ باہمی معاہدہ سے ترمیم و تنسیخ نہ ہو قائم رہنے کی بھی شرط تھی لیکن دوسرے اطراف سے ہندوؤں نے شدید مخالفت کی اور یہ سمجھوتہ کالعدم ہو گیا۔

اس معاہدہ کے متعلق ڈاکٹر راؤ کملا مکرجی نے جو بنگال اینٹی کمیونل اوارڈ کمیٹی کے سکریٹری تھے کہا کہ یہ سمجھوتہ اس کمیونل اوارڈ کے خلاف تحریک کا نتیجہ ہے جو گذشتہ اپریل میں بنگال کی ہندو قلیت کیجانب سے وزیر ہند کو میموریل بھیجنے کی بنا پر شروع کی گئی تھی۔ میموریل پر مہاراج بردوان ڈاکٹر ٹیگور سر پی، سی، رائے۔ مسٹر جے، این باسو سر ان رتن سرکار کے دستخط تھے یہ میموریل ایک بڑے جلسہ میں منظور ہوا، جسکے صدر ڈاکٹر ٹیگور تھے اسی جلسہ میں ایک اینٹی اوارڈ کمیٹی مقرر ہوئی۔ نیز مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ جسنے متعدد اجلاس منعقد کئے۔ اور اس کی کوششوں سے سمجھوتہ ہوا۔ سمجھوتہ کے ذریعہ سے بنگال کے ہندوؤں کو ایگزیکٹیو کونسل اور ایڈمنسٹریشن میں وہ پوزیشن حاصل ہوجائے گی، جس کو نئے آئین میں انہیں دینے سے انکار کر دیا گیا۔

امید ہے کہ مجلس آئین ساز میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان برابر نشستیں تقسیم کرکے مستقبل قریب میں سمجھوتہ کے اصول کو پبلک لیجر تک توسیع کردیجائیگی اور اس طریقہ پر مکمل فرقہ وارانہ حل ہوجائیگا۔ بنگال کے ہندو اور مسلمان فرقہ وارانہ اختلافات مٹاکر یہ قوم پرستی کا گڈھ بنائیگی

کوشش کر رہے ہیں۔

یہ عجیب بات ظاہر ہوئی کہ ایک حصہ بنگال میں ہی ایسے عمدہ حل کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور پنجاب کے اخبارات نے اس کے خلاف زہر فشانی شروع کر دی۔

بنگال کے متعلق یہی شرائط ۱۹۳۲ء کی جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی میں بھی پیش ہوئے تھے۔ جن کو ہندو مسلم لیڈروں نے منظور کر لیا تھا لیکن اور ہندوؤں کے احتجاج سے مسترد ہو گئے۔

اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اس کے صدر **سر وزیر حسن** تھے۔ انہوں نے جدید آئین کے نقائص پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ :-

سر وزیر حسن صدر مسلم لیگ
اپریل ۱۹۳۶ء

میں کمیونل اوارڈ کے متعلق کانگریس کی غیر جانبدارانہ روش پر رنج اور افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کانگریس کی اس روش کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پنڈت مالویہ نے "نیشنلسٹ پارٹی" کے نام سے ایک نئی جماعت جو کمیونل اوارڈ کی مخالف تھی، کانگریس سے علیحدہ قائم کی مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کانگریس غلامی کے اس جوئے کو جو ہندوستانیوں کے گلے میں غیر ملکی تسلط کیوجہ سے پڑا ہوا ہے اتار پھینکنے کے معاملہ میں مسلمانوں سے اشتراک عمل کے لئے تیار نہیں ہے۔ کانگریس اس طرز عمل سے اس ضرب المثل کی حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ جو آدمی ہر شخص کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے وہ کسی کو خوش نہیں کر سکتا ہے۔

جب ۱۹۲۷ء میں کانگریس نے مسٹر جناح کی اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ مشترکہ انتخابات کی اسکیم جو خاص شرائط کے تابع ہو منظور کیجائے تو یہ کانگریس کی ایک بڑی فروگذاشت تھی۔

میری رائے میں کانگریس کی اس پالیسی نے ہندوستان کیلئے حکومت خود اختیاری کے حصول کیلئے ایک متفقہ کوشش کے لائحہ عمل کو بروئے کار لانے میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ سیاسی مسائل فرقہ بازیوں سے کبھی حل نہیں ہو سکتے خواہ یہ فرقے ذہنی کرتب کے مظاہرے کیلئے کیسے ہی نفیس ہوں پنڈت مدن موہن مالویہ کے خلوص اور حب الوطنی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی ترقی کی راہ میں ان کی عظیم قربانیوں سے کون انکار کر سکتا ہے اور انکی عمر بھر کی قومی خدمات کے اعتراف میں

کون خراج تحسین پیش کرنیکی مخالفت کرسکتا ہے، لیکن میں اپنی اور آپ کیطرف سے پنڈت مالویہ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس نقطۂ خیال سے کہ فریقین کے درمیان تصفیہ ہوجائے اس پیچیدہ مسئلہ پر غور فرمائیں۔ پارلیمنٹ کے خلاف کوئی ہنگامہ آرائی نہ کیجائے۔ منشا یہ ہے کہ ہم کانسٹی ٹیوشن ایکٹ سے ان تمام دفعات کو خارج کرسکیں جنہیں کمیونل اوارڈ کہا جاتا ہے۔

میں دوسرے ہندو لیڈروں سے بھی اپیل کرتا ہوں جنکی نسبت ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے کہ وہ ہندوستان کے سیاسی مرتبہ کو بلند کرنے میں مخلص اور بے غرض کارکن ہیں۔

ہندوستان کی مرکزی اور صوبجاتی ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمایندگی کے متعلق مسلم کانفرنس نے جو قرارداد پاس کی ہے اس کے متعلق میں اس قابل تحقیر روش کے خلاف پُرزور الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں جو میرے ہندو بھائیوں نے اس مسئلہ کے متعلق اس انداز سے ظاہر کی ہے کہ ان کے نزدیک گویا یہ مسئلہ قابل توجہ ہی نہیں مسلمان اگر سرکاری ملازمتوں میں اپنے جائز حصہ پر زور دیتے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ ان کے دلمیں سرکاری عہدہ کے وقار اور عزت کے حصول کی تمنا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ ایک خالص اقتصادی مسئلہ ہے۔ عام بیکاری نے اور بالخصوص ملک کی تعلیمیافتہ جماعتوں کی بیکاری نے اس مسئلہ کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا ہے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس ملک میں سرکاری ملازمت معاش کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ کیا گورنمنٹ نے ملک کی تعلیمیافتہ جماعتوں کی اقتصادی مشکلات کے ازالہ کیلئے کوئی نئی راہ نکالی ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حکومت نے اسوقت تک بیکاری کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کوئی عملی کارروائی نہیں کی۔ بے کاری کے متعلق سپرو کمیٹی کی رپورٹ کا جو خیر مقدم صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے کیا ہے اس سے ہمارے قلوب میں اعتماد کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ سرکاری ملازمتوں کا مسئلہ ابھی تک تصفیہ طلب ہے اور ملک کے اعلےٰ مفاد اس امر کے متقاضی ہیں۔ کہ فریقین کے درمیان یہ مسئلہ ہمیشہ کیلئے طے ہوجائے۔

اسی اجلاس میں نئے دستور کے متعلق یہ رزولیوشن منظور ہوا کہ۔

یہ قرار دیا جاتا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ اس دستور کو جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں درج ہے باشندگان ہند پر ان کی مرضی کیخلاف اور انکی اس ناپسندیدگی اور اختلاف کے علی الرغم جو ملک کی مختلف پارٹیوں اور انجمنوں کی طرف سے کیا گیا۔ مسلط کرنے کے خلاف سخت احتجاج

کرتی ہے۔

لیگ کی یہ رائے ہے کہ ان حالات کے لحاظ سے جو ملک میں اس وقت پیدا ہیں دستور کی صوبجاتی اسکیم سے جتنا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ حاصل کیا جائے اور اس کے باوجود کہ اس میں بہت سی قابلِ اعتراض باتیں موجود ہیں جنکی وجہ سے گورنمنٹ اور محکمہ انتظام کی تمام تفصیلات میں حقیقی اختیار اور وزارت اور مجلس واضعانِ قانون کی ذمہ داری نے حقیقت رہجاتی ہے "

نیز یہ قرار پایا کہ "نئے دستور کے ماتحت جو پارلیمنٹری طرز حکومت اس ملک میں جاری کیا جا رہا ہے اس سے پہلے بطور امر واقعہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ملک میں ایسی پارٹیاں قائم ہیں جنکی ایک معین پالیسی اور اور پروگرام ہے اور جن کی وجہ سے جمہور انتخاب کنندگان کو سیاسی معاملات سے باخبر کرنا اور اس کی تعلیم دینا ایک حد تک آسان ہوگا اور ایسی پارٹیاں جنکے مقاصد و مطمح نظر متحد ہیں اس میں اشتراک عمل کریں گی۔ اور ازاں جا کہ مسلمانوں کی یکجہتی کو تقویت دینے کی غرض سے تاکہ وہ صوبوں کی حکومتوں میں اپنا مناسب و موثر حصہ حاصل کر سکیں یہ ضروری ہے کہ مسلمان ایک متحدہ پارٹی کی شکل میں اپنے کو منظم کریں۔ جسکا ایک ترقی پرور پروگرام ہو۔ یہ قرار دیا جاتا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ آیندہ انتخابات میں اپنے امیدواروں کو پیش کرے اور مسٹر **جناح** کو اختیار دیا جاتا ہے کہ ایک مرکزی بورڈ قائم کریں جس کے صدر خود صاحب ممدوح ہوں۔ اس بورڈ کے ممبر ۳۵ سے کم نہ ہونگے اور اس بورڈ کو اختیار ہوگا کہ صوبہ کے حالات کو مدنظر رکھکر صوبوں کے انتخابی بورڈ علیحدہ قائم کرے اور مرکزی بورڈ سے انہیں ملحق کرے اور تمام وہ ذرائع عمل میں لائے جو مقاصد بالا کے حقوق میں لازمی ہوں۔

چنانچہ اس فیصلہ پر عمل پیرا ہونے کیلئے جون ۱۹۳۶ء میں مرکز اور صوبوں میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم کئے گئے صوبہ متحدہ کے صدر پارلیمنٹری بورڈ نے اس سلسلہ میں ایک بیان شائع کیا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ۔

نیا دستور وہ اچھا ہے یا برا پارلیمنٹ سے منظور ہو چکا ہے اور فروری ۱۹۳۷ء میں اس دستور کیمطابق گورنمنٹ کی تشکیل کرنے کیلئے اسمبلیوں اور کونسلوں کے انتخابات ہو رہے ہیں مسلمانوں کے مطالبات میں سے صرف ایک مطالبہ کمیونل اوارڈ کیصورت میں صاف اور واضح ہو کر منظور ہوا ہے یعنی انتخاب جداگانہ اور نشستوں کا تعین۔ ہندو اسی کی مخالفت کر رہے ہیں محض اسی کی مخالفت کیلئے نیشنلسٹ

مدن موہن مالوی نے کانگریس نیشنلسٹ پارٹی قائم کی ہے۔ انہیں اس پر بھی صبر نہیں آیا کہ کانگریس نے اپنے غیر فرقہ وارانہ ہونے کے دعوے کو قائم رکھنے کیلئے نہ اوارڈ کو قبول کیا ہے اور نہ مسترد کیا ہے گو اوارڈ کو برا کہنے میں اس نے بھی کوئی کمی نہیں کی ہے مسلمانوں کو اسلامی کلچر، مذہب زبان، رسم الخط کے تحفظ کا کام ابھی اتنا ہی باقی ہے جتنا اس نئے دستور کی منظوری سے قبل تھا۔

لیگ نے اس پیچیدہ صورت حال پر بمبئی کے اجلاس میں اچھی طرح غور کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہونچی کہ جب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ امور کے متعلق کوئی قطعی سمجھوتہ نہ ہو جائے اسوقت تک اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ الیکشن کیلئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ پارٹی قائم ہو۔ مسلمانوں کو صرف مسلم پارٹی کی تنظیم کرنی چاہیئے اور تمام ہندوستان میں یہ صرف ایک ہی پارٹی ہو۔ البتہ مجالس واضعان قانون کے اندر جس غیر مسلم پارٹی کے اصول اور مقاصد کیمطابق ہوں گے اس کے ساتھ مسلم پارٹی تعاون کریگی اس معاملہ میں مسلمانوں کی بڑی خوش نصیبی یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی اس انتخابی مہم کے اہتمام و انصرام کا کام مسلمانوں کے محترم لیڈر مسٹر **محمد علی جناح** نے اپنے ذمہ لیا۔ مسٹر محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت شہرۂ آفاق ذہانت اور غیر معمولی جوش عمل سے مسلمان اچھی طرح واقف ہیں اور اسی لئے انپر پورا اعتماد رکھتے ہیں۔

اگر مسلمانوں کو اپنی گذشتہ ہفت سالہ کوششوں کے نتائج کو رائیگاں کر دینا نہیں ہے اور انہوں نے اپنے اس منصفانہ اور جمہوری نقطۂ نظر کو ترک نہیں کر دیا ہے کہ ہندوستان کی حکومت اور مجالس واضعان قانون میں تمام فرقوں کے درمیان صحیح توازن قوت پیدا ہو تو اس سے زیادہ دانشمندانہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا جس کو انہیں قبول کرنا چاہیئے ہم اپنے ہموطنوں کے ساتھ صوبہ کی عام مخلوق کی فلاح و قومی اختیار کی ترقی اور ہندوستان کے سیاسی مدارج کو بلند کرنے کے مقاصد میں پوری فراخ دلی اور جوش کے ساتھ تعاون کرینگے لیکن ہم اپنے اسلامی نقطۂ نظر کو ترک نہیں کرینگے۔ ہم اپنے اس پہلو کو کھلا ہوا نہیں چھوڑیں گے۔ جس پر کج فہمی سے ہمارے برادران وطن حملہ کو رہے ہیں"۔

اب چونکہ انتخابی مہم شروع ہونیوالی تھی اسلئے مسلم لیگ نے حسب ذیل انتخابی مینوفسٹو جاری کیا۔

(۱) مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت۔[ل]

(۲) تشدد آمیز قوانین کے تنسیخ کی سعی۔

(۳) ان تمام قوانین کی مخالفت جو ہندوستان کے مفاد کے لئے مضر ہوں۔ افراد کی آزادی پر اثر انداز ہوں یا ملک میں اقتصادی تصرفات کا دروازہ کھولیں۔

(۴) نظم ونسق کے خرچ کو کم کرکے معتد بہ قوم تعمیری ادارات پر صرف کرنا۔

(۵) ہندوستان کا فوجی خرچ گھٹانا اور فوج کو ہندوستانی بنانا۔

(۶) صنعتوں کو فروغ دینا۔

(۷) کرنسی مبادلہ اور قیمتوں کو ملک کے اقتصادی فائدے کے مطابق منظم کرنا۔

(۸) دیہاتی آبادی کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی فلاح کی کوشش کرنا۔

(۹) زراعتی قرضہ میں تخفیف کے لئے قوانین بنوانا۔

(۱۰) ابتدائی تعلیم کو عام اور لازمی بنانا۔

(۱۱) اردو زبان اور رسم الخط کی حفاظت کرنا

(۱۲) مسلمانوں کی حالت کو عمومی حیثیت سے بہتر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۱۳) محاصل کے بوجھ کو کم کرنا۔

(۱۴) ملک میں صحیح رائے عامہ اور عام سیاسی بیداری پیدا کرنا مسلم لیگ پارٹی مجالس آئین ساز میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کریگی اور اسکے پروگرام میں مسلم اقلیت کے مفاد کی حفاظت کے سوا اور کوئی فرقہ وارانہ بات نہ ہوگی

متذکرہ صدر پروگرام کے مطابق انتخابی مہم شروع کی گئی جمعیت العلماء نے بھی مسلم لیگ کی تائید کی،

مولانا حسین احمد مدنی نے بعض امیدواران ممبری کی تائید میں اعلانات شائع کئے چنانچہ

ل۔ اس تحفظ یعنی خالص مذہبی امور میں جمعیت العلماء اور مجتہدین کرام کی رائے کو خاص وقعت دی جانی تجویز ہوئی۔

ایک اعلان حلقہ شہری سہارنپور کے ایک امیدوار کی تائید میں شائع کیا۔ اس میں انہوں نے ایک تمہید کے بعد کہا کہ۔

اب تک ملک کی قانون ساز مجالس میں لوگ عموماً انفرادی طور پر جاتے رہے یہ اشخاص اپنے ذاتی رسوخ اور شخصی اثر مال وجاہت وغیرہ سے کامیاب ہوا کئے مگر ان میں نہ تو کوئی اجتماعی قوت تھی نہ انکی کوئی معین محدود پالیسی تھی، نہ کوئی منظم دستور العمل یا مینوفسٹو تھا، مجالس میں جانے کے بعد اپنے ہمخیال اور ہم غرض اشخاص یا پارٹیوں میں جذب ہو گئے۔ اور خود غرضیوں کا شکار ہو کر ملک و قوم و مذہب کے لئے انتہائی ضرر رساں ثابت ہوئے اور کبھی کچھ افراد یا کسی جماعت میں کوئی جذبہ ملکی یا قومی یا مذہبی پایا بھی گیا تو ان کی آواز صدا بصحرا اور نہایت ضعیف ثابت ہوئی نہ گورنمنٹ نے اس طرف توجہ کی نہ ہمسایہ قوموں اور ان کے نمائندوں نے اس کو کوئی اہمیت دی۔

مسلم لیگ اور اس کے سمجھدار ممبروں نے ان گذشتہ حالات اور آئندہ خطرات کا نہایت غور وخوض سے مطالعہ کیا اور احساس کیا کہ اگر مسلمان ان مجالس قانون ساز میں جماعتی حیثیت سے معین اور محدود پالیسی کے ماتحت منظم دستور العمل کے ساتھ نہ داخل ہوئے اور انہوں نے ایسے اشخاص کا انتخاب نہ کیا جو کہ راسخ العظم قومی العقیدہ، ملکی و قومی ہمدرد مستقل مزاج سرتاپا اخلاص ہوں تو مستقبل میں بہت زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے شخصی اور انفرادی حیثیت خود غرض اور حکومت پرست پارٹیوں کا انجذاب شخصی منافع کا متوالا پن ہر طرح مذہب اور قوم و ملک کو ہلاکت کے گھاٹ اتارنے والا ہے ایسے ہی امور باعث ہوئے کہ پریسیڈنٹ مسلم لیگ **مسٹر جناح** کو مستقل اور کلی اختیارات دیئے جائیں کہ وہ اپنے زیر صدارت مرکزی الیکشن بورڈ قائم کریں جس کے ماتحت صوبجات میں بھی الیکشن بورڈ قائم کئے جائیں۔ نیز ایسی محدود پالیسی اور منظم دستور العمل کو تیار کریں جس کے ماتحت ملکی مصائب زائل ہو سکیں اور اس کیلئے جملہ تدابیر ضروریہ عمل میں لائیں۔"

چنانچہ، مئی، جون، جولائی میں اسپر کافی جدوجہد عمل میں لائی گئی اور مندرجہ ذیل دستور العمل مرکزی جماعت کی طرف سے تجویز کیا گیا۔ اس کے بعد پروگرام کی نقل کر کے تحریر کیا کہ:۔

"صوبہ کے الیکشن بورڈ نے بھی یہ اعلان کیا ہے کہ عام اصول جنپر ہمارے نائبین مختلف مجالس قانون ساز میں کام کرینگے حسب ذیل ہیں۔

(۱) موجودہ صوبجاتی کانسٹی ٹیوشن اور مجوزہ مرکزی کانسٹی ٹیوشن جلد سے جلد بدل کر اس کی جگہ کامل ڈیماکریٹیک سلف گورنمنٹ قائم کیجائے۔

(۲) جبتک یہ مقصد حاصل ہو مسلم لیگ اس عرصہ میں مختلف مجالس قانون ساز کے ذریعہ سے ایسے فوائد حاصل کرنے میں پوری کوشش کرے۔ جو اہل ملک کی قومی زندگی اور انکی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔

مسلم لیگ پارٹی کا وجود۔ ظاہر ہے کہ اس وقت تک ضروری اور بہت ضروری ہے جبتک جداگانہ انتخاب پر عمل ہے۔ مگر اسکو آزادی اور اختیار ہوگا کہ کسی ایک جماعت یا جماعتوں سے جنکا نصب العین قریب قریب وہی ہو جو لیگ پارٹی کا ہے اتحاد عمل کرے۔ لیگ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اقتصادی یا دیگر حیلوں کی بنا پر اپنی جماعت کے استحکام کو ضائع نہ ہونے دیں۔ الحاصل مسلم قوم اور ملک ہندوستان اور مذہب اسلام کیلئے موجودہ حالات میں بجز مذکورہ بالا صورت کے کوئی کارآمد مفید طریقہ نہیں تھا۔

اس ہی طریقہ میں مختلف الخیال اشخاص جمع ہو کر حفاظت اور ترقی کی صورتیں پیدا کرسکتے ہیں۔ اور جتنی صورتیں اس کے مخالف اور مغائر ہیں وہ نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کو ضرر رساں ہیں۔ بلکہ وہ ملک اور انسانیت کے لئے بھی زہر ہلاہل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں اور پارٹیوں کی اعانت نہ کریں۔

بنابریں آپ اور نیز جملہ مسلمانان حلقہ مذکورہ کا فریضہ ہے کہ مسلم لیگ کے کنڈیڈٹ کو کامیاب بنانے میں ہر قسم کی جدوجہد فرمائیں۔ اور کسی قسم کی کوشش کرنے میں ادنے درجہ کی کوتاہی کو بھی روانہ رکھیں اور مسلم لیگ کا کامیاب ہونا تمام مسلمانوں کی عزت کا باعث ہے تا نیا" مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی تنظیم صرف اسی صورت میں مضمر ہے۔ ثالثاً گورنمنٹ کے استبداد کو توڑنے اور مخالف ملک وملت ومذہب قوتوں کو زیروزبر کرنے کے لئے صرف یہی صورت کارآمد ہوسکتی ہے۔ اگرچہ اسوقت مختلف جماعتیں قائم ہوگئی تھیں لیکن (۶۰) اور (۷۰) فیصدی کے اوسط سے ہر صوبہ میں مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔

اس باب کے خاتمہ پر مولانا احمد سعید سکریٹری جمعیت العلمائے ہند نے کمیونل اوارڈ

پر جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ بھی اندراج کے قابل ہیں انہوں نے بحیثیت صدر انڈیپنڈنٹ کانفرنس صوبہ بہار منعقدہ ستمبر ۱۹۳۶ء ارشاد کیا کہ۔

کمیونل اوارڈ یہ ایک پنچ کا فیصلہ ہے۔ جب ہم آپس میں کوئی فیصلہ باہمی اعتماد نہ کر سکے تو ہم میں ہی سے بعض نے وزیر اعظم کو پنچ بنایا اور انہوں نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا۔ اگرچہ ایسا فیصلہ کیا گیا کہ اس سے فریقین خوش نہیں ہوئے بلکہ اختلاف کی خلیج اور وسیع ہو گئی لیکن بہر حال یہ پنچ کا فیصلہ ہے اور جبتک آپس میں کوئی اور فیصلہ نہ ہو اسکی حفاظت ضروری ہے۔

اس فیصلہ کی ذمہ داری ان ہندو مسلمانوں پر عاید ہوتی ہے جنہوں نے باہمی سمجھوتہ کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں اور وزیر اعظم کو پنچ بنانے پر مجبور کیا آج ان لوگوں پر تعجب ہے جو کل لندن میں وزیر اعظم کو پنچ بننے پر مجبور کر رہے تھے، لیکن آج اس کے فیصلہ سے انحراف کر رہے ہیں اس قسم کے لوگ یا تو پرلے درجہ کے احمق ہیں یا پرلے درجہ کے بدنیت ہیں جو وزیر اعظم کی نیت پر حملے کر رہے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ خود ہاتھ جوڑ کر اور مائی باپ کہکر ایک شخص کو پنچ بنایا گیا اور پھر اسکے فیصلہ کو اسی کے ہاتھوں سے مسترد کرانے کیلئے اسکو مجبور کیا جائے۔

میں اس کمیونل اوارڈ کو نعمت غیر مترقبہ نہیں سمجھتا اور نہ مجھے اسکا یقین ہے کہ یہ فیصلہ ہمیشہ رہیگا۔ یہ فیصلہ بظاہر کتنا ہی خوشنما ہو لیکن اہیں مسلمانوں کے ساتھ سخت ناانصافی کی گئی ہے۔ اس فیصلہ نے پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کی اکثریت کو مجروح کر دیا ہے یہ فیصلہ مسلمانوں کیلئے نہیں بلکہ یوروپین کیلئے بہت زیادہ مفید ہے۔ اس فیصلہ میں سرحد کے ہندوؤں کے ساتھ جو رعایت کیگئی ہے۔ وہ سی۔ پی اور مدراس کے مسلمانوں کے ساتھ نہیں کیگئی ایسی حالت میں یہ فیصلہ مسلمانوں کیلئے کچھ خوش کن نہیں ہے، لیکن جب تک کوئی باہمی سمجھوتہ طے نہیں ہوتا اسوقت تک اس فیصلہ کو قائم رکھنا ضروری ہے جو لوگ اس فیصلہ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ ملک کے سب سے بڑے دشمن اور غدار ہیں۔ اگر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیا جائے تو یہ فیصلہ مسترد ہو سکتا ہے۔ ہم اس فیصلہ سے خواہ کتنے ہی غیر مطمئن کیوں نہ ہوں، لیکن باہمی سمجھوتہ سے قبل اس کے استرداد کو مکروہ اور مذموم سمجھتے ہیں"۔

باب نہم

متذکرہ بالا حالات کی رفتار میں تصدق احمد خاں شروانی اور ڈاکٹر انصاری کا یکے بعد دیگر ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں انتقال ہو گیا جو کانگریس میں موثر اور زبردست شخصیتیں رکھتے تھے خصوصاً ڈاکٹر انصاری کا اثر بڑے بڑے مہا سبھائیوں پر بھی غالب رہتا تھا۔ انکی دلی خواہش ایک متحدہ قومیت کی تعمیر تھی اور نصب العین آزادی کامل تھا۔ یہ دونوں ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر تھے۔ مگر انتقال سے کچھ عرصہ پہلے مستعفی ہو گئے تھے۔ فرقہ وارانہ مسئلہ پر ڈاکٹر انصاری نے ۱۹۱۸ء میں جو خیالات ظاہر کئے تھے وہ آخر تک رہے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء کے وسط میں جب کمیونل اوارڈ کے متعلق کانگریس مخالفت کرنے والی تھی۔ تو انہوں نے وائسرائے سے گاندھی جی کو تار دیا تھا کہ کمیونل اوارڈ کا بدل صرف ایک متفقہ فیصلہ ہی ہو سکتا ہے جبتک ایسا متفقہ فیصلہ تو ممکن نہ ہو جائے کمیونل اوارڈ کو برقرار رکھا جائے اور اسکے خلاف کانگریس اپنی آواز بلند نہ کرے ورنہ وہ کانگریس سے علیحدگی پر مجبور ہونگے۔ مسٹر شروانی نے بھی اسی قسم کی دھمکی دی تھی۔

اخبار انصاری دہلی نے جو جمعیتہ العلماء یا بالفاظ دیگر کانگریس کا آرگن ہے ۱۹۳۷ء میں ایک سلسلہ بحث میں لکھا تھا کہ "ہمیں یہ معلوم ہے کہ کانگریس میں گذشتہ سال سے یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کو ایک مدت غیر معینہ کیلئے ملتوی کر دیا جائے بلکہ اسے کسی قسم کی اہمیت نہ دیجائے اور یہ پوزیشن قدرتی طور پر اکثریت کیلئے مفید ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے ہمارے سامنے یہ حقیقت موجود ہے کہ مسلمانوں کی ان برگزیدہ ہستیوں نے جن کی شرکت کانگریس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اپنی تمام زندگیاں اس مسئلہ کے حل کرنے میں گذاری ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں سب سے زیادہ توجہ اس مسئلہ پر ڈاکٹر انصاری مرحوم و مغفور نے مبذول فرمائی تھی۔ جب ہم انکی سیاسی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں کانگریس کے پلیٹ فارم پر ہندو مسلم سمجھوتہ کے لئے ایک مسلسل و پیہم سعی نظر آتی ہے انکی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرا جبکہ یہ مقصد عظیم انکے پیش نظر نہ رہا ہو۔ انہوں نے سال بسال مختلف کانفرنسوں اور مجالس میں فرقہ وارانہ سمجھوتہ کیلئے بیشمار صورتوں پر غور فرمایا دارالاسلام ہمیشہ اسی قسم کے مساعی کا

مرکز بنا رہا . . . . اپنے آخری زمانہ میں بھی کمیونل اوارڈ کے مسئلہ پر جس قدر جرأت وہمت اور استقلال وپامردی کے ساتھ مسلمانوں کا مقدمہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کانگریس میں پیش کیا اسے کون فراموش کرسکتا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ مرحوم نے ولایت جاتے ہوئے اسی مسئلہ پر بیان دیا تھا کہ اگر کانگریس نے کراچی والی پوزیشن کو بدلا تو میں پارلیمنٹری بورڈ سے استعفٰی دیدوں گا وہ تمام مباحث آج تک محفوظ ہیں۔ اگر وہ فرقہ وارانہ مسئلہ ایک اہم سیاسی مسئلہ نہ سمجھتے تو غالباً ان کے جذبات اس قدر قوی اور پُرزور نہ ہوتے، پھر کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں بند ہوتے ہی کانگریس کے ارباب حل وعقد بالخصوص پنڈت جواہر لال جی نے اس پوزیشن کو بدلدیا۔"

آخر ۱۹۳۶ء میں فیض پور[ف] کانگریس کا اجلاس ہوا، جس میں عوام کی بڑی کثرت تھی - اس کے تمام دروازے مرہٹوں کے نام پر بنائے گئے صدر دروازہ شیواجی کے نام پر تھا۔

استقبالیہ کمیٹی کے صدر نے جو ایڈریس پڑھا اسکے چند فقرات مرہٹہ ذہنیت کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

سور گیہ لوکمانیہ تلک مہاراج نے جو بھی تحریک شروع کی۔ اس کی جڑ میں تین واضح مقاصد کارفرما ہوتے تھے انکے دل میں یہ بات مضبوطی سے گھر کرچکی تھی کہ ہندوستانی تمدن سب تمدنوں سے اعلیٰ ہے باوجود اسکے کہ ہمارا ملک آج غیروں کے ہاتھ میں ہے ان کا یہ خیال تھا کہ ہمارے تمدن اور سبھیتا کی بنیاد وسیع تر روحانی اصولوں پر ہے۔ اور صرف انکی بنا پر دنیا میں مجلسی یگانگت اور فلاح وبہبود حاصل کیجا سکتی ہے۔ اسلئے وہ اس بات کے مضبوطی سے قائل تھے کہ اگرچہ ہندوستان کی تعمیر نو بہت ضروری ہے اور اس کیلئے کوشش لازمی طور پر کیجانی چاہیئے۔ لیکن ان کوششوں کی بنیاد ہندوستان کی روایات وسبھیتا ہونی چاہیئے۔ جو کہ ہماری آبائی پشتوں کی مجموعی فہم وفراست کی نمائندگی کرتی ہیں اور صرف اسی طرح سے ہندوستان بنی نوع انسان کی ترقی اور فلاح وبہبود کیلئے حصہ رسدی

ف فیض پور خاندیس میں واقع ہے مرہٹوں کی بہت زیادہ آبادی ہے مسلمان بھی آباد ہیں لیکن ہر لحاظ سے پست حالت میں ہیں انعقاد کانگریس سے کچھ ہی پہلے یہاں مسلمانوں پر بڑے بڑے مظالم کئے گئے۔ انکو اسپین کے مسلمانوں کی طرح اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی۔

خدمات انجام دے سکتا ہے۔

ہندوستان کی آزادی

دوسرا عظیم مقصد جو آپ کے پیش نظر تھا ہندوستان کیلئے حصول آزادی تھا۔ تاکہ اسکی شاندار سبھیتا کو تباہ ہونے سے بچایا جا سکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہندوستانی دلوں میں رام راج کا مفہوم گہری جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ اور اس میں وقت کے مطابق خاص تبدیلیاں کرنیکی گنجائش ہے۔ رشی وسشٹھ اور وشوامتر کے زمانہ کا رام راج آنند ون بھون اور رام داس کے زمانہ کے رام راج سے مختلف تھا۔ لوکمانیہ تلک نے شیواجی کی سالگرہ کو ایک قانونی تہوار قرار دیدیا تھا۔ اسکے ساتھ انکا یہ منشا نہیں تھا کہ وہ پرانے زمانے کے قسم کا سوراجیہ چاہتے تھے وہ جمہوری حکومت کے خواہاں تھے اسی طرح گاندھی طرز کا رام راج بھی جمہوریت اور مساوات پر مبنی ہے۔ جس کا وہ بار بار اعلان کر چکے ہیں : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۳۰۰ سال گذرے مہاراجہ شیواجی نے آزادی کی دیوی پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اور تعلیمیافتہ برہمن جو اس زمانہ کی مسلم حکومتوں کو فروغ دینے میں لگے ہوئے تھے رام داس کی پُرزور اپیلوں سے ملگئے تھے اور جب اعلےٰ جماعتوں کے لوگوں نے اپنے غرض کو پہچانا۔ تو کسان لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں انکا ساتھ دیا۔ آج بھی کسان اس قسم کی رہنمائی کا متلاشی ہے اگر آج بھی کسانوں کی قسمت تعلیمیافتہ لوگوں کی کوششوں سے وابستہ ہو جائے تو مہاراشٹر قوم کے ہر اول دستے میں حصہ لینے سے نہیں چوکیگا۔ مہاراشٹر میں کانگریس کی طاقت بالکل مستحکم اور منظم ہے۔

مسلم حلقہ ہائے انتخابات میں کانگریس نے اپنے نمائندے کھڑے کئے اور دل کھولکر روپیہ صرف کیا اگر کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ حتےٰ کہ صوبہ متحدہ میں بھی ۱۲ کانگریسی امیدواروں میں سے کوئی کامیاب نہ ہو اگر اس اجلاس کی عظمت وشان سے صدر اجلاس پنڈت **جواہر لال نہرو** کے دماغی توازن خراب ہو گیا۔ اور انہوں نے اس قسم کے بیانات دینے شروع کئے جن میں نہ صرف غرور جھلک رہا تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی سیاسی ولایت کا ادعا اور سیاسی حالت پر توجہ بھی تھا۔

مثلاً " آج ہندوستان میں مسلمانوں کی عجیب وغریب حالت ہے۔ یہ بے بس ہیں۔ آج جو بزرگ

مسلمانوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں ان کا خواص اور عوام سے کوئی تعلق نہیں مسلمان کانگریس کی طرف جھک رہے ہیں۔ مسلم امیدواروں کے انتخاب میں ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انکے حلقوں میں کام ہی نہیں کیا۔ مسلم حلقوں میں ہماری شکست نے ہمیں یہ بتلا دیا ہے کہ جیت ہمارے ہاتھ میں ہے قوموں کی طاقت ملازمتوں اور کونسلوں میں نشستوں سے نہیں بڑھتی۔ بلکہ ان سے کمزوری بڑھتی ہے۔ کانگریس نے سنگھٹن کے ذریعہ ملک کی طاقت بڑھائی۔ طاقت کشتی سے بڑھتی ہے خوشامد اور وکالت سے نہیں بڑھتی۔ میرے اپنے صوبہ میں جو تمدن کا گھوارہ ہے مسلم عوام پر ہمارا کافی اثر ہے، یہ حقوق کی باتیں محض جہالت ہے۔ ہم نے عام لوگوں سے نظر ہٹا کر مدتوں فرقہ وارانہ لیڈروں کی صلح وصفائی اور عہد وپیماں میں وقت گذارا ہے یہ طریقہ غلط ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم دوبارہ ادھر نگاہ تک نہ ڈالیں۔ ایسے لوگ ابھی تک زندہ ہیں جو ہندو مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں کہ گویا وہ طبقوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہمارے زمانہ کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اہل دماغ اور عوام ہر طبقہ کے ہندی مسلمانوں میں بڑا ہیجان واضطراب ہے بغیر صحیح قسم کے رہبروں کے مسلمان مارے مارے پھر رہے ہیں اور رہ رہ کر انہیں اپنی بے بسی پر غصہ آتا ہے۔ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے فرقہ پرست لیڈروں نے ہمیں سیاسی لحاظ سے بڑا کمزور کر دیا ہے۔ اور سامراج کے بے حقیقت اور دکھاوے کے چھوٹے چھوٹے فائدوں سے بہلا بہلا کر ہمیں قومی تحریک سے دور رکھا ہے۔ . . . . وہ خوب دیکھ رہے ہیں کہ کانگریس نے ہندو فرقہ پرستی کا قلع قمع کر کے عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور انہیں رہ رہکر ٹیس سی اٹھتی ہے کہ آہ ہم اس جنگ آزادی میں نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے دلمیں بھی یہی ارمان ہے کہ ہم بھی آج کی قربانیوں اور کل کی کامرانیوں میں برابر شریک ہوں۔ غرض کہ انتخاب اور ہماری انتخابی کشمکش کا یہ اثر ہوا کہ گو عام طور پر مسلم نشستوں کے حاصل کرنے میں ہم ناکام رہے پھر بھی اخلاقی جیت ہمارے حصہ میں آئی۔ انتخابی لڑائی کی بدولت ہم نے فرقہ پرستی کے آسیب پر کسی حد تک قابو پالیا ہے اب ضرورت اسکی ہے کہ ہم مسلمانوں کے اہل دماغ اور عوام سب کو کانگریس کے وسیع نظام میں شریک ہونے کی ———— دعوت دیں۔ اور فرقہ پرستی

کے نام پر ہمیشہ کے لئے فاتحہ پڑھیں"۔

اس کے بعد ہی دوسرے بیان میں کہتے ہیں کہ آج ہندوستان میں دو طاقتیں ہیں ایک کانگریس جو ہندوستانی قوم پرستی کی نمائندہ ہے اور دوسری برطانوی حکومت۔ ان کے علاوہ سب کو کسی ایک کے ساتھ رہنا پڑیگا۔ پھر تو اسی طرح کے متکبرانہ بیانات کا طومار باندھ دیا۔

ان بیانات کے ساتھ ہی ڈاکٹر سید محمود اور ابوالکلام آزاد کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور انکے مشورہ سے مسلمانوں کی رائے عامہ میں انفاق و شقاق پیدا کرنے کی تدابیر سوچیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کچھ نہ کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ عوام کی مفلسی بیکاری اور فاقہ کشی کے نام پر اپنی طرف مائل کیا گیا۔ تاکہ اسی طرح مسلمانوں کی ہستی کو جذب کر لیا جائے۔ بعض ممتاز مسلمان بھی کسی اصول سے نہیں بلکہ خاص اغراض کے پیش نظر متاثر ہو گئے ______

مسٹر جناح کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر بنیادی اصول باہمی رضامندی سے طے ہو جائیں تو ہم جماعت اور پارٹی کے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہیں۔ مجالس قانون ساز میں مسلم لیگ کے ارکان اس بات کی کوشش کرینگے کہ کونسلوں اور اسمبلیوں سے ملک کے لئے جسقدر فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ کر لیا جائے اور اس بات کی سعی کرینگے کہ موجودہ صوبجاتی اور مرکزی آئین کی جگہ کامل جمہوری اور خود مختارانہ حکومت قائم کیجائے۔

چنانچہ جب انہوں نے لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے ممبروں کو مجالس آئین ساز میں کانگریسی ممبروں کے ساتھ تعاون کا مشورہ دیا۔ تو پنڈت جواہر لال نہرو نے حقارت سے انکار کر دیا اور چھ صوبوں میں شاندار کامیابی کے بعد جو بعض ہندو حریف جماعتوں کے مقابلہ میں کانگریس کو حاصل ہوئی تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ صوبجاتی مجالس کی مسلم لیگ پارٹیوں کو نظر انداز اور ان سے ترک تعاون کیا جائے انتخابات کے بعد کانگریس کنونشن منعقدہ مارچ ۱۹۳۷ء میں طے ہوا کہ دستور جدید کو جو اس مقصد کیلئے وضع ہوا ہے کہ دائمی طور پر برطانی غلبہ قائم رہے اور معاشی دست برد جاری رہے مسترد کیا جائے اور ہندوستان میں حقیقی جمہوری قسم کی حکومت ہو۔ جہاں تمام تر سیاسی طاقت ہندوستانی لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اور یہ ایک کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی ______ کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو حق رائے دہی بالغان کے اصول پر منتخب شدہ نمائندوں پر قائم ہو۔

نیز اس امر پر زور دیا گیا کہ کانگریس نے انتخابات آزادی اور دستور جدید کو کامل طور پر مسترد کرنیکے مقصد کے ساتھ لڑے ہیں کانگریس پارلیمنٹری پارٹیاں جلد از جلد قوم کے نام پر اپنی مجالس آئین ساز میں اس ایکٹ کو واپس لینے اور کانسٹیٹیوئنٹ اسمبلی کا مطالبہ کرے۔ صدر کانگریس پنڈت **جواہر لال** نہرو نے ہزاروں کے مجمع میں کہا کہ "اس آئین کو جہنم میں جھونک دو" اگر اسکو واپس نہ لیا گیا تو ہم اپنی قوت سے ختم کردینگے۔

دوسری طرف اب وزارتوں کے قیام کا سوال سامنے تھا صدر کانگریس پنڈت نہرو یہ بانگ دُہل اپنے صدارتی ایڈریس میں اعلان کرچکے تھے کہ جس کانگریس پالیسی کا ہم نے اپنی تجویزوں میں ذکر کیا ہے اور انتخابی اعلان میں واضح کیا ہے اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہم عہدے یا وزارت قبول کرنے سے کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ اس راہ سے ہٹنے کے یہ معنی ہونگے کہ ہم نے اپنی پالیسی کو الٹ دیا ہے اور ہم برطانی ملوکیت پرستی کے شریک کار ہوگئے ہیں۔

یکم اپریل کو جو دستور جدید کے نافذ ہونیکی تاریخ تھی اس پر اظہار ناراضی کیلئے عام ہڑتال کی تجویز ہوئی اور ہر صوبہ میں کانگریس نے ہڑتال کی **مسٹر جناح** ذاتی طور پر اس کیخلاف رائے رکھتے تھے۔ اور انہوں نے اسکو ظاہر بھی کردیا۔ مگر اس رائے پر عمل کرنے کے لئے اصرار نہیں کیا۔ اور نہ لیگ کی طرف سے مخالفت کی۔

دوسری پارٹیوں نے دستور جدید کی رو سے وزارتیں قائم کرلیں۔ مسلم لیگ کے ممبروں نے ان وزارتوں میں کوئی حصہ نہیں لیا البتہ راجہ سلیم پور صدر پارلیمنٹری بورڈ نے صوبہ متحدہ میں ایک وزارت قبول کرلی جو علانیہ لیگ کے مسلک کی خلاف ورزی تھی۔

ان عارضی وزارتوں کے قیام سے کانگریس اور مہاسبھا میں کھلبلی مچگئی۔ مہاسبھا کی مجلس عاملہ نے کانگریس کے عہدے قبول نہ کرنے کی شکایت کی کہ اس طرح تمام شمالی ہند میں سرحد سے آسام تک مسلم راج قائم ہوگیا۔ بنگال کی مہاسبھا نے اپیل کی کہ کوئی ہندو اسوقت تک کیبنٹ میں شریک نہ ہو جبتک وزرا کی تعداد برابر نہ ہو۔

کانگریس اب پھر سطح سے نیچے اتری جلسوں پر جلسے منعقد ہوئے۔ جابجا صوبجات میں کانگریسیوں نے قبول وزارت کے رزولیوشن پاس کئے مسٹر ستیا مورتی نے تو ایک حد تک اعلان جنگ کردیا اور

مارچ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور نتیجہ میں (۷۰) کے خلاف ۱۲۷ راؤں سے عہدے قبول کرنے کا مشروط رزولیوشن ان دعاوی کے ساتھ منظور ہو گیا کہ

راجگوپال اچاریہ - اگر ہمارے راستہ میں مشکلات پیدا کی گئیں تو ہم وزارت کی کرسیاں ٹھکرا کر چلے آئیں گے۔

ولبھ بھائی پٹیل - ہم وزارت قبول کر کے صوبوں کی نام نہاد خود مختارانہ حکومت کی آزمائش کرنا چاہتے ہیں۔

مسٹر ستیا مورتی - بحالت موجودہ عہدے قبول کرنا نئے آئین کو ختم کرنے اور سوراجیہ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

راجندر بابو - یہ خیال چھوڑ دو کہ عہدے قبول کرنے کے بعد کانگریس حریفوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بن جائے گی۔

شرط یہ تھی کہ گورنر اپنے اختیارات خصوصی استعمال نہیں کریگا اور کسی قسم کی مداخلت نہیں کریگا اور نہ وزیروں کی رائے کو ٹھکرائیگا۔ اور نہ اس کو کسی پارٹی سے تعلق ہوگا۔ ساتھ ہی اب یہ دعوے بھی ہونے لگا کہ کانگریس والے لڑنا ہی نہیں جانتے بلکہ حکومت کرنا بھی جانتے ہیں اور اب پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کر دیا کہ عہدوں کے خلاف کوئی ملامت و مذمت نہ ہو۔

حالات کی اس رفتار میں وزارت ہند کے بیانات شائع ہوئے ۲۲ جون کو گورنر جنرل و اسرائے ہند لارڈ لینلتھگو نے بھی ایک طویل بیان بطور پیغام دیا جس میں کانگریس کو دل خوش کن تھپکیاں یا خواب آور لوریاں تھیں وائسرائے نے گورنر اور وزرار کے تعلقات پر آئینی تبصرہ کیا غلط فہمیوں اور شبہات کو بے بنیاد بتایا صوبوں میں وزارت کے سہ ماہہ تجزیہ اور گورنروں کے رویہ کو سند میں پیش کیا۔ ضابطہ ہدایات (جس میں گورنروں کو کام کی ہدایتیں ہیں)۔ اور گورنروں کی خاص ذمہ داریوں کی تشریح کی۔ اور خود ہی اس طولانی پیغام کا حسب ذیل خلاصہ کیا:

"صورت حال یہ ہے کہ صوبہ میں انتظامی اختیار گورنر کے نام سے چلتا ہے لیکن وزارت کے حلقہ اختیار میں ان قیود کے ماتحت جنکا میں پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں۔ گورنر ان کا پابند ہے کہ وہ اس انتظامی اختیار کو اپنے وزیروں کے مشورے سے انجام دے، بعض دائرے جو سختی کے ساتھ معین و محدود

کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اندر گو دوسرے معاملہ کیطرح اصلی ذمہ داری وزرار کی ہے تاہم گورنر بالآخر پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ رہتا ہے۔ بقیہ تمام دائروں کے اندر وزرا تنہا ذمہ دار ہیں۔ اور وہ صوبجاتی مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہیں۔ گورنر اپنی خاص ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اس بات کے لئے آزاد رہیگا بلکہ درحقیقت اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ اگر وہ یہ خیال کرے کہ وزرا جو طریق کار تجویز کر رہے ہیں وہ اقلیتوں کو بالخصوص علاقوں کو یا دیگر اغراض متعلقہ کو کوئی نقصان پہنچائیگا تو وہ اپنے وزرار کے مشورے کیخلاف عمل کریگا ایسے معاملات میں فیصلہ گورنر کے اختیار پر ہوگا اور یہ فیصلہ کرنے میں وہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوگا، لیکن ایسی مداخلت کے امکانات کا دائرہ سختی سے محدود کر دیا گیا ہے اور اس خیال کی ذرہ برابر بھی اصلیت نہیں ہے کہ گورنر ان ذمہ داریوں کے محدود دائرے سے باہر جو خاصکر اسپر عائد کیگئی ہیں۔ صوبہ کے روزمرہ انتظامی امور میں دخل دینے کیلئے آزاد ہے یا اسے اسکا حق یا اختیار حاصل ہے اس محدود دائرے میں بھی اپنے وزیروں کے مشورہ کے خلاف مشورہ کرنے سے پیشتر گورنر کو اس بات کی امکانی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے وزیروں کو وہ وجوہ اچھی طرح سمجھادے جسکے بموجب جو فیصلہ اسنے کیا ہے اس کیلئے وہ مجبور تھا اور یہ کہ اس کا فیصلہ صحیح ہے۔ وہ اپنے خیالات پورے طور پر وزرار کے سامنے پیش کردیگا اور ان دلائل کو سنیگا جو وزرا پیش کرینگے اپنا فیصلہ وہ خود ان دلائل کو ذہن نشین کرنیکے بعد کریگا۔ اور اس کے متعلق قائل ہونے کے لئے تیار رہیگا۔ ان حالات میں جس نیک اندیشی کی دونوں طرف سے اعتماد کے ساتھ ہمیں توقع ہے اور جسکے بارے میں جہانتک گورنروں کا تعلق ہے ہیں ہز مجسٹی ملک معظم کی حکومت کی طرف سے جوابدہ ہوں۔ معمولاً چپقلش پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اصولاً کوئی ایسا دستور جس میں اختلاف رائے کی صورت میں خواہ وہ کتنا ہی غیر اہم ہو۔ وزارت کا استعفے دیدینا یا برطرف ہونا ضروری ہوجائے غیر مناسب ہے اور ایسے دستور پر جو اعتراضات ہوسکتے ہیں۔ انکو نمایاں کرنیکی مجھے ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دائرہ زیر بحث کے اندر بعض معاملات ایسے ہوں کہ جو بالکل غیر اہم ہوں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ گورنمنٹ اور اس کے وزرار کی پوزیشن بالکل غیر استوار ہوجائیگی۔

اگر ہر ایسی صورت میں دستور کے ماتحت گورنر کے سر یہ پابندی عاید کردیجائے کہ وہ اپنے وزرار کو

برطرف کردے یا وزیروں کو یہ محسوس ہو کہ ان کیلئے استعفیٰ دینا ضروری ہے۔ انتظام میں جو ہم آہنگی اور وزراء کی ساکھ جس طرح کھوئی جائیگی۔ وہ ناقابل برداشت ہوگی۔ مزید برآں وزیروں کو ایک ایسے فیصلہ کی بنا پر مجبوراً استعفیٰ دینا پڑیگا جسکی ذمہ داری ان پر کسی طرح عائد نہیں ہوتی اور جس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پبلک طور پر اس کا اعلان کردیں کہ وہ گورنر سے متفق نہیں ہیں اور گورنر نے خود اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں یہ خاص طریق عمل اختیار کیا ہے تاریخ کا تجربہ بتاتا ہے کہ آئینی ترقی ایسے محکم گیر دستور سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے سمجھوتے اور اسی سوجھ سے ہوتی ہے جو ایک کامیاب جمہوری آئین کی خصوصیت ہے باوجود اس کے کہ وہ گورنر کے آخری فیصلہ کے ذمہ دار نہیں ہیں اور بلا کسی آئینی وقت کے اس بات کا اعلان کر سکتے ہیں یہ محسوس کریں کہ اس کارروائی سے ایسی صورت معاملہ پیدا ہوگئی ہے اور پارلیمنٹری جماعت کی حیثیت سے ان کی پوزیشن پر اتنا بڑا اثر پڑا ہے کہ اگر انتظامی معاملات میں گورنر کے ساتھ شریک کار ہیں۔ تو ملک میں غلط فہمی پھیلے اس وقت وزراء کو استعفیٰ دینے کا اختیار ہے یا اگر وہ استعفیٰ دیں۔ اور گورنر یہ محسوس کرلے کہ وزراء سے اسکی رفاقت پبلک کے مفاد کو دیکھتے ہوئے قائم نہیں رہ سکتی تو گورنر کو اس کا اختیار ہے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ انہیں برطرف کردے، لیکن گورنر کا مقصد، اور مجھے یقین ہے کہ خود وزراء کا مقصد ہمیشہ یہ رہیگا۔ کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہونے پائے۔ محض یہ بات کہ گورنمنٹ آف انڈیا میں ایسی باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے جیسے کہ وزراء کی برطرفی یا آئین کا معطل ہو جانا یا ایسی دوسری صورتیں۔ اس سے ذرا دیر کیلئے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ایکٹ بنانیوالوں کا یا جو لوگ اس کے چلانیکے ذمہ دار ہیں ان کا یا کسی ایسے شخص کا جو اس عظیم الشان ملک کی آئینی ترقی و نشوونما کے خواہشمند ہیں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی خاص صورتیں درحقیقت پیش آجائیں گی۔ پارلیمنٹ کا مقصد اور ہندوستان میں جو لوگ تاج برطانیہ کے ملازم ہیں اور جنپر اس قانون کے ضوابط نافذ کرنیکی ذمہ داری عائد کی گئی ہے، ان کا منشا یقیناً یہ ہونا چاہیئے اور ہے کہ ہر صوبہ کی ترقی و اصلاح کیلئے قوم کے منتخب نمایندوں کے ساتھ ہم آہنگی اور اشتراک کو دائرہ عمل میں لانیکی امکانی کوشش کریں اور اقلیتوں کے بارے میں اور اس قسم کی دوسری باتوں کے لئے جو خاص ذمہ داریاں ایکٹ کے بموجب انپر عاید کیگئی ہیں۔ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی صورت

پیش نہ آنے دیں کہ اس حد تک اختلاف رائے پیدا ہو جائے کہ گورنمنٹ کی مشین قطعی طور پر معطل ہو جائے یا گورنروں اور ان کے وزراء کے مابین وہ کارآمد رفاقت ختم ہو جائے جو اس ایکٹ کی بنیاد پر اور جو نصب العین جناب وزیر ہند اور گورنر جنرل اور صوبجات کے گورنران کے پیش نظر ہے "

مذکورہ بالا خلاصہ کے بعد کہا کہ ۔

" قبل اس کے کہ میں آپ سے رخصت ہوں آپ غالباً مجھ سے یہ خواہش کریں گے۔ کہ تمام اصلاحی گفتگو کو ختم کر کے لمحہ دو لمحہ آپ سے اس طرح گفتگو کروں جیسا کہ ایک ایسے شخص کو کرنی چاہیئے جسے پارلیمنٹ کے کام کا معقول تجربہ ہے اور جسکا جدید آئین کی تشکیل میں کچھ حصہ رہا ہے میں جانتا ہوں آپ میں سے بعض حضرات کا یہ خیال ہے اور نیک نیتی سے خیال ہے کہ اصلاحات کا یہ خاکہ کامل خود اختیاری حکومت کی طرف کافی حد تک آگے نہیں بڑھا ہے ۔ جن لوگوں کی یہ رائے ہے ان کے خلوص پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ہر ذمہ دار آدمی ایسے اہم معاملہ پر اپنی رائے قائم کرتے وقت ہندوستان کے بہترین مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے اس بات کی پوری کوشش کریگا کہ وہ سمجھ بوجھکر رائے قائم کرے اور جو کچھ اسے ان مفاد کی ترقی کی خاطر کرنا ہے اس کے متعلق صحیح فیصلہ کرے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری یہی رائے ہے کہ اگر ہر طرف سے نیک اندیشی کا اظہار کیا جائے تو یہ آئین کارگر ثابت ہوگا اور تجربہ کرنے پر مفید ثابت ہوگا، اس وقت یہ اسی ملک کا آئین بنگیا ہے اور اسپر جو اعتراضات کئے گئے ہیں اس کے باوجود بھی ایک مکمل اور منظم سیاسی اصلاح کی اسکیم پر جو پبلک کے سامنے ہے مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مکمل سیاسی زندگی جسکی آپ میں سے اکثر حضرات کو خواہش ہے، اس کا مختصر ترین راستہ یہی ہے کہ اس آئین کو قبول کرلیں اور اس سے جو کچھ بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اسے حاصل کریں ۔ سیاسی مسائل نظرتاً انقلاب پذیر ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا کہ ایک تحریری آئین کے الفاظ میں پابند کرنے سے وہ ایک جگہ ٹہر جائیں گے ۔ تاریخ کے سبق اور عقل کی ہدایت کیخلاف ہے ۔

مزید براں میرا یہ پختہ یقین ہے کہ اس آئین سے پبلک کی مفید خدمت کے بہت زیادہ مواقع حاصل ہونگے اور اس سلسلہ میں میں ایک ایسی بات کہوں گا ۔ جو میرے دل کے سب سے زیادہ قریب ہے میرا یہ یقین ہے کہ اس آئین کے پورے طور پر چلانے اور ترقی دینے سے

دیہی آبادی اور غریب طبقوں کی حالت میں عام اور مستقل اصلاح کی بہترین امید وابستہ ہے۔"

ویسرائے نے اپنا پیغام نیک خواہشوں اور کامیابی کی توقعات پر ختم کیا۔ اب راستہ صاف اور ڈھلوان ہو گیا اور ۲۰ مارچ کے اجلاس میں کانگریس کمیٹی نے ایک رزولیوشن میں بطور تمہید اپنی سابق کی قراردادوں کا اعادہ اور سرکاری بیانات پر تنقید کرتے ہوئے اس یقین کے اظہار کے بعد کہ گورنروں کے لئے اپنے مخصوص اختیارات کا استعمال آسان نہیں ہوگا۔ عہدوں کو اس مقصد و غرض حاصل کرنے کی خاطر منظور کر لیا کہ جو کہ کانگریس کے منشور میں درج ہیں۔ نیز یہ کہ عہدوں کو نئے آئین کا مقابلہ کرنے کی پالیسی کو تقویت دینے کیلئے استعمال کیا جائے اور تعمیری پروگرام پر عمل کیا جائے۔

حکومت برطانیہ کے اطمینان بخش بیانات، بحث و مباحثہ اور کثرت رائے سے پایہ کہ چند ممتاز کانگریسیوں کی خواہش اقتدار سے کانگرس نے عہدے قبول کر لئے اور جولائی میں عارضی وزرا نے جگہیں خالی کر دیں، لیکن ایک بازو اس کا شدید مخالف بھی رہا مسٹر مسانی کے خیال میں کانگرس کی مکمل انجام کار استعماری مکڑی کے جال میں پھنس گئی۔

ورکنگ کمیٹی کے فیصلہ پر مسٹر رفیع احمد قدوائی نے فرمایا کہ:۔

"برطانوی سیاست کی فتح ہوئی اہل کانگریس کو تخریبی کام سے ہٹا کر تعمیری کام کی طرف ڈالا گیا ہے انکو وزارتیں مرتب کرنیکی اجازت دیدی گئی ہے۔ جو لوگ ملک کو برطانوی سیاست کی گرفت سے چھڑانے کیلئے نکلے تھے۔ وہ اب اسپر آمادہ ہو گئے ہیں کہ برطانوی نظام سیاست کی مشینری کے ساتھ ان کو جوت دیا جائے۔ جدید دستور کا کام تمام کرنے یا اسکو تباہ کرنے کی تمام گفتگو میں محض لفاظی ثابت ہوئیں۔"

مگر بہت جلد مسٹر قدوائی وزارت مالگذاری کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے یا برطانوی سیاست کی مشینری میں جوت لئے گئے۔

صوبہ متوسط (سی۔پی) میں ڈاکٹر کھارے نے وزارت کی تشکیل کی جو کانگریس کے بڑے سرگرم اور پرانے خادم تھے۔ لیکن سال کے اندر اس وزارت میں باہمی نااتفاقی ہوئی۔ کانگرس کی

ہائی کمانڈ یعنی صدر اور ورکنگ کمیٹی کے عہدہ داروں نے ان کو صدارتِ عظمےٰ سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔ اور انہوں نے احتراماً استعفیٰ دیدیا اس کے بعد ان کے ساتھ نہایت نازیبا سلوک کیا گیا اور ان پر الزام عاید کئے گئے اب وہ آزاد ہو گئے اور انہوں نے ۸ ماہ اگست ۱۹۳۹ء ایک پبلک اسپیچ میں کہا کہ :-

میں ایسی تدابیر اختیار کرنا چاہتا تھا۔ کہ دستور جدید کی شکست و ناکامی کی صورتیں پیدا ہوں۔ مگر کانگریس ہائی کمانڈ نے کبھی اس کا موقعہ مجھے نہیں دیا۔ اور دیگر صوبوں کے کانگریسی وزراء نے عملاً ساتھ دینے سے انکار کیا۔

یوم آزادی کی تعطیل کے سلسلہ میں گورنر سی پی تک کو راضی کر لیا۔ مگر دوسرے صوبوں کے کانگریسی وزیروں اور اعلیٰ لیڈروں نے میری تجویز کو کامیاب نہونے دیا یہاں تک کہ گورنر سی پی نے کہا کہ میں تو تمہارا ساتھ دینے کیلئے تیار تھا۔ مگر تمہارے کانگریسیوں نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ پھر ستمبر میں ایک عام ممبر کی حیثیت سے اسمبلی میں کہا کہ :-

ہاؤس کو وہ حالات معلوم ہیں۔ جن کے ماتحت کانگریس نے عہدے قبول کئے تھے کانگریس کا مقصد یہ تھا کہ دستور جدید کے خلاف جنگ کیجائے اور اسے تباہ کیا جائے، لیکن اس میں زیادہ دن نہیں لگے۔ کہ اجنبی حکومت کے مزاحمت و مقابلہ کے بلند تخیل نے ابتذال اختیار کیا اور غلامانہ انداز میں روسار دستور کی حیثیت سے صوبوں کے گورنروں کا تفوق تسلیم کر لیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مسٹر سی راج گوپال آچاریہ اور گورنر مدراس کے درمیان ایک غیر مستند اور ذاتی خفیہ گفت و شنید ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت برطانیہ ابتداً اس پر راضی ہو گئی تھی کہ چھ صوبوں میں کانگریسی وزیر دستور کو چلائیں۔ موجودہ وزیر اعظم مدراس نے اس زمانہ کے صدر کانگریس کے برخلاف لارڈ ارسکن سے ملاقاتیں کی تھیں۔ اور ان کے ساتھ ان اصولوں کے متعلق سمجھوتہ کر لیا تھا۔ جن کے ماتحت کانگریس پارٹی تمام ہندوستان میں دستور کو چلانے والی تھی۔

میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مسٹر راج گوپال آچاریہ نے گورنر کو یقین دلایا تھا۔ کہ کانگریس کا مقصد دستور کو تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ اور تاج کے ساتھ

تعاون کیا جائے۔ اور کانگریس نے دستور جدید کے متعلق جنگ کرنے اور تباہ کرنے کا جو اعلان کیا تھا۔ وہ صرف اس لئے تھا کہ کانگریسی انتہا پسندوں کو راضی رکھا جائے“۔

بابؔ دھم

جب کانگریس میں عہدے قبول کرنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ تو بابو راجندر پرشاد۔ سردار پٹیل اور ڈاکٹر کھارے نے کابینہ وزارت کی تشکیل کے بیانات میں اعلان کیا کہ کسی مسلمان کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ کانگریسی کی حیثیت سے کابینہ وزارت میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

بہت جلد چھ صوبوں میں عارضی وزارتیں مستعفی ہو گئیں اور فوراً ہی کانگریسی وزارتوں نے ان کی جگہ معمور کر لی۔ ساتھ ہی مسلمانوں کی رائے عامہ میں نفاق و اختلاف پیدا کرنے کی تدبیر کی گئیں۔

اس میں شک نہیں کہ ۱۹۱۹ء سے مسئلہ خلافت نے مسلمانوں میں ایک عام ہیجان پیدا کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں نے متواتر چند سال تک اندرونی سیاسیات کے مقابلہ میں خارجی سیاسیات پر زیادہ توجہ کی تھی۔ لیکن اسی خارجی سیاست نے ان کو کانگریس سے بہت زیادہ قریب بھی کر دیا تھا۔

ابتدا ء سے مسئلہ خلافت مختلف مسئلہ رہا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے سوا کسی اور فرقہ مسلمان میں یہ مسئلہ نہیں اور اس فرقہ میں بھی ایک حد تک اختلاف ہے تاہم ترکی کے بقاء کا سوال ایسا تھا جس میں کسی کو بھی اختلاف نہ تھا اسی لئے ہر فرقہ کے مسلمانوں کو مسئلہ خلافت سے ہمدردی تھی۔ جب ترکی مسئلہ کا اچھا یا برا حل ہو گیا اور کانگریس نے مسلمانوں کی شرکت سے پورا فائدہ حاصل کر لیا تو اس نے ریا کی چادر اتار ڈالی اور مسلمانوں کو بہت جلد اس اتحاد کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب ان کو پھر اندرونی سیاست پر توجہ ہوئی۔

اس عرصہ میں متعدد انجمنیں مختلف مقاصد سامنے رکھکر قائم ہو گئی تھیں ۱۹۲۸ء میں مجلس احرار اسلام

قائم کی گئی ۱۹۲۹ء میں خدائی خدمتگار اور آل انڈیا شیعہ پولٹیکل کانفرنس نے جنم لیا۔

یہ تمام انجمنیں مخصوص فرقوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ البتہ مسلم کانفرنس میں تمام فرقے شریک تھے مسلم لیگ جو ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی اس کا تعلق تمام اہل اسلام سے تھا۔

علیگڈھ تحریک کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس میں ہر کلمہ گو خواہ کسی عقیدہ کا حامل ہو اسلام کی اخوت کے ساتھ شریک ہوا۔ اسی طرح لیگ کا پلیٹ فارم بھی مشترکہ رہا۔ اس کے سالانہ اجلاسوں کے صدر سنی، شیعہ، بوہرہ، خوجہ نوبت بہ نوبت سب ہی ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ وہ سیاسیات کے طوفانی زمانہ میں اپنا وجود قائم رکھ سکی۔ کانگریس سے مقابلہ کرتی رہی، اور یہ اسکی پالیسی تمام اسلامی انجمنوں میں مقبول رہی۔

دستور جدید کے نافذ ہونے کے بعد مختلف صوبوں میں اور بھی کچھ انجمنیں قائم ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے جداگانہ طور پر انتخابی مہم میں حصہ لیا۔ تاہم لیگ نے بھی کچھ کم کامیابی حاصل نہیں کی اور اب عام طور پر لیگ کی طرف رجحان بھی شروع ہوگیا۔ کانگریس نے اس جذبہ اتحاد کو فنا کرنے اور لیگ کو ختم کرنے کی مختلف تدبیریں کیں۔

بعض وہ مسلمان بھی جو لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے ڈگمگا گئے۔ اور انفرادی طور پر کانگریس میں داخل ہوگئے۔ چند نے اس کے پلیج پر دستخط کرنے کے بعد عہدے بھی حاصل کئے۔ ۱۹۳۶ء میں مجلس احرار نے بمقام بٹالہ مسلم لیگ سے علیحدگی کا اعلان کیا۔ مئی ۱۹۳۷ء میں بمقام مرادآباد جمعیت العلماء کا اجلاس ہوا۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ جو کانگریسی پالیسی کے زبردست آلہ کار ہیں اس اجلاس میں خاص طور سے شریک ہوئے۔ ایک طبقہ مسلمانوں کے غیر مشروط طور پر کانگریس میں شامل ہونے کے حق میں تھا اور دوسرا طبقہ مشروط شرکت کا خواہاں تھا۔ اور مسٹر جناح کے مشوروں کو اہمیت دیتا تھا۔ غرض بڑی بحث کے بعد اس نے ایک قرارداد پاس کی کہ:۔

جہاں تک تحصیل آزادی اور ملکی و وطنی مفاد اور اجنبی طاقت کے نفوذ و اثر کا تعلق ہے جمعیت العلماء ہند نے ہر موقع پر اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے کانگریس کے ساتھ آزادی کی جنگ میں اشتراک عمل کیا ہے اور اس لئے آج بھی کانگریس کے ساتھ شریک ہونے یا نہ ہونے کا

اس کے سامنے کوئی سوال ہی نہیں جب کبھی آزادی کیلئے جنگ ہوگی جمعیت کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل ضرور کریگی۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس طرح کے اشتراک عمل کا اکثریت و اقلیت کے درمیان جو علاقہ ہے۔ اور جسکی بنا پر اقلیت اکثریت سے تحفظات چاہتی ہے اس پر کچھ اثرانداز ہو وہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور اس میں جمعیت کی رائے یہی ہے کہ ہندوستان کے اندر امن وامان اور منظم وطاقتور نظام حکومت بغیر اس کے قائم نہیں ہوسکتا کہ اکثریت اقلیتوں کو مطمئن کرنے اور ان کے قلوب میں اعتماد و محبت پیدا کرنے کے موثر طریقے اختیار کرے اگر اکثریت اس سے انکار کرتی ہے اور اقلیت اس بنا پر غیر مطمئن رہتی ہے تو وہ قصوروار نہیں ہے صرف آزادی کا نام لیکر اقلیت سے یہ کہنا کہ وہ مطمئن ہوجائے، ممکن نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اقلیت جو کچھ طریقے اپنے اطمینان کیلئے جائز طور پر ضروری سمجھتی ہو اس کا بندوبست ملکی مفاد کے لئے از بس ضروری ولازمی ہے اور اسکی ذمہ داری اکثریت پر عاید ہوتی ہے۔ آزادی کی جدوجہد میں اشتراک عمل جس طرح مسلمانوں کا فریضہ ہے اسی طرح ہندوؤں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو نظام حکومت کے متعلق ایک اکثریت کی حیثیت سے مطمئن کردیں۔ جو کوئی اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ ہی قصوروار اور مستحق ملامت ہے۔"

اب پورے زور کے ساتھ مسلم عوام سے رابطہ پیدا کرکے مسلم قومیت کو ہندو قومیت میں جذب کرلینے کی تدبیروں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا جمعیت العلماء نے اپنی خدمات پیش کردیں۔ مجلس احرار اس رابطہ کی ایجنسی بن گئی۔ کانگرس فنڈ ان کی کفالت کے لئے وقف ہوگیا۔

ان کوششوں میں ہر قسم کا مکروہ پروپاگنڈا کیا گیا۔ تہمت و افترا تلبیس و تدلیس کا ایک نیا لٹریچر پیدا ہوگیا۔

مسلم لیگ اور اس کے ارکان کے متعلق غلط بیانیوں اور بہتانوں میں کوئی کسر نہ رکھی۔

ان حالات میں مسٹر جناح نے حسب ذیل بیان شائع کرکے مسلم عوام کو بہت کچھ ان کے دھوکے سے بچایا:-

"میں نہایت افسوس کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ چند کانگریسی لیڈر اپنے تصورات میں ایک نئی پالیسی کا حسین نقشہ بنا کر اس بات میں کوشاں ہیں کہ مسلمان اور مسلم لیگ میں نفاق پیدا کریں۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں۔ کہ یہ طریقے جو اختیار کئے جارہے ہیں۔ قابل اعتراض ہیں مسلمانوں میں پھوٹ

ڈالکران کے وطنی اور قومی جذبات کو متحرک کرکے یہ جھوٹی بات انکو سمجھائی جاتی ہے کہ کانگریس ہی کو یہ حق امتیاز حاصل ہے کہ وہ آزادئی ہند کے مبارز و دعویدار ہیں اور یہ بھی بتلاتے ہیں کہ کوئی بھی دوسری جماعت جو کانگرس کی صدفی صد ہم عقیدہ نہ ہو۔ حق حیات ہی نہیں رکھتی ہے۔ لیکن جب انہیں سے اقوام قلیل التعداد کی حفاظت کا سوال کرنے کی جسارت کیجائے تو کمیونسٹ کہکر اس کی زبان بندی فوراً کردیجاتی ہے کیونکہ ان کی رائے میں ہندو مسلم بحث ایسے موقعوں پر کوئی چیز نہیں ہے اور یہی وہ بعید الحقیقت امر ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ان کا منشا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مسلمانان ہند میں افتراق پیدا کرکے ان میں اور لیگ میں ایک وسیع خلیج حائل کردیجائے اور لیگ توڑ دیجائے میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر کانگرس والے اسی رویہ اور پالیسی پر اصرار کریں تو ترقی ملت اور پیچھے ہٹ جائیگی وہ مرکز جس پر ۳۵ کروڑ باشندگان ہند اپنی قومی خود مختار حکومت کی بنا قائم کرسکتے ہیں اس کا انحصار فقط اتحاد اور شریفانہ سمجھوتے پر ہے جو ہندو قوم اور اقوام قلیل کے درمیان طے پائے۔

میں یہاں مسٹر گاندھی کے ان الفاظ کو دہراؤنگا جنمیں انہوں نے کہا ہے کہ "مجھے اس اس بات کے مشاہدے سے سخت رنج ہوا کہ لارڈ زٹلینڈ بھی اسی قدیم اور مشہور و معروف شر نفاق ڈالکر حکمرانی کرو، کو الاپ رہے ہیں۔ کانگریس چند روز بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر وہ اقوام قلیل التعداد کے مفاد سے بے پرواہی برتے۔ اجتماعی حکومت کا قیام ہندوستان کو سیاسی جماعتوں میں تقسیم کرکے حاصل کرنا غیر ممکن ہے کانگریس کی وزارتیں اگر وجود پذیر ہوں بھی اور گورنر بھی اپنے قانونی اختیارات کو عمل میں نہ لائیں تو یہ وزراء اپنی قبر اپنے ہاتھوں تیار کرلیں گے جونہی وہ مفاد اقوام قلیل التعداد کو پامال یا ان کے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کرنا چاہیں" مسٹر گاندھی اپنے بیان میں یہ فرض کرتے ہیں کہ ناانصافی یا غلط عمل کرنیوالے تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس عملی دنیا کے اکثر حصوں میں اکثریت اقلیت کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کرکے عرصہ دراز تک تباہ نہیں ہوئی۔ بلکہ برعکس پھلتی پھولتی رہی گو آخرکار ان کی تباہی ایک لازمی بات ہے اس امر کو جانتے بوجھتے کیوں اس قسم کا لالچ اکثریت کو دیکر اقوام قلیل التعداد کو دواماً خوف و رجا میں مبتلا رکھا جائے؟

میں دوبارہ یہاں پر مسٹر گاندھی کے ان الفاظ کی تکرار کرونگا جنکو حال ہی میں موصوف نے فرمایا ہے کہ "اگر کانگریس کے مطلوبہ اطمینان بخش جواب گورنر نہ دیں تو مجھے شریفانہ سکون (ڈیڈلاک) ان غیر شریفانہ جھگڑوں سے زیادہ پسند ہے جو روزانہ کانگریس اور گورنروں کے مابین ہوتے رہیں"، مسلم لیگ کی بھی بعینہ یہی حالت ہے یہ بھی ہندو مسلمانوں کے درمیان ذلت آمیز کشمکش کے مقابلہ میں جو روزانہ رونما ہو رہے ہیں یا ہوا کرینگے۔ شریفانہ سمجھوتہ کو ترجیح دیتی ہے اس قسم کے کھیلوں سے ہندوستان کی دو بڑی متعلقہ جماعتوں میں تفرقہ ڈال کر ان کو دواماً علیحدہ رکھنے کا مشغلہ افسوس ہے کہ ہندوستان کا تاریخی واقعہ ہے۔ جسکا نتیجہ ہے کہ آج ہم پر ایک خارجی حکومت سوار ہے اور کانگریس کی اسی نہج کی مزید کوششیں کہ مسلمانوں میں نفاق ڈالکر حکومت کیجائے موجودہ تسلط کو برابر عرصہ نامعلوم تک قائم رکھے گی۔ مجھے اس بات سے خوشی ضرور ہے کہ کانگریس کے صدر نے کانگریس کی اس غلطی کو تسلیم کرلیا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ غفلت اور بے اعتنائی برتنے سے پیدا ہوئی تھی۔ اور جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ حالیہ انتخابات کے زمانہ میں کانگریس کو مسلمانوں سے کسی قسم کی امداد نہ مل سکی۔ گو اس سلسلہ میں یہ مفید ہوا کہ مسلم لیگ نے بالآخر کانگریس یہ بات ثابت کرادی کہ مسلمانوں کی رائے اور جذبات کا احترام کانگریس کیلئے ضروری ہے لیکن مجھے افسوس اس امر کا ہے کہ انہوں نے جو علاج تجویز کیا ہے اس کا نتیجہ مزید تلخی پیدا کرنے اور ہر وطن پرست کے آزاد مقصد کو کچلنے کے سوائے اور کچھہ نکل نہیں سکتا۔ اپنے سرکیولر میں جسکو صدر کانگریس نے مختلف صوبجاتی کانگریس کمیٹیوں کے نام اجرا کیا ہے۔ وہ مصر ہیں کہ مسلم گروہوں میں تبلیغ شروع کردیجائے۔ ان کی یہ تجویز ہے کہ کانگریس پراونشل کمیٹیوں کے تحت مسلمان جماعتوں کے صوبجاتی اختلاطی کمیٹیاں (پراونشل مسلم ماس کنٹاکٹ کمیٹیز) قائم کیجائیں اور ان میں مسلمانوں کی بھرتی شروع کرکے مسلمانوں میں کانگریس کے کاموں کی نسبت ذوق و شوق پیدا کیا جائے اس مدعا کو حاصل کرنے کیلئے وہ چاہتے ہیں کہ نوٹس میٹنگ کی کارروائیاں وغیرہ اردو زبان میں مطبوع اور شائع ہوں۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور ہر وہ مسلمان جو لکھہ پڑھ سکتے ہوں۔ اس سے غیر متعلق رہیں سوائے ان کے جن کی کانگریس سے بخوبی وابستگی ہے۔

دوسرے کانگریسی لیڈر مسٹر بابو سرت چندر بوس کا جو من حیث المجموع پریذیڈنٹ کے مساوی الدرجہ

ہیں خیال ہے کہ موجودہ دور میں صرف دال بھات کا مسئلہ ہی حل طلب ہے ورنہ اصولاً ہندو مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے اسوقت جس بات کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ معاشی اصول پر اس مسئلہ کو مسلمان گروہوں میں کچھ پروپاگنڈہ کیا جائے۔ کیا بابو صاحب بھول گئے ہیں کہ حالیہ انتظامات وزارتِ بنگال کے موقعہ پر باوجود کثرت مسلمانان ہندوؤں نے ۵۰ - ۵۰ کی ضد کی تھی۔ کیا وہ نہیں جانتے علاوہ غرباء کے اور بھی طبقات ایسے ہیں۔ جنکے دال بھات کا مسئلہ ہی حل طلب ہے غریب مسلمان طبقہ میں "کچھ پروپاگنڈہ" کرنے کے بجائے ایک ایسا پروگرام مرتب کیا جاتا۔ جسکے ذریعہ اسباب آسائش کی تکمیل و فراہمی میں سہولت ہوسکتی اگر وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔ تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ اسکو کامیاب بنانے میں مسلمان فوراً شریک ہو جاتے۔

پس اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ کانگریس کے لیڈروں کو سمجھدار مسلمانوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کے عقیدے میں یہ لوگ اپنے وطن اور قوم کی خدمت کے قابل نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اسقدر نادان ہیں کہ وہ ہندو سمجھداروں کے مقصد کو نہیں سمجھ سکتے اور بنا بر اں ادنیٰ طبقہ کے ان تھوڑے سے معزز حضرات نے چھ صوبوں میں کامیابی حاصل کرتے ہی ایک فرمان جاری کیا ہے کہ مجالس آئین ساز میں مسلم لیگ جماعتوں سے عدم تعاون کا اقرار کرتے ہوئے مسلم لیگ جماعتوں سے لیجلیحدگی میں اسوقت تک بے تعلق رہیں۔ تاوقتیکہ یہ اپنے اصول اور اعتقادات سے دستبردار اور اپنی جماعت اپنی پالیسی اور اپنے پروگرام سے کنارہ کش ہو کر کانگریس کے معاہدہ کو بلاچون وچرا اور بلا شرائط تسلیم نہ کرلیں۔ اس میں انہیں کامیابی نظر نہ آئی۔ پس اب وہ اس دُھن میں ہیں کہ مسلم جماعتوں کو اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ اپنے مسلمان لیڈروں کے قائم مقاموں کو رد کردیں اور یہ چند کانگریسی اعلیٰ وطن پرست امید رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ انکی رہبری قبول کرینگے ایسی صورت میں وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا اہتمام وہ بخوبی اور احسن طور سے انجام دینگے کیونکہ اقلیت کی حفاظت کا سوال ان گروہوں کی سمجھ میں بخوبی آسکتا ہے کیونکہ دال بھات کے دل خوش کن محاورے اردو زبان میں کچھ اعلانات ان کو دھوکہ دہی کی خاطر بطور دام بچھائے گئے ہیں۔ حالانکہ بصورتِ ثانی مسلمانوں کی قومی زبان ہندی ہونیوالی ہے۔"

ساتھ ہی ساتھ مسٹر جناح اور نوجوان راجہ امیر احمد خاں (محمود آباد) نے مسلم لیگ میں

تازہ روح پیدا کی مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہونے لگے چند ہی مہینوں میں مسلم لیگ کی قوت میں زبردست اضافہ ہوگیا اور اکتوبر ۱۹۳۷ء میں راجہ صاحب موصوف کی مساعی جمیلہ سے لکھنؤ میں جو شاندار اجلاس منعقد ہوا اس نے مسلم لیگ کی جدید حاصل شدہ قوت کو آنکھوں سے دکھایا راجہ صاحب نے مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے اپنے خطبہ صدارت میں موجودہ واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ :-

مسلمان بلکہ تمام انصاف پسند قومیں ابر اکبھر رہی ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ایک نازک سیاسی مرقع پیدا ہوگیا ہے جس جماعت کی اکثریت ہے وہ مسلم جماعت کے وجود تک کو تسلیم نہیں کرتی اور قومی ترقی کیلئے ہمارے رہنماؤں کے ساتھ اتحاد عمل کرنے پر تیار نہیں ہے آپ جو اسوقت یہاں موجود ہیں ان میں سے بہتوں نے آزادی ملک کیلئے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں ترک موالات کے زمانہ میں آپ میں سے بہتوں نے اپنی زندگانی کا بہتر حصہ قید خانوں میں گذارا ہے وہ لوگ جو آج یہاں موجود نہیں ہیں مگر انکی قربانیوں کی یاد احترام کے ساتھ ہمارے دلوں میں موجود ہے ان میں بہت سے لوگوں کو مجبوراً برادران وطن کے طرز عمل پر اظہار تاسف کرنا پڑا ہے۔ ہمنے اپنے برادران وطن کو بار بار یقین دلایا ہے کہ جنگ آزادی میں ہم انکے دوش بدوش کھڑے ہونے پر تیار ہیں۔ مگر ہم اپنی ہستی کو بالکل مٹا دینا نہیں چاہتے ہمنے ایک متحدہ محاذ کا مطالبہ کیا ہے مگر انہوں نے آزادی کی جنگ کو حصول حقوق کی کوشش میں تبدیل کردیا ہے لہٰذا ہمکو مجبوراً آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اپنی علیحدہ تنظیم کرکے اپنے تمدن اپنی زبان اپنے معاشرتی اور سیاسی حقوق کا تحفظ کرنا پڑا۔

ہم رجعت پسند قرار دئے گئے ہیں۔ ہمکو برا بھلا کہا گیا ہے اور ہم پر ذاتی حملے کئے گئے ہیں لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ آج یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے جو خیال اور عمل کی آزادی کا خواہاں نہ ہو اور جو ایک آزاد ملک میں رہنے کا خواہشمند نہ ہو۔

جو لوگ ہمکو رجعت پسند کہتے ہیں انکو یاد رکھنا چاہئیے کہ وہ مسلمانوں سے خطاب کررہے ہیں ان مسلمانوں سے کہ جنکے مذہب نے انہیں آزادی کی تعلیم دی ہے اور جسکے بغیر وہ دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے ہم اپنے ملک کیلئے آزادی چاہتے ہیں مگر اپنی جماعت کے آزادی کے بھی

خواہشمند ہیں یہ جمہوریت کا ایک ضروری جزو ہے کہ اقلیتونکو کافی نمائندگی حاصل ہو۔ اس کے بغیر حقیقی جمہوریت تو نہیں۔ جھوٹی نمائشی البتہ ممکن ہے مسلمانونکی شرکت کے بغیر کوئی سیاسی جدوجہد مناسب اور کافی طور سے عمل میں نہیں آسکتی۔ جب ہم قومی جنگ میں کود پڑے ہیں۔ ہندوستان کیلئے حکومت خود اختیاری عملی سیاسیات کے حدود میں آسکی۔

اس صوبہ میں گذشتہ انتخابات کے معاملہ میں مسلم لیگ کو قابل رشک کامیابی حاصل ہوئی مسلم لیگ کے نامزد کئے ہوئے ۲۹ امیدوار کامیاب ہوئے جھانسی کے ضمنی انتخابات میں مسلمانوں نے دکھا دیا کہ جب اپنے سے بہت بڑی طاقت کا مقابلہ پڑتا ہے۔ اس وقت ان کے جوہر کھلتے ہیں۔ لیگ کی ازسرنو تنظیم کے لئے ایک اسکیم ہمارے سامنے ہے میں پیشبندی نہیں کرسکتا کہ اس اسکیم کے متعلق ہم کیا فیصلہ کرینگے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ سے یہ امر پوشیدہ نہیں۔ کہ گذشتہ موقعہ پر جب مسلم لیگ کا دستور العمل بنایا گیا تھا اسوقت سے ملک کے سیاسی حالات بہت بدل گئے ہیں۔ لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی جماعت کو اسکے حقوق سے خبردار کردیں اور تمام مسلمانوں کو متحد کرکے ایک باقاعدہ منظم جماعت بنادیں۔ ملک بھر میں ضلعوار شاخیں کھلنا چاہئیں اور انکو ایک زندہ ہستی کی طرح مسلسل طور پر سرگرم عمل رہنا چاہیئے۔ حق انتخاب کی توسیع کے ساتھ لیگ کے مشن کو شہر شہر اور گاؤں گاؤں پہونچانا ضروری ہے۔ ان شاخوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے اور غرضمند حلقوں کی طرف سے مسلمانوں میں باہمی افتراق کی جو کوششیں کیجائیں انکو رد کرتے رہنا چاہیئے"۔

صدر لیگ مسٹر جناح نے اپنے پرزور و مبسوط خطبہ صدارت کی تمہید میں اپریل ۱۹۳۶ء کے اجلاس مسلم لیگ کی قرارداد کا اعادہ کرکے اور چند ہی مہینوں میں مسلم لیگ کی کامیابیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ :-

"جن جن صوبوں میں لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم ہوا اور جہاں جہاں ہمنے اپنے امیدوار کھڑے کئے ہر جگہ تقریبا" ۶۰ یا ۷۰ فیصدی ہمارے ہی امیدوار کامیاب ہوئے اور انتخابات کے بعد میں دیکھ رہا ہوں کہ تقریبا ہر صوبہ میں مدراس کے بعید ترین گوشہ سے لیکر سرحدی صوبہ تک سینکڑوں ضلع لیگ قائم ہوچکی ہیں گذشتہ اپریل سے تو بیش از بیش تعداد میں مسلمان لیگ کے

کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور مجھے کامل یقین ہے کہ جس وقت لیگ کے لائحہ عمل اور پروگرام کو وہ اچھی طرح سمجھ لیں گے تو اس وقت ہندوستان کی تمام اسلامی آبادی مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے کھڑی نظر آئے گی"۔

پھر انہوں نے کانگریس کے ادعائے آزادی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ :۔

"بعض حضرات کامل آزادی کی بحث کرتے ہیں۔ لیکن اس سے کیا حاصل کہ آپ کے لبوں پر تو کامل آزادی ہو۔ لیکن ہاتھ میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ لئے ہوئے ہوں"۔

پھر آزادی کے بلند بانگ دعووں کا پول کھولتے ہوئے کہا کہ " ہندوستان کو جس چیز کی اس وقت ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایک متحدہ سیاسی محاذ قائم کیا جائے اور اپنے مقصد میں ہم یکجہتی ہوں اور حکومت ملک کی اہل ملک کے ہاتھ میں ہو اور اہل ملک کیلئے ہو تو پھر آپ اپنی حکومت کا جو نام چاہیں رکھ لیں"۔

اس کے بعد قائدین کانگریس کی اس پالیسی پر کہ مسلمان مجبوراً کانگریس سے علیحدہ ہو جائیں۔ اور اس امر واقعہ کی طرف کہ کانگریسی حکومت کے صوبوں میں مسلمان انصاف و حق رسی کی امید نہیں رکھ سکتے کانگریس کی بے اصولیوں پر توجہ دلائی اور تمام حالات پر سیر حاصل بحث کی لیکن جن صوبوں میں کانگریس کی اکثریت نہ تھی۔ مثلاً صوبہ سرحد میں وہاں یہ مقدس اصول کہ " سب ایک ہی پارٹی کے ماتحت کام کریں غائب ہو گیا" اور کانگریس پارٹی کو دوسری جماعتوں سے ملنے اور اشتراک عمل کرنیکی اجازت دیدی گئی۔ کوئی فرد واحد مسلمان[1] جنے کانگریس پلیج پر دستخط کرنا اور کانگریس کا غلام ہونا منظور کر لیا فوراً اُسے عہدہ وزارت پیش کر دیا گیا

---

[1] صوبہ متحدہ میں۔ حافظ محمد ابراہیم۔ بمبئی میں مسٹر نوری۔ مدراس میں سیٹھ یعقوب حسن۔ صوبہ متوسط میں مسٹر شریف اسی طرح وزیر مقرر ہوئے۔ صوبہ بہار میں ڈاکٹر سید محمود تو پہلے سے کانگریسی تھے اڑیسہ میں ایک مسلمان محض اس قصور پر وزیر نہیں بنایا گیا کہ اس نے کانگریس کا مقابلہ کیا تھا۔ اور اس کے سوا کوئی قابلیت وزارت نہ رکھتا تھا۔

اور دنیا سے کہہ دیا گیا کہ ہماری وزارت میں مسلمان بھی وزیر ہیں۔ اس پر مطلق توجہ نہ کی گئی۔ کہ کونسل و اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی ایک بڑی اکثریت کا اسے اعتماد حاصل نہیں۔ اور نہ اسکی مسلمان ممبران کوئی عزت کرتے ہیں۔

ان وفادارانہ خدمات کے صلہ میں جو اس کانگریس کی ان حضرات نے اپنا سیاسی ایمان بیچ کر کی یہ حضرات دنیا کے سامنے بحیثیت مسلم وزیر کے پیش کئے گئے اور اپنی پارٹی اور قوم کے ساتھ انہوں نے جتنی غداری کی اتنا ہی زیادہ کانگریس کی طرف سے انعام ملا۔

ہندی تمام ہندوستان کی قومی زبان ہوگئی۔ "بندے ماترم" قومی ترانہ ہوگا۔ اور جبراً سب سے منوایا جائیگا۔ ہر شخص مجبور کیا جائے گا۔ کہ کانگریسی جھنڈے کی عزت کرے۔ اس کی فرماں برداری کرے۔

جس قوم کی اکثریت ہے اس کو ابھی ذرا سی قوت واقتدار نصیب ہوا ہے۔ لیکن ابتدا ہی میں اس نے بتا دیا۔ اور جتا دیا۔ کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لئے ہے صرف فرق اتنا ہے کہ کانگریس قومیت کا نقاب ڈالے ہوئے ہے مگر ہندو مہاسبھا مطلب کو چبا چبا کے نہیں کہتی۔ بلکہ صاف کہتی ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس کی موجودہ پالیسی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی قوموں کے آپس میں تعلقات ناخوش گوار ہوتے چلے جائینگے تلخی بڑھتی جائیگی ایک فرقہ دوسرے فرقے سے آمادہ جنگ وپیکار رہیگا۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ شہنشاہیت کا استبدادانہ تسلط ہم پر قوی تر ہوجائیگا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملہ میں برٹش گورنمنٹ کانگریس کو بالکل آزاد وخود مختار چھوڑ دیگی۔ کیونکہ ان خانہ جنگیوں اور منافشات کی اسے ذرا بھی پرواہ نہیں۔ برخلاف اس کے جبتک شہنشاہی مفاد یا دوسرے قسم کے مفاد پر کوئی اثر نہ پڑے اور ہندوستان کی محافظت ومدافعت ان کے قبضہ اقتدار میں رہے وہ ان تمام مناقشات کو اپنے مفید مطلب ہی سمجھیگی۔ مگر میرا خیال ہے کہ کانگریس ملک میں جب نا اتفاقی اور پھوٹ کی تخم ریزی کر چکیگی۔ اور ایک متحدہ محاذ کا وجود میں آنا مشکل ہو جائیگا۔ اس وقت خیالات ایک عظیم الشان پلٹا کھائیں گے۔ اور ایک مہیب ردِ عمل ظہور پذیر ہوگا۔

بے موقعہ نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ جن تباہ کن اور خوفناک نتائج کا امکان ہے اگر وہ رونما

ہوئے تو اسکی ذمہ داری اسکی مسئولیت برٹش گورنمنٹ پر کچھ کم نہ ہوگی کانسٹیٹیوشن میں گورنر جنرل اور صوبے کے گورنروں کو خاص اختیارات دیئے گئے ہیں جنکی رُو سے اقلیتوں کے حقوق کی محافظت کی خاص ذمہ داری عاید کیگئی ہے۔

اس زمانہ میں جبکہ کانگریس پارٹی یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ اس کی وزارت سے کسی قسم کی مداخلت نہ کیجائے۔ لارڈ زٹلینڈ سکریٹری آف اسٹیٹ نے ان ذمہ داریوں پر بہت زور دیا تھا۔ اور ان کا بار بار اعادہ کیا تھا۔ اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ نہ گورنر اور نہ صوبہ کے گورنر ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ کانسٹیٹیوشن کی اسپرٹ اور گورنروں کیطرف سے جو ہدایت نامے جاری ہوئے انکی خلاف ورزی کر کے مسلمان وزرار مقرر کیئے گئے ہیں۔ اس خلاف ورزی میں گورنر اور کانگریس برابر کے شریک ہیں۔ ایسے مسلمانوں کو وزیر مقرر کر کے گورنروں نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ کانگریسی حکومت کے ہمنوا ہیں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان مسلمان وزرار پر نہ کونسل کے مسلمان ممبران کا اعتماد حاصل ہے نہ کونسل سے باہر عامتہ الناس کا۔ اقلیتوں کے حقوق کی محافظت کا فرض برٹش گورنمنٹ نے ایک مقدس فرض سمجھ کر اپنی گردن پر لیا تھا۔ اس فرض کے ادا کرنے سے صوبہ کے گورنر قطعاً عاجز و قاصر و بے پرواہ رہے۔

جب اتنے اہم فرض کو وہ ادا نہ کر سکے تو سینکڑوں وہ باتیں جو سطح تک نہیں آئیں اور جنکا علم روزانہ کے حکومت کی یا کونسلوں کی کارروائیوں میں نہیں ہوتا۔ ان پر کیا توجہ کی جاسکیگی یہ حالات نہایت فکر و اندیشہ سے مطالعہ کرنے کے قابل ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوگا کہ واقعات کا رُخ کدھر ہے میری مسلمانوں سے عرض یہ ہے کہ قبل اس کے کہ حالت تیر از کمان جستہ و آب از جو رفتہ کے مصداق ہو جائے وہ معلوم کر لیں کہ ان کیلئے راہ عمل کیا ہے اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ سارا وقت اور اپنی ساری ہمت اپنی تنظیم بڑھانے پر صرف کر دیں اور دیگر معاملات سے قطع نظر کریں۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں تفرقہ ہے ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جو برٹش گورنمنٹ کی طرف اپنا رخ کئے ہوئے ہے۔ اگر اس کے نتائج سے وہ بے خبر رہے تو ہوتا ماید

بے خبر رہیگا۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرتے ہیں۔ ایک دوسرا گروہ ہے جس کا رُخ کانگریس کی طرف ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اوپر بھروسہ نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اپنے اوپر بھروسہ کریں۔ اور اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں۔ ہمیں وہ آدمی چاہئیں جو مضبوط ارادے مضبوط ہمت، مضبوط ایمان کے مالک ہوں۔ اور جس بات کو امر حق سمجھتے ہوں۔ اس کے لئے تن تنہا جنگ کرنے کیلئے تیار ہوں، گرچہ بظاہر ساری دنیا ان کے خلاف نظر آتی ہو۔ ہمیں اپنے میں قوت اور عزم بالجزم پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تا آنکہ مسلمانوں کی پوری تنظیم ہو جائے۔ اور ان میں وہ زور و قوت پیدا ہو جائے۔ جو ایک متحد الرائے متحد الارادہ جماعت میں ہوتا ہے۔

اکثریت سے کسی سمجھوتہ یا مفاہمت کا امکان نہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کا کوئی لیڈر جو صاحب اثر و اختیار ہو نہ اسکی طرف کوئی توجہ کرتا ہے نہ اس کے لئے خلوص دل سے تیار ہے باعزت سمجھوتہ برابر کے فریقین میں ہوتا ہے۔ اور تا وقتیکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی عزت اور طاقت محسوس نہیں کرنے لگتے سمجھوتہ کی کوئی صورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ کمزور جماعت کی طرف سے صلح جوئی کے معنی اعتراف کمزوری اور اپنے حقوق میں مداخلت کی دعوت ہوا کرتی ہے۔ حب الوطنی حق و انصاف کے نام پر اپیل بالکل بیکار ثابت ہوا کرتی ہے اور اس کو سمجھنے کیلئے سیاسی دور بینی کی ضرورت نہیں کہ تمام تحفظات و معاہدے ایک ردی کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اگر ان کی پشت پناہ طاقت نہ ہو۔

سیاست کے معنی ہیں طاقت نہ کہ حق و انصاف! اور کسی کی نیک نیتی پر بھروسہ۔ دنیا کی اقوام کو دیکھئے اور سمجھئے کہ کیا ہو رہا ہے جبش کا کیا حشر ہوا۔ چین اور اسپین کا کیا حال ہو رہا ہے اور فلسطین کا تو کچھ ذکر ہی نہیں جسکے متعلق میں ابھی ذکر کرونگا۔

کانگریس کے ارباب بست و کشاد مختلف آوازوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ وہ مختلف الآراء ہیں ایک کی رائے میں ہندو مسلم کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اور ملک میں کوئی شے اقلیت کے نام سے نہیں دوسرے کی رائے میں مسلمانوں کی موجودہ پراگندہ اور غیر منظم صورت حال میں ان کو بہلانے اور پھسلانے کیلئے صرف یہی کافی ہوگا۔ کہ ان کی طرف روٹی کے چند ٹکڑے پھینک دیے جائیں۔ وہ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرح دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ اب زندہ رہنے کیلئے آئی ہے اور وہ ہندوستان کی سیاسیات میں پورا حصہ لے گی۔ اور جتنی جلدی اسکی اہمیت کا صحیح اندازہ لگایا جائیگا اور سمجھ لیا جائیگا اسی قدر یہ تمام دوسری جماعتوں کے لئے بھی بہتر ہوگا۔ ایک تیسری رائے کا یوں اظہار کیا جاتا ہے کہ ہر طرف تاریکی اور اندھیرا ہے اور کوئی شعاع امید نظر نہیں آتی لیکن جیسے جیسے کانگرس طاقت حاصل کرتی جاتی ہے وہ اپنے سادہ حکموں کے پرانے وعدے بھولتی جاتی ہے اور انہیں پورا نہیں کرتی۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان اس صورت حال پر غور کریں اور اپنی قسمت کا فیصلہ ایک متحدہ لائحہ عمل بنا کر کریں جس پر نہایت وفاداری سے تمام ہندوستان میں عملدرآمد کیا جائے کانگریسی مسلمان شدید غلطی کرتے ہیں جب وہ مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ غیر مشروط طور سے کانگرس میں ضم ہو جائیں اس سے بڑھ کر شکست خوردہ ذہنیت کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور اس سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ اور کیا دشمنی و غداری ہو سکتی ہے اگر اس پالیسی پر عمل کیا گیا تو میں آپ کو متنبہ کئے دیتا ہوں کہ مسلمان اپنے محضر قتل نامہ پر خود مہر لگا دیں گے۔ اور پھر وہ ملک اور حکومت کی قومی زندگی میں جماعتی حیثیت سے خود فنا ہو جائینگے صرف ایک صورت مسلمانوں کو بچا سکتی ہے اور ان کی گئی ہوئی طاقت انکو واپس دلا سکتی ہے کہ وہ اپنی گمشدہ روح کو پھر بیدار کریں پھر حاصل کریں اور اس اعلیٰ و ارفع اصول پر ثابت قدمی سے کار بند ہوں جو ان کے باہمی اتحاد اور انکو ایک شیرازہ میں منسلک کرنے کی بنیاد ہیں۔ ان آوازوں اور طعنوں سے ذرا بھی متاثر نہ ہونا چاہیئے جو مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جاتے ہیں مثلاً "فرقہ پرست" "ٹوڈی" "یا رجعت پسند"۔ دنیا بھر کا بدترین "ٹوڈی" اور تر بدترین "فرقہ پرست" جب آج کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اپنے ہی بھائیوں کو لعنت ملامت کرنے لگتا ہے۔ تو کل ہی وہ قوم پرستوں کا سردار بنا دیا جاتا ہے یہ آوازے، طعنے اور گالیاں صرف اسوجہ سے استعمال کیجاتی ہیں کہ مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا ہو جائے وہ اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگیں۔ انمیں آپس میں تفرقہ پڑ جائے اور وہ ساری دنیا میں بدنام ہو کر مشہور ہو جائیں۔ یہ محض پروپیگنڈہ ہے اور ہمیں اسے انتہائی نفرت و حقارت سے ٹھکرا دینا چاہیئے ....

آل انڈیا مسلم لیگ نہایت ثابت قدمی سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا

چاہتی ہے یہی اس کا سب سے اولین اور بنیادی اصول ہے اور یہی اس کے وجود میں آنے کی غرض و غایت ہے۔ کانگریس لیگ اور اس کے معاونین سے محض اسی لئے ناراض ہے۔ ورنہ ہم کون ایسا کام کر رہے ہیں جس پر کانگرس کو اعتراض ہو آج خود کانگرس وہی کر رہی ہے جسے کرنے کا مسلم لیگ نے چند سال پہلے فیصلہ کیا تھا۔ لیگ ہرگز یہ نہیں دیکھ سکتی کہ حکومت برطانیہ یا کسی دوسری پارٹی کے ہاتھوں مجلس قانون ساز میں یا باہر مسلمان دوسروں کے اغراض و مقاصد کیلئے قربان کر دیئے جائیں۔

کانگریس نے اپنی تمام لن ترانیوں کے باوجود گذشتہ سالوں میں کچھ نہیں کیا مسلمانوں کیلئے وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے دلوں میں اعتماد و احساس و طمانیت کے جذبات پیدا کرنے سے قاصر رہی۔ کانگریس نے مسلم عوام سے ربط ضبط پیدا کرنے کے پردہ میں یہ کوشش کی کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ وہ کمزور اور منتشر ہو جائیں اور اپنے سالہا سال کے خدمتگذار قائدین سے بدظن ہو جائیں یہ کانگرس کی ایک خطرناک چال ہے اور یہ کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ اس قسم کی گھاتیں باوجود مختلف قسم کی آوازوں۔ طعنوں۔ نعروں کے کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

ایمانداری اور نیک نیتی کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ صرف یہ کہ اقلیتوں کے جائز مطالبات پورے کر دیئے جائیں۔ بھوک اور افلاس کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں اشتراکی اور بالشویک خیالات پیدا ہوں۔ اس کے واسطے ابھی ملک تیار نہیں موجودہ صورت میں مسلم لیگ کی رائے میں سول نافرمانی کی پالیسی بالکل بیکار اور خودکشی کے مترادف ہے اس قسم کی دو تحریکیں بالکل ناکامیاب ثابت ہوئیں اور انکو عوام سے بہت زیادہ مشکلات اور مصائب برداشت کرنا پڑیں اور سالہا سال کی اس قسم کی بیکار محض کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو پہلے سے بھی رجعت آمیز آئین دیا گیا۔ اور کانگرس اب اس آئین پر خود عمل پیرا ہے۔

کسی رزولیوشن کے ذریعہ سے گورنر جنرل سے کہنا کہ وہ وزیر ہند سے استدعا کریں کہ ایک کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی (ہر بالغ کو حق رائے دہندگی دیکر) طلب کی جائے۔ سب سے بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان میں واقعات کو اصلی رنگ میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں۔

کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی وہ جماعت ہوتی ہے جو اس لئے طلب کی جاتی ہے کہ ملک کا قانون اساسی بنائے ۔ یہ اسمبلی صرف اسی وقت وجود میں آسکتی ہے جبکہ وہ حکومت کی طرف سے وجود میں آئے اور ان لوگوں پر مشتمل ہو جو عوام کے منتخب نمایندے ہوں اور جنکو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ اپنی رائے کے مطابق ملک کا آئین حکومت مرتب کریں اور جس وقت ملک کا دستور اساسی مرتب ہوجائے وہ دستبردار ہوجائیں اور ان کا بنایا ہوا آئین نافذ ہوجائے ۔ ہر بالغ کو اختیار رائے دہندگی دیکر رائے دہندگان کی فہرست کون مرتب کریگا ۔ اور کتنے رائے دہندگان کے کتنے نمایندے منتخب کئے جائینگے ۔ قانون کس کے ہاتھ میں ہوگا ؟ اور کون اسکا انتخاب کرائیگا جو اپنی پسند کے مطابق آئین کو مرتب کریگی ! یہ سب لوازمات کون عمل میں لائیگا ۔ اور اقلیتوں کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوگا ؟

کیا کانگرس سنجیدگی سے اسکو باور کرسکتی ہے کہ وزیر ہند یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہوجائینگے ۔ جبکہ چند ہی دنوں پیشتر حکومت برطانیہ کے نمایندے جنکو کامل اختیارات ہیں ۔ یعنی ہز اکسیلنسی وائسرائے نے کہا کہ انہیں کامل توقع ہے کہ وہ مستقبل قریب ہی میں ہندوستان میں فیڈریشن قائم کرنیمیں کامیاب ہوجائینگے اور یہ کہ جب وہ ہندوستان آئے تھے تو انہوں نے اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ صوبوں میں حکومت خود اختیاری قائم ہوجانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں فیڈریشن قائم ہوجائے گی ۔ اٹھارہ مہینے کے تجربہ کے بعد فیڈریشن قائم ہوجائیگی توقع یقین میں تبدیل ہوگئی ۔ ملک کی حالت کا بحیثیت مجموعی اندازہ کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کانگریس حاکمانہ اقتدار سے ابھی بہت دور ہے اور گورنمنٹ برطانیہ کے متعلق یہ توقع کرنا کہ وہ اس جماعت کو طلب کریگی جو قانون اساسی کے سارے واقعات سے چشم پوشی کرلیتا ہوگا اور یہ امید کہ کانگرس میں قابلیت سے اس مقصد کو حاصل کرا سکیگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ خلاف واقعہ محض قیاس آرائی ہے ۔ کانگرس کو سب سے پہلے تو ملک کی بڑی قوموں اور بڑے بڑے طبقوں کے مفاد کو اپنے زیر قیادت لانا ہے ایک بیرونی حکومت سے جو اس ملک میں سر پر آرائے تخت وسلطنت ہے کہ وہ ایک قسم کی آئینی اسمبلی طلب کرے اور قبل اس کے کہ فرقہ وارانہ مسائل کا کوئی بھی تصفیہ ہو اور قبل اس کے کہ ہندوستان کی بڑی قوموں نے کانگرس کی لیڈری قبول کی ہو ۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ گاڑی کے پیچھے گھوڑا جوتا جائے ۔ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کی آبادی کا ملیہ حصہ بالکل ایک جداگانہ حیثیت اور نوعیت رکھتا ہے ۔ یعنی وہ آبادی جو کہ ہندوستانی

ریاستوں میں آباد اور ریسی فرمانرواؤں کے زیر اثر ہے بے نتیجہ کوشش کرنے یا بالفاظ دیگر بالو میں ہل چلانے کے بجائے کانگریس کو کم از کم اس ایک چیز کی طرف اپنی تمامتر توجہ کو مبذول اور مرکوز کرنا چاہیئے اور اسکی کوشش کرنا چاہیئے کہ آل انڈیا فیڈریشن اسکیم کو جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں شامل اور موجودہ مرکزی آئین سے کہیں زیادہ مرتجانہ ہے وہ کسی طرح عملی جامہ اختیار نہ کر سکے۔ اسلئے کہ وہ لوگ جو حکومت برطانیہ کی طرف سے ذمہ دارانہ اختیار رکھتے ہیں یہ چیز پورے زور اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ کہ فیڈریشن کی اسکیم عنقریب جامۂ عمل پہننے والی ہے۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ تن تنہا اپنی جماعتی جمعیت سے اسکو روک سکتی ہے یا وہ کوئی دوسرا فارمولا سوچ رہی ہے یا اس نے یہ طے کر لیا ہے کہ خاموشی کے ساتھ جو کچھ سامنے آئے اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرے جیسا کہ وہ ابھی صوبوں کی خود اختیاری کے سلسلہ میں کر چکی ہے۔ کہ اس کے چوٹی کے لیڈران اس کے خلاف چیختے اور چلاتے رہے اور اس نے اسے قبول کر لیا۔

اسی اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل قرار پائے

(۱) ہندوستان میں کامل آزاد وفاقی جمہوری ریاستوں کا قیام جس کے دستور میں مسلمانوں کے اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی مؤثر اور مکمل حفاظت کیجائے۔

(۲) ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی حقوق و مفاد کی ترقی اور حفاظت کرنا۔

(۳) دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا۔

(۴) مسلمانان ہند کی باہمی نیز دیگر ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ رشتۂ اخوت قائم واستوار کرنا۔

۱۹۳۸ء کے اواخر میں لارڈ لوتھین نے ہندوستان کا دورہ کیا جنہوں نے دستور جدید کی ترتیب و تسوید میں کام کیا تھا کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے ہر فرقہ کے سیاسین سے ملاقاتیں کیں اور ان کے ساتھ ذخیرہ معلومات لے کر لوٹے اور ہندوستان کی سیاسیات پر ایک طویل مضمون لکھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ۔

ہندوستان کی صورت حال سے متعلق۔ کانگریس کے علاوہ جسکا تذکرہ پچھلے ہفتہ کیا گیا تھا اور خاص عناصر ہیں۔ وہ دو عناصر مسلمان اور والیان ریاست ہیں۔ جدید دستور کے نفاذ کی

مسلمان قوم میں ایک نہایت اہم حرکت پیدا کردی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اب آٹھ کروڑ سے زیادہ ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ گیارہ صوبوں میں سے چار صوبوں میں مسلمانوں کو عملاً مستقل قابو حاصل ہے اور دوسرے صوبوں کے اندر نیابت کے سلسلے میں تعداد سے زیادہ حق حاصل ہے اور ووٹ بھی جداگانہ حلقوں کی صورت میں دیتے ہیں یہ بھی صحیح ہے کہ معاشرتی اصلاح حال سے متعلق مسلمانوں کے پروگرام اور کانگریس کے پروگرام میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ البتہ مسلمان سول نافرمانی کے اصول کو مسترد کرتے ہیں حال میں مسلم لیگ نے بھی اعلان کردیا ہے کہ ہندوستان کی منزل مقصود آزادی ہے لیکن مسلمان اس بات کو ہرگز فراموش نہیں کرسکتے کہ روشن خیال اہل کانگریس کے غیر فرقہ وارانہ دعاوی اور حقیقی خواہشات خواہ کچھ ہوں، لیکن کانگریس کے ممبروں کی زبردست اکثریت ان ہندوؤں پر مشتمل ہے جو مسلمانوں اور برطانیہ کی صدیوں کی حکومت کے بعد اب ہندو راج کے قیام کے منتظر ہیں۔"

مسلمانوں کے اندیشے اور انکی تنظیم

"مسلمانوں کو ایک اقلیت کی حیثیت سے اپنے مستقبل کے متعلق خطرہ ہے پھر ایک واقعہ یہ ہے کہ کانگرس ایک طرف نوجوان مسلمانوں کو اپنے عقیدہ قومیت متحدہ ہندیہ پر لاڈالنے کیلئے پرجوش کوشش کررہی ہے اور دوسری طرف وہ مسلمان کسانوں کو اپنے زرعی پروگرام کا گرویدہ بنانا چاہتی ہے۔ ان چیزوں نے مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت کو ایک از سرنو زندہ پارٹی کی صورت میں مستحکم بنادیا ہے اس پارٹی کا نام مسلم لیگ ہے اور مسٹر جناح اس کے لیڈر ہیں۔ معناً مسلمانانِ ہند کی پوزیشن ویسی ہی ہے جو آئرلینڈ میں السٹر کی ہے ایک سیاسی اقلیت کی حیثیت سے انکی تنظیم کی حقیقی بنیاد مذہب کا اختلاف ہے اور اگر یورپ کا تمام تجربہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ تو قبل اسکے کہ ہندوستان کے منظر سے فرقہ وارانہ عنصر دور ہو۔ طویل مدت گذریگی۔ فیڈریشن پر مسلمانوں کو ایک ہی اعتراض ہے، جو یہ ہے کہ تمام تحفظات کے باوجود فیڈریشن کے ذریعہ سے مرکزی وفاقی حکومت میں ایک مستقل ہندو اکثریت مستحکم ہوگی۔"

بابؔ یازدھم

ہنوز سنیٹرل اسمبلی میں جوائنٹ پارلیمنٹری کیٹی کی رپورٹ پیش نہ ہوئی تھی۔ کہ بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس نے مسٹر جناح سے ایک ایسے سمجھوتہ کے متعلق جو کمیونل اوارڈ کا بدل ہو سکے ذاتی حیثیت سے مذاکرات شروع کئے۔

مسٹر جناح نے مسلمانوں کا یہ نقطۂ نظر پیش کیا کہ کمیونل اوارڈ کو پہلے اسوقت تک کیلئے عارضی طور پر منظور کر لینا چاہیئے۔ جبتک دونوں قوموں میں کسی نعم البدل پر اتفاق رائے نہو۔ دوسرے یہ کہ ہمیں صوبجاتی دستور اساسی کو وہ جس قابل بھی ہے استعمال کرنا چاہیئے اور اپنی جد و جہد اس وقت تک جاری رکھنا چاہیئے۔ جب تک اہل وطن کے اطمینان کے قابل دستور اساسی حاصل نہو جائے

مسٹر جناح نے صاف طور پر یہ بھی کہدیا کہ راجندر پرشاد وغیرہ مخلوط انتخاب کی بنیاد پر کوئی ایسا بدل پیش کریں جو بمقابلہ موجودہ کمیونل اوارڈ کے مسلمانوں کے مفاد کو زیادہ محفوظ رکھ سکے اور زیادہ بہتر ہو تو میں اس پر غور کر سکتا ہوں اور نعم البدل اقوام متعلقہ مثلاً ہندوؤں اور سکھوں کی تائید کے ساتھ پیش ہو تب میں اسے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں بلا تاخیر پیش کر دونگا۔

لیکن قبل ازیں کہ ایسا فارمولا یا نعم البدل پیش ہو بنگال کے کانگری لیڈروں نے شدید اختلاف کیا۔ اور پنجاب کے مہاسبھائیوں نے شورش کی چنانچہ یہ مذاکرات بے نتیجہ رہے۔

انتخابات کے بعد جو فضا قائم ہوئی اس میں پنڈت **جواہر لال** نہرو نے بحیثیت صدر کانگرس اپنی پوری ذمہ داری کے ساتھ بانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ اقلیتوں کے مفاد و حقوق یا ان کے تحفظ کے متعلق گفتگو کرنا بھی حماقت ہے۔ نیز یہ کہ کانگریس نے کمیونل اوارڈ کو درہم برہم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے کیونکہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔"

پھر یہ بھی کہا گیا کہ اگر مسلمان سمجھوتہ کرنا چاہیں تو ہندو سبھا سے درخواست کریں۔

مسلم ماس کنٹکٹ (رابطہ عوام مسلمانان) کی تحریک زور شور سے جاری کی گئی صوبہ متحدہ میں **مولانا حسین احمد** صاحب مسلم لیگ سے کنارہ کش ہی نہیں بلکہ اس کے مخالف بنکر کانگریس کے

میں جاملے اور اس صلہ میں ان کے رفیق خاص **حافظ محمد ابراہیم** کو وزارت ملگئی اسی طرح مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی خود مسلمان شرکائے کانگرس کی طرف سے کوششیں شروع ہوگئیں تاہم طرفین میں کچھ خفیف کوشش تصفیہ اور سمجھوتہ کی بھی جاری تھی اور کبھی کبھی اخبارات میں اس پر بحث بھی چھڑ جاتی تھی۔ راجندر بابو نے ۱۹۳۵ء کی دعوت صلح کو "کھلاڑیوں کی پیش کش" سے تعبیر کرکے سمجھوتہ نہ ہونے کا سارا الزام مسٹر جناح کے سر ڈالا لیکن فوراً ہی بنگال کے کانگریسیوں نے ایک بیان اس کے خلاف شائع کردیا۔ پھر مسٹر جناح کو یہ دھمکی بھی دی گئی۔ کہ اگر انہوں نے راجندر بابو کی اس پیشکش کو منظور نہ کیا۔ تو صوبہ متحدہ کے چند ارکان مسلم لیگ سے مستعفی ہوجائیں گے۔

اس قسم کی دھمکیوں اور کارروائیوں نے اس امر کا شبہ پیدا کردیا۔ کہ تصفیہ و صلح کی خواہش صادق نہیں بلکہ یہ ساری جدوجہد مسلمانوں میں تفرقہ اور مسلم لیگ میں پھوٹ ڈالنے۔ اور اتحاد و اسلامی پر ضرب کاری لگانے کے لئے ہے۔

ان حالات میں مئی ۱۹۳۷ء میں مسٹر جناح اور وزیر اعظم بمبئی کی ملاقات ہوئی اور سلسلہ گفتگو میں مسٹر جناح نے ان کے ذریعہ سے مسٹر گاندھی جی کو یہ پیغام بھیجا کہ اس سوال کو وہ اپنے ہاتھ میں لیں اور اپنے سارے اثرات سے کام لیکر مصالحت کی کوشش کریں۔ لیکن گاندھی جی کی طرف سے یہ تحریری جواب موصول ہوا کہ۔

"میری خواہش ہے کہ میں کچھ کرسکتا لیکن میں بالکل بے بس ہوں۔ اتحاد کے بارے میں میرا عقیدہ ہمیشہ کی طرح اب بھی واضح اور روشن ہے۔ البتہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مجھے روشنی کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ اور اس مصیبت میں روشنی حاصل کرنے کے لئے خدا تعالےٰ سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں۔"

ان مذاکرات کے دوران میں مسلم لیگ روز افزوں طاقت حاصل کررہی تھی تا آنکہ ۱۷ اکتوبر کو اس کا لکھنؤ میں نہایت شاندار اجلاس منعقد ہوا۔

مسٹر جناح کا خطبہ صدارت ۱۹ اکتوبر تک عرض وطول ہند میں شائع ہوگیا۔ واردھا میں گاندھی جی نے بھی اسکو پڑھا۔ جس سے ان کے سامنے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ اور انہوں نے فوراً مسٹر جناح کو ایک خط لکھا اور مذکورہ بالا خط کی اشاعت کا شکوہ کرکے ا۔۔ کر

خطبہ صدارت کو اعلان جنگ سے تعبیر کیا اور اپنی پوزیشن ہندو مسلمانوں کے درمیان ایک پل کی قرار دی۔ اس خط میں یہ فقرہ بھی تھا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ آپ کوئی درمیانی واسطہ نہیں چاہتے اس پر مجھے افسوس ہے جھگڑا دو فریق کے درمیان ہوتا ہے اگر میں صلح ساز نہیں ہو سکتا ۔ تب بھی آپ مجھے ایک فریق نہیں پائیں گے ۔"

مسٹر جناح نے ۱۵ ر نومبر کو جواب لکھا اور اس خط کی اشاعت کے متعلق اپنے کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اپنی تقریر کو حفاظت خود اختیاری کے مرادف بتایا اور توجہ دلائی "کہ کیا آپ نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ ان تمام مہینوں کے دوران میں آپ کی کامل خاموشی نے بتا دیا ہے کہ آپ کانگرس کی قیادت سے وابستہ ہیں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ اس جماعت کے چار آنہ والے ممبر بھی نہیں گاندھی جی نے اس کے جواب میں ۳ فروری ۱۹۳۸ء کو جو خط لکھا ۔ اس میں اپنی خاموشی کے متعلق اپنے اولیں خط کی طرف اشارہ کر کے یقین دلایا کہ "جو وقت میں کوئی ایسی بات کر سکونگا کہ دونوں قومیں ملجائیں ۔ تو دنیا میں کوئی چیز مجھے ایسا کرنے سے باز نہ رکھ سکیگی " تاہم ہی خطبہ کے بارہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کر کے اس کو اعلان جنگ ثابت کرنے سے معذوری ظاہر کی " پھر کہتے ہیں کہ ۔

"آپ کی تقریروں میں میں پرانے نیشلسٹ کے جذبات نہیں پاتا ۱۹۱۵ء میں جب میں جنوبی افریقہ سے خود اختیار کردہ جلاوطنی کے بعد واپس آیا تھا ۔ اسوقت ہر شخص یہ کہتا تھا کہ مسٹر جناح پکے سے پکے نیشلسٹوں میں سے ہیں اور ہندو مسلمان دونوں کی امیدگاہ ہیں کیا آپ اب بھی وہی مسٹر جناح ہیں ۔ اگر اپنی تقریروں کے باوجود آپ فرمائیں کہ ہاں میں وہی ہوں تو میں آپ کی بات ضرور قبول کر لونگا ۔ آخری بات یہ ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں کوئی تجویز پیش کروں ۔ میں اس کے سوا کیا پیش کر سکتا ہوں کہ دوزانو ہو کر آپ سے درخواست کروں کہ آپ وہ ہی رہیں ۔ جو میں سمجھتا تھا ، لیکن دونوں قوموں کے درمیان اتحاد کی بنیاد بننے والی تجویزیں یقیناً آپ کی طرف سے پیش ہونی چاہئیں ۔"

مسٹر جناح نے ۱۵ ر فروری کو اس خط کا جواب دیا جس میں گاندھی جی کے فقرات کا حوالہ دیکر لکھا کہ "آپ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی خاموشی کی شکایت کی ۔ ہاں میں اس کی شکایت کرتا ہوں

آگے چلکر آپ کہتے ہیں کہ جس وقت میں ایسی بات کر سکوں گا کہ دونوں قومیں مل سکیں تو دنیا میں کوئی چیز مجھے ایسا کرنے سے باز نہ رکھ سکیگی" اب میں آپ کے ان الفاظ سے کیا سمجھوں بجز اس کے کہ وہ وقت ابھی نہیں آیا ہے یہی آپ کی یہ رائے کہ میری لکھنؤ کے اجلاس والی تقریر اور میری بعد کی تقریریں اعلان جنگ ہیں، میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ چیزیں حکومت خود اختیاری کا حکم رکھتی ہیں بظاہر آپ واقف نہیں کہ کانگریسی اخبارات میں کیا ہو رہا ہے اور آپ نہیں جانتے کہ ان میں روزانہ مجھے کسقدر بدنام کیا جا رہا ہے۔ اور کتنا جھوٹ بولا جاتا ہے اگر آپ ان چیزوں سے واقف ہوتے تو یقین ہے کہ مجھے الزام نہ دیتے"۔

پھر مسٹر جناح سوال کرتے ہیں کہ آیا آپ ان تمام باتوں کے کہنے میں حق بجانب ہیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ لوگ سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ کے متعلق کیا کہتے تھے اور اب آپ کے متعلق کیا کہتے اور سمجھتے ہیں۔

قوم پروری کسی فرد واحد کا اجارہ نہیں ہے اور آجکل قوم پروری کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن میں اس بحث کو آگے بڑھانا نہیں چاہتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی اپیل ورکار نہ تھی اور اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ آپ دوزانو ہو کر مجھے تلقین فرمائیں کہ میں وہی رہوں جو آپ نے مجھے سمجھ رکھا تھا۔ جہانتک ان تجویزوں کی تشکیل کا تعلق ہے۔ جو بنیاد اتحاد ہونگی کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کام خط و کتابت سے ہو سکتا ہے یقیناً جسقدر میں جانتا ہوں۔ اسی قدر آپ بھی جانتے ہیں کہ بنیادی نقطہائے متنازعہ کیا ہیں۔ میرے رائے میں اسی قدر آپ کا بھی کام ہے کہ اس مسئلہ کو چھیڑنے کے طریقے اور وسائل پیش کریں اگر آپ صادقانہ و مخلصانہ خواہش رکھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ اب آپ کے ہاتھ ڈالنے کا وقت آگیا ہے اور اپنی پوزیشن اور اثر کے ساتھ معاملہ کو جوش و جذبہ کے ہاتھ میں لینے کو تیار ہیں۔ تو جو امداد بھی میں دے سکتا ہوں اس سے دریغ نہ کرونگا۔

اس تمہیدی مراسلت کے بعد گاندھی جی نے بالمشافہ ملاقات میں تبادلہ خیالات کرنا چاہا اور سیگاؤں (واردھا) میں مدعو کیا اور لکھا کہ۔ جہاں تک میرا تعلق ہے ہندو مسلم مسئلہ پر میں ڈاکٹر انصاری سے رہنمائی حاصل کیا کرتا تھا لیکن اب جبکہ ڈاکٹر انصاری ہمارے درمیان

نہیں ہیں تو میں نے مولانا **ابوالکلام** آزاد کو اپنا رہنما بنالیا ہے لہٰذا میری تجویز آپ کے سامنے یہ ہے کہ پہلے آپ کے اور مولانا صاحب کے درمیان گفتگو ہونی چاہیئے۔ لیکن ہر حالت میں میری خدمات آپ کو حاصل رہیں گی۔"

مسٹر جناح کا جواب حسب ذیل تھا:۔

"آپ کا ۲۴ر فروری ۱۹۳۸ء کا خط موصول ہوا۔ افسوس کہ جواب میں دیر ہوئی۔ کیونکہ میں علیل تھا۔ آپ کے خط میں لبیک کی آواز نہیں پاتا۔ کہ آیا آپ کی رائے میں اب آپ کو روشنی دکھائی دیتی ہے اور وقت آگیا ہے اگر ایسا ہے تو دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا آپ معاملہ کو جوش و جذبہ کے ساتھ ہاتھ میں لینے کیلئے تیار ہیں تیسری بات یہ ہے کہ جب آپ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ڈاکٹر انصاری زندہ نہیں ہیں اسلئے مولانا ابوالکلام آزاد سے رہنمائی حاصل کرینگے تو آپ کو ان باتوں سے مجھے آپکے طرز عمل اور ذہنیت کی کسی تبدیلی کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر آپ نے یہ راستہ اختیار کیا تو اسی المناک تاریخ کا اعادہ کرینگے جو اسوقت ظہور پذیر ہوئی تھی جب آپنے کہا تھا کہ میں تو ماننے کو تیار ہوں لیکن کیا کروں ڈاکٹر انصاری نہیں مانتے لہٰذا مجبوری ہے جیساکہ آپ کو معلوم ہے یہ سب کچھ گول میز کانفرنس میں آپ کے تشریف لیجانے سے پہلے ہوا تھا۔ گول میز کانفرنس میں بھی آپنے اسی کا اعادہ کیا کہ آپ خود تو مشروط طریقہ پر بعض شرطیں ماننے کے لئے تیار دکھائی دیتے تھے لیکن اس موقع پر بھی آپنے یہی کہا کہ میں مجبور ہوں کیونکہ ہندو نہیں مانتے اور اگر ہندو اور مسلمان کوئی سمجھوتہ کرلیں تو کانگریس کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

اب ہم ایک ایسی منزل پر پہونچ گئے ہیں کہ اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہنا چاہیئے کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی واحد مستند اور نمائندہ جماعت تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ کانگریس اور تمام دوسرے ہندوؤں کے نمائندہ ہیں کسی ایسی بنیاد پر ہم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں اور سر جوڑ کر بیٹھنے کی تدبیر پیدا کرسکتے ہیں۔

بلاشبہ میں آپ سے ملکر خوش ہونگا اور اسی قدر پنڈت جواہر لال یا مسٹر بوس سے مل کر خوشی ہوگی۔ یہ آپ کی خواہش پر موقوف ہے۔ لیکن جیساکہ آپ جانتے ہیں ان دونوں صاحبوں میں سے کوئی آپ سے رجوع کئے بغیر معاملہ کو آگے نہ بڑھائیگا۔ لہٰذا پہلے پہل میں آپ ہی سے ملنا پسند

کروں گا، لیکن بہر حال مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں ۱۰ مارچ سے قبل آپ سے ملنے کے لئے سیگاؤں نہیں آسکتا، مجھے بمبئی جانا ہے اور اپنے دورہ کی بہت سی دوسری مصروفیات بھی طے کرچکا ہوں۔ لیکن ہم ایسا وقت اور مقام طے کرسکتے ہیں جو دونوں کے لئے سہولت کا ہو۔

گاندھی جی نے اس کے جواب میں روشنی نظر آنے کا انکار کرتے ہوئے خفیف ترین موقع سے بھی فائدہ اٹھانے کا خیال ظاہر کیا مگر اس اقرار و اعتراف کے ساتھ کہ میں نہ کانگریس کی نمایندگی کرسکتا ہوں اور نہ ہندوؤں کی، لیکن ایک باعزت تصفیہ کرانے میں اپنے اثر کو جو کانگرسی ہندوؤں پر حاصل ہے انتہائی طور پر استعمال کرونگا۔

اس کے بعد ۲۸ اپریل کو بمبئی میں مسٹر جناح کے یہاں ملاقات طے ہوگئی۔ گاندھی جی نے اپنے ہمراہ مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی شریک گفتگو رکھنا چاہا، لیکن مسٹر جناح نے تنہا ملاقات پسند کی۔

ادھر گاندھی جی اور مسٹر جناح کی مراسلت کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور دوسری طرف پنڈت **جواہر لال** نے ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء کو نواب **محمد اسمٰعیل خاں** صاحب صدر مسلم لیگ صوبہ متحدہ کے نام ایک طولانی خط لکھا جس میں انہوں نے اس تمہید کے ساتھ کہ واقعات نے جو شکل اختیار کی ہے۔ اس نے مجھے سخت بے چین کر رکھا ہے۔ فریقین کی طرف سے جو باتیں کہی اور شائع کی جارہی ہیں۔ ان سے فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اور عین ممکن ہے۔ کہ یہ کشیدگی آنے والے خطرہ کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ مجھے یقین ہے کہ میری طرح آپ بھی اسے پسند نہیں کرتے . . . . . . آپ یقین کریں مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ سیاسیات میں ہمارے اختلافات کیا ہیں۔ بہر کیف اختلافات کتنے بھی ہوں مجھے یقین ہے کہ اس بات میں آپ میرے ساتھ متفق ہوں گے کہ پبلک زندگی میں ہمیں ایک خاص معیار قائم رکھنا چاہیئے اور اس امر کی کوشش کرنا چاہیئے۔ کہ شرارت اور اشتعال انگیزی نہ ہونے پائے . . . . . . فرض کرلیجئے کہ آپ کے خیال میں کانگرس نے غلط طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے اور غلط مقاصد کے لئے جدوجہد کررہی ہے۔ آپ کو حق حاصل ہے کہ کانگرس کے متعلق ایسی رائیں قائم کریں۔ تاہم آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ ہم علیحدہ علیحدہ پولٹیکل پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف

ہماری صدقدلانہ نکتہ چینی افراد اور پارٹی کو آگے بڑھنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسی صحیح نکتہ چینی ہیں اور پبلک کو ایک دوسرے کو سمجھنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی، ممکن ہے کہ اس قسم کی نکتہ چینی سے ہم ایک دوسرے کے قریب بھی آجائیں۔ اس لئے میں آپ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں گا۔ اگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ کانگریس کے پروگرام اور اصول میں کونسی باتیں ہیں جن سے آپ کو اتفاق نہیں؟

اس کے بعد واردھا پروگرام کا حسب ذیل تذکرہ کرکے کہ :۔

غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے اور چودھری خلیق الزماں نے ہمیں بتایا تھا۔ کہ آپ کانگریس کے واردھا پروگرام سے حرف بحرف متفق ہیں۔ کانگریس کا واردھا پروگرام گو چھوٹا سا پروگرام ہے۔ تاہم اس کی جامع حیثیت اسے تمام اہم معاملات پر حاوی کردیتی ہے اور اس پر عمل درآمد کرکے ہم اس منزل پر پہونچ سکتے ہیں۔ جس پر پہونچنے کی ہم خواہش رکھتے ہیں، کانگریس کا کراچی رزولیوشن آپ کے سامنے ہے۔ جس میں کانگریس نے ہندوستانیوں کے بنیادی حقوق کی وضاحت کردی ہے۔ علاوہ ازیں کمیونل اوارڈ کے متعلق کانگریس کی جو پوزیشن ہے۔ وہ بھی آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے حال ہی میں کلکتہ میں ورکنگ کمیٹی کا جو اجلاس ہوا تھا۔ اس میں اقلیتوں کے مذہبی و تمدنی اور سیاسی حقوق کے متعلق ایک جامع رزولیوشن پاس کردیا گیا ہے۔

زبان اور رسم الخط کے متعلق اپنے پمفلٹ کی طرف اشارہ کیا اور اشتعال انگیز تقریروں کا الزام مسلم لیگ کے نمائندوں اور لیڈروں پر رکھتے ہوئے لکھا کہ "میرے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ آپ ایسے تقریروں اور بیانوں سے متفق ہوں گے تاہم ان کی تردید نہیں کیجاتی، یہی نہیں بلکہ بعض اوقات مسلم لیگی لیڈروں کی طرف سے ان قابل مذمت حرکات سے بے تعلقی کا اعلان بھی نہیں کیا جاتا۔ جو بعض غیر ذمہ دارانہ گمراہ نوجوانوں کی طرف سے مسلم لیگی رہنماؤں کی تقریروں اور بیانوں کے زیر اثر سرزد ہوتے رہتے ہیں" پھر اس امر کے ثبوت میں انتخاب بجنور کے زمانہ کے چند واقعات بیان کرکے بطور خلاصہ لکھا کہ "بجنور کے ضمنی انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کے حمایتی مقررین کی طرف سے کانگریس کے خلاف مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے۔

(۱) کانگریس اردو زبان کو مٹا دینا چاہتی ہے۔ (۲) کانگریس تعزیے نکالنے کی اجازت نہیں

نہیں دے گی۔ (۲) کانگریس ذبیحہ گاؤ کی مخالف ہے۔ (۴) کانگریس مسلمانوں کو اسلامی لباس کی بجائے دھوتیاں پہننے پر مجبور کر دے گی۔ (۵) کانگریس نے مسلم علمار کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے "۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر **محمد اشرف** پر جو اعتراضات کئے گئے تھے۔ ان کو بیان کرکے مسلم یونیورسٹی یونین میں جو کچھ ان کے ساتھ گذرا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے نہایت بے باکی سے اس سبب کو مولانا **ظفر علیخاں** کی اشتعال انگیز تقریر اور وائس چانسلر کی انگیخت کو قرار دیتے ہوئے ایک اخلاقی پند و وعظ پر خط کو ختم کیا ہے۔

اس طولانی خط کا نواب **محمد اسمٰعیل خاں** نے حسب ذیل جواب دیا۔ جس میں ہر معاملہ پر بہ تفصیل بحث ہے :-

میرٹھ۔ ۳۰ رنومبر ۱۹۳۷ء میرے پیارے پنڈت جی میں آپ کے خط کا جواب دینے میں دیر کی کے لئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ موجودہ سیاسی صورت حالات اور موجودہ فرقہ وارانہ تلخی پر اپنے خیالات مجھ تک پہونچانے کیلئے جو نوازش آپنے مجھ پر کی ہے اس کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ آپنے ملک میں پیدا شدہ فرقہ وارانہ منافرت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور جس طرح آپ نے اس ذہنیت کی مذمت کی ہے۔ جو اسوقت ہر طرف نظر آتی ہے، مجھے آپ سے اس امر کے متعلق پورا اتفاق ہے، لیکن اس کے باوجود میں آپ کی طرف سے مسلم لیگ کے لیڈران کی مذمت کی تائید نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان اطلاعات کو صحیح تصور کرنے کو تیار ہوں۔ جو آپ کی رائے کی بنیاد ہیں۔ مجھے آپ معاف فرمائیں گے۔ اگر میں یہ کہوں کہ جناب نے محض ان اطلاعات کی بنار پر

نوٹ :- پنڈت جی معاملات کو اپنے رفقا کی نظر سے دیکھنے اور انہیں کے کانوں سے سننے کے عادی ہیں اور اسی بنیاد پر تحریر کرتے ہیں ڈاکٹر اشرف نے خود اشتعال انگیزی کی اور بار بار ممانعت پر بھی وہ باز نہ آئے اسی زمانہ میں وائس پریسیڈنٹ یونین نے بیان بھی شائع کر دیا، لیکن پنڈت جی ان ہی دونوں پر الزام لگائے جاتے ہیں۔

لہ ان نمبروں میں ۲، ۳ و ۴ کی نسبت اب کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ سامنے آرہا ہے۔

جو آپ کو خاص ذرائع سے حاصل ہوئیں۔ اس قسم کے نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے اور آپ نے ان الزامات کی کسی قسم کی تصدیق کئے بغیر ہی ہمارے کارکنان کے خلاف عاید کردہ الزامات کو صحیح تصور کر لیا ہے، مجھے بعض بیانات نے تو نہایت ہی پریشان کر دیا ہے۔

میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس امر کا رتی بھر بھی علم نہ تھا کہ ہمارے کارکنان اس قسم کے بیانات شائع کر رہے ہیں۔

ہاں ہماری جماعت ان غیر ذمہ دار لوگوں کے بیانات یا تقاریر کے لئے ذمہ دار نہیں گردانی جاسکتی جن کا ہماری انجمن سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں ہے کیا آپ براہ نوازش مجھ کو یہ بتا سکیں گے کہ اس قسم کے بیانات کن کن لوگوں نے اور کس کس موقعہ پر دیئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جن کا لیگ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ لیکن کسی خاص امیدوار کے حامی ہونے کیوجہ سے وہ جا بجا تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق لیگ ذمہ داری نہیں لے سکتی

اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم پبلک کاموں میں مذہبی جذبات کو ابھار کر یونہی دشمنی پیدا نہ کریں، لیکن میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہی مشورہ کانگرس کے مولوی صاحبان کو دیا جانا چاہیئے مجھے معلوم نہیں کہ احراری لیڈروں کی تقاریر آپ تک پہونچی ہیں یا نہیں اور نہ ہی مجھکو یہ معلوم ہے کہ آپ نے کانگریس کے دو ذمہ داروں کی تقاریر ورنیکلر اخبارات میں کبھی پڑھی ہیں یا نہیں ہیں تو ان گندی گالیوں کا یہاں ذکر بھی نہیں کر سکتا۔ جو یہ بہادر لوگ مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کو دیتے ہیں ان کی تقاریر لغویت کی انتہا تک پہونچی ہوئی ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود کانگریسی ان کی تقریروں پر دل کھول کر تالیاں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں میرا یہ خیال ہے کہ ایسی اطلاعات جو کانگرس کارکنان کے خلاف جاتی ہیں۔ وہ آپ تک پہونچتی ہی نہیں۔ میں اس وقت ان لوگوں کے خلاف جو گذشتہ چند ماہ سے پلیٹ فارم کے ذریعہ اینٹی لیگ پراپگنڈا کر رہے ہیں۔ شکایات نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ہی میں اس پریس پراپگنڈا کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو پورے زور سے لیگ کے خلاف نام نہاد قوم پرست اخبارات کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ البتہ میں آپ کی توجہ ایک ڈرامہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو "ہندوستان" اخبار میں شائع ہوا ہے، جس کے ڈائرکٹروں میں یوپی کے وزیر اعظم صاحب بھی ہیں آپ اس ڈرامہ کو پڑھکر اپنی رائے سے مجھے مطلع کریں پھر آپ سردار سردول سنگھ کوشیر جیسے

مشہور کانگریس رہنما کی پنجاب پولیٹکل کانفرنس کی صدارتی تقریر پڑھیں اور دیکھیں کہ کس طرح انہوں نے مسٹر جناح کی زندگی اور مذہبی عقائد پر حملے کیے ہیں۔ اگر ایسے ذمہ دار لوگ اس قسم کی باتیں کر سکتے ہیں تو پھر دوسروں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے اور اگر کسی ذمہ دار کانگریس لیڈر کے پروٹسٹ کی عدم موجودگی میں وہ ان کا جواب دیں اور ممکن ہے وہ جواب ناشائستہ ہو تو آپ کو اس صورت میں گھبرانا نہیں چاہیئے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ڈیموکریسی کی آمد نے سپیکروں کو بے لگام کر دیا ہے اور جو جی میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں، لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی آپ کا مقصد پورا ہوگا۔ وہ مقصد یہ ہے کہ پبلک معاملات پر ہر شخص کو آزادی رائے کا حق ہو۔ اور وہ مذہبی۔ جماعتی جھگڑوں کو بیچ میں لائے بغیر ان پر بحث کرے۔ موجودہ صورت حالات کے متعلق محض کسی جماعت یا فرقہ پر الزام عائد کر دینے سے ہی تو مقصد حاصل نہ ہو سکے گا اور نہ ہی اس سے صورت حالات بہتر ہو گی اگر ہم درحقیقت حالات کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس مسئلہ پر کسی اور ہی ڈھنگ سے غور کرنا ہوگا۔ لیکن اگر آپ کا مقصد اس وقت محض یہ ہے کہ غیر ذمہ دارانہ تقاریر اور باتوں کو بند کیا جائے۔ تو میں آپ کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔

آپ نے چند پوسٹروں اور تقاریر کا ذکر کیا ہے جو بجنور اور بندھیا کھنڈ کے ضمنی انتخابات میں کی گئیں اور آپ نے ان پر سخت اعتراض کیا ہے، مجھے تو اس امر کا یقین ہو چکا ہے کہ اس قسم کے انتخابات میں ایسی باتیں نہ صرف ہمارے ہی ملک میں ہیں بلکہ دنیا بھر میں ہوتی ہیں اور ابھی تو تین اور ضمنی انتخابات لڑے جا رہے ہیں جو غالباً فرقہ دارانہ جذبات کو زیادہ خراب کریں گے درحقیقت لیگ نہیں بلکہ کانگریس ان ضمنی انتخابات میں اپنی کامیابی کو غیر ضروری اہمیت دے رہی ہے کیونکہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے ممکن ہے کہ انتخابات کے بعد یہ جھگڑے ختم ہو جائیں گو مجھے یہ خدشہ ہے کہ مسلم ماس کینٹکٹ کی تحریک موجودہ تلخی کو قائم رکھنے کا باعث ہو گی۔

آپ نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ ہم اور آپ کن کن باتوں میں متفق ہیں اور کن کن باتوں میں ہمارا اختلاف ہے وار دھا پروگرام کے مطابق لیجسلیچر میں کام کرنے کی ہماری رضامندی کے پیش نظر

یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے کہ آپ ہمیں بتائیں کہ ہمارے ساتھ آپ کن کن باتوں پر اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ میں آپ کو لکھنؤ میں گذشتہ اکتوبر میں پاس شدہ مسلم لیگ کے رزولیوشن اور اپنا مینی فسٹو بھیج رہا ہوں ان چیزوں سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لیگ نے اپنے کریڈ میں تبدیلی کرلی ہے۔ اور جہاں تک ملکی مفاد کا تعلق ہے اب لیگ کے نئے پروگرام کے مطابق دونوں جماعتوں کے پروگرام اور پالیسی میں اب کوئی زیادہ فرق نہیں رہا۔

اس سلسلے میں آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ اگر مسلم ماس کنٹیکٹ تحریک ہمارے اوپر نہ ٹھونس دی جاتی اور کانگریس اکثریت کے صوبجات میں لیگ پارٹی سے اسمبلیوں میں حقارت آمیز سلوک نہ روا رکھا جاتا تو مسلمان یقیناً کانگریس کے زیادہ نزدیک ہوتے ایسے کئی لوگ ہیں جو کانگریس کے سرگرم کارکن رہے ہیں۔ لیکن ان کے جلسوں میں کانگریس کے رویہ نے بدگمانی پیدا کردی اور یہی وجہ ہے کہ مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب اور سید ذاکر علی صاحب جیسے لوگ ایسے بیانات شائع کرنے پر مجبور ہوئے۔ جنہیں آپ پسند نہیں کرتے یہ تو ان لوگوں کی رائے ہے۔ جنکی تائید میں وہ ثبوت مہیا کرنیکو تیار ہیں۔ ایسے بہت سے مسلمان ہیں جو دیانتداری سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلم ماس کنٹیکٹ کی تحریک مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوانے کیلئے جاری کی گئی ہے اور کہ کانگریس مسلمانوں کو جو کہ اس وقت ایک ہندو جماعت ہے روپیہ دیتی ہے تاکہ وہ اپنے ہم مذہبوں سے برسرپیکار رہوں اس کے علاوہ ایک اور وجہ ان لوگوں کو وزارتوں میں شامل کرنا ہے۔ جو حال ہی میں اپنی پارٹیوں سے الگ ہو کر کانگریس میں شامل ہوئے ہیں۔

آپنے جو باتیں لکھی ہیں اس سلسلہ میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کمیونل اوارڈ کے متعلق جو آپ نے حال میں ہی ریزولیوشن پیش کیا ہے اس سے مسلمانوں کی ایک بڑی شکایت دور ہو گئی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ رزولیوشن قائم رہنے دیا جائیگا۔

رسم الخط اور زبان کے متعلق آپنے جو تجاویز اپنے مضمون میں کی ہیں، جسکی نقل آپ نے مجھے بھی بھیجی ہے قابل غور ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہر سمجھدار اور انصاف پسند آدمی اس کی تائید کریگا .... جو ہولناک بیانات مسلم لیگ کے کارکنان کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں ان کے متعلق میں اوپر کچھ کہہ چکا ہوں اور اب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جب کبھی ایسی غیر ذمہ داری

سے کسی مقام پر کوئی تقریر ہو تو مقامی کانگریس کمیٹی مسلم لیگ کو اس سلسلہ میں لکھ بھیجے۔

آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ لیگ کے ایک والنٹیر نے کانگریس مسلم ورکر کو چلتی گاڑی میں زخمی کر دیا۔ اس سلسلہ میں میں کہنا چاہتا ہوں کہ مکمل تحقیقات کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ لیگ والنٹیر کو بہت زیادہ اشتعال دلایا گیا تھا اور پھر معاملہ اسوقت عدالت میں ہے اس لئے اس کے متعلق اس مرحلہ پر زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ مجھے اس امر کا افسوس ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ والے متشدد کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ خیال بے بنیاد ہے۔

"اسلام خطرہ میں" کا نعرہ مسلم لیگ والوں نے نہیں لگایا یہ تو ہمارے مخالفوں نے ہم سے منسوب کیا ہے ہر مسلم لیگی یہ یقین رکھتا ہے کہ اسلام کبھی خطرہ میں نہیں ہو سکتا۔

آپ نے صحیح طور پر ان الزامات کی مذمت کی ہے جو علماء کے خلاف رشوت خوری کے لگائے جاتے ہیں، لیکن یہ الزامات ان الزامات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہیں جو مولانا **شوکت علی** پر کانگری مسلمانوں کی طرف سے لگائے جاتے ہیں۔

میں نے بجنور میں سنا تھا کہ آپ نے ایک کانگریس والنٹیر سے کانگری جھنڈا چھین لیا تھا جسپر "اللہ اکبر" لکھا ہوا تھا کیونکہ آپ اس جھنڈے پر ان الفاظ کو مناسب نہ سمجھتے تھے، مجھے آپ سے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ اس افواہ میں رتی بھر بھی صداقت نہ تھی۔ مولانا شوکت علی نے جو یہ الزام لگایا ہے کہ بجنور میں مال افسران نے کسان ووٹران پر اپنا اثر ڈالا۔ اس کے متعلق غالباً ان کے پاس کوئی ثبوت ہوگا میں ان سے دریافت کر کے آپ کو مطلع کر دوں گا۔

ڈاکٹر اشرف سے جو بیان منسوب کیا گیا ہے وہ اس کی تردید کر سکتے ہیں اور جو واقعہ علیگڈھ یونیورسٹی میں ہوا اس کا مجھے افسوس ہے، لیکن مسلم لیگ کا اس سے کوئی واسطہ نہ تھا اور پرو وائس چانسلر یونیورسٹی نے لڑکوں کے فعل کی مذمت کر دی ہے۔ آپکے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لیگ والے تشدد کی انگیخت کرتے ہیں اس قسم کا نتیجہ اخذ کرنے کو تیار نہیں آپکے خط کا تو یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس قسم کا کرہ ہوائی پیدا کر لیا ہے، لیکن میں اس الزام کی پُرزور تردید کرتا ہوں البتہ اگر آپنے یہ مثالیں محض یہ ثابت کرنے کیلئے دی ہیں کہ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلی ہوئی ہے اور حالات کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے تو ہم آپ کی ہر کوشش کو خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں اور آپ

کی ہر ممکن امداد کریں گے۔"

اب پنڈت جی نے ۱۸؍ جنوری ۱۹۳۸ء کو مسٹر جناح کے نام ایک خط بھیجا جس میں ان بیانات کے متعلق جو اس زمانہ دونوں طرف سے شائع ہوئے تھے۔ شکوہ کر کے صحیح طور پر غور طلب متنازعہ نقاط معلوم کرنے کی خواہش کی تاکہ غیر ضروری اختلافی بحث سے بچکر اصل موضوع کو ہاتھ میں لیا جائے۔ مسٹر جناح نے بھی اخبارات و مراسلات کے ذریعہ اس بحث کو جاری رکھنا پسند نہیں کیا پنڈت جی نے پھر ایک مطول خط میں اس امر پر زور دیا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ کچھ اختلافی نقاط ہیں۔ کیونکہ آپنے بار بار کانگریس کی پالیسی اور کام پر نکتہ چینی کی ہے اگر یہ اختلافی نقاط بصورت تحریر منضبط کر دیئے جائیں اور ہماری توجہ ان کی طرف منعطف کرائی جائے تو اس طرح ان پر غور کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔"

ساتھ ہی گذشتہ خفیف معاملات کا تذکرہ کر کے کانگریس کی پالیسی کی وضاحت کی۔

مسٹر جناح نے ان کو مکرر سمجھایا کہ "آپ چاہتے ہیں کہ میں اختلافی نقاط بصورت تحریر منضبط کر دوں۔" اور ان پر خط و کتابت کے ذریعہ سے تبادلہ خیالات کروں، یہ ایک ایسا طریقہ ہے، جس کے متعلق میں پہلے خط میں ہی کہہ چکا ہوں کہ نہایت ناپسندیدہ اور ناموزوں ہے میں آپ کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتا ہوں کہ جب کبھی ضرورت ہو گی، ہم میں سے ہر ایک گفتگو کا خیر مقدم کریگا اور آپ میں کا اگر کوئی گفتگو کے لئے آمادہ ہے تو میں بخوشی آپ سے ملوں گا اور یکساں طور پر گفتگو کا خیر مقدم کروں گا، بات یہ ہے کہ آپ ایک دوسرے کے متعلق گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں اور میں ایک دوسرے کے درمیان گفتگو کرنا پسند کرتا ہوں۔ یقیناً آپ جانتے ہیں۔ اور آپ کو جاننا چاہیئے کہ بنیادی نقطہائے متنازعہ کیا ہیں۔

پنڈت نہرو نے پھر ایک طویل خط لکھا جس میں اس عرصہ کے بیانات کانگریس اور مسلم لیگ کی پالیسی وغیرہ پر بحث تھی اب مسٹر جناح کو صاف طور سے لکھنا پڑا کہ۔

مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ریشہ دوانیوں اور الزامی چوٹوں کی اسپرٹ جاری ہے اور بے وقعت نوعیت کے جملہ اقسام کے معاملات اٹھائے جا رہے ہیں، جو ہمارے موجودہ موضوع کے لئے برمحل نہیں ہیں جس کے نام پر آپنے ابتدا کی تھی۔ یعنی یہ کہ معلوم کیا جائے کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے نہایت اہم اور

نمایاں سوال کو ہاتھ میں لینے کی بنیاد کس طرح دریافت کیجائے۔

آپ نے اپنا خط اس اصرار پر ختم کیا ہے کہ مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کہ میں نقطہائے متنازعہ کو مرتب کردوں اور آپ کی خدمت میں آپ کے غور کے لئے پیش کردوں اور اس کے بعد آپ کے ساتھ خط و کتابت کروں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میری سوچی سمجھی ہوئی رائے میں یہ طریقہ ناپسندیدہ اور ناموزوں ہے جس طریقہ کار پر آپ مصر ہیں، فریقین مقدمہ کے درمیان موزوں ہو سکتا ہے اور سالیسٹر لوگ موکلوں کی طرف سے یہی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں، لیکن قومی مسائل اس طرح طے نہیں ہو سکتے۔

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ "میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اقرار کرنا چاہیئے کہ میں نہیں جانتا کہ نقطہائے متنازعہ کیا ہیں" تو مجھے آپ کی لاعلمی پر حیرت ہوتی ہے۔ ملک کے اہم ترین لیڈر سنہ ۱۹۲۵ء سے سنہ ۱۹۳۵ء تک اس معاملہ کو چھیڑتے رہے ہیں۔ لیکن اب تک کوئی حل نہیں نکلا ہے۔ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ معاملہ کا مطالعہ کریں اور خود ہی اپنے آپ کو مطمئن کرنے اور تسکین دے لینے کا طرز عمل اختیار نہ کریں اور اگر آپ جذبہ رکھتے ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو یہ سمجھ لینے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی۔ کہ نقطہائے متنازعہ کیا ہیں۔ کیونکہ حال میں بھی ان کا ذکر اخبارات اور پبلک پلیٹ فارموں پر برابر ہوتا رہا ہے۔

پنڈت نہرو کے زیادہ اصرار سے **مسٹر جناح** نے، ۱۷ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء کو چودہ نکات کی طرف اشارہ کرکے اور چند اخبارات۔ اسٹیٹسمین مورخہ ۱۲ فروری اور نیو ٹائمز مورخہ یکم مارچ کی کاپیاں بھیجیں اور لکھا کہ :-

یہ آپ پر ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ جو مختلف تجویزیں پیش کی گئی ہیں۔ یا پیش کی جا سکتی ہیں یا جن کے پیش ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ ان کا تجربہ کرنا ہوگا۔ اور انجام کار میں اسکو ہر سچے نیشنلسٹ کا فرض سمجھتا ہوں چاہے وہ کسی پارٹی یا ملت سے تعلق رکھتا ہو کہ وہ اس کو اپنا کام سمجھے اور صورت حال کی جانچ پڑتال کرے اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک میثاق کرائے اور حقیقی متحدہ محاذ پیش کرے اور جس طرح میں اس فکر میں ہوں اور اسکو اپنا فرض سمجھتا ہوں اسی طرح آپ کو بھی اس کی فکر ہونی چاہیئے۔ اور آپ اسکو اپنا فرض سمجھیں اور اس کا مطلق لحاظ نہ کریں کہ ہمارا کس پارٹی یا ملت سے تعلق ہے، لیکن اگر آپ کی خواہش یہ ہے کہ میں یہ تمام تجویزیں جمع

کروں اور ایک عرضداشت گذار کی حیثیت سے وہ تجویزیں جمع کرکے پیش کروں۔ تاکہ آپ اور آپ کے رفقاء ان تجویزوں پر غور کریں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، نہ میں اس غرض سے یہ کام کرسکتا ہوں کہ ان مختلف نکات کے متعلق آپکے ساتھ مزید خط و کتابت ہو لیکن آپ اب بھی اس پر مصر ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے اپنے خط میں وہ الفاظ لکھے ہیں۔ جو اُگے آئے ہیں تو ان کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے آپ کہتے ہیں کہ میرا دماغ موثر طریق پر کام کرنے یا کسی کارروائی کے متعلق فکر کرنے سے قبل وضاحت چاہتا ہے، الہام یا حقیقی مسائل سے گریز قابل اطمینان نتائج کی طرف نہیں لیجا سکتا یہ بات مجھے ضرور عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کہ میری پے بہ پے درخواستوں کے باوجود، مجھے نہیں بتایا گیا آیا کن مسائل پر تبادلہ خیالات ہونا چاہیئے" یہ ایک صحیح بیان یا حالات کا منصفانہ نقشہ نہیں ہے، لیکن اس صورت میں میں آپ سے درخواست کرونگا کہ آپ کانگریس سے درخواست کریں کہ وہ باضابطہ طریق پر اس باب میں مجھ سے خط و کتابت کرے اور میں معاملہ کو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے سامنے رکھدوں گا کیونکہ آپ خود کہتے ہیں کہ آپ کانگریس کے صدر نہیں ہیں۔ اور اس طرح پہلی جیسی نمایندہ حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن اگر اس معاملہ میں مجھے مدد ملسکتی ہے تو میری خدمات کانگرس کو حاصل نہیں اور میں خوشی کے ساتھ آپ سے ملوں گا۔ اور ان معاملات کے متعلق آپ سے تبادلہ خیالات کروں گا۔" رہی آپ سے ملاقات اور معاملات کے متعلق آپ سے تبادلہ خیالات کرنے سے مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس سے مجھے مسرت ہو گی۔

اس خط کے جواب میں **پنڈت نہرو** نے ایک بہت ہی طولانی خط لکھا۔ اور اس میں اپنی سمجھ کے مطابق مطالبات قرار دیے کہ سب پر ایک مفصل بحث کی مسلم لیگ کے متعلق اسی سلسلہ میں تحریر تھا کہ :۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت تسلیم کرلیا جائے۔ مسلم لیگ ایک اہم فرقہ وار انجمن ہے اور ہم اس سے ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں جن لوگوں اور انجمنوں سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے۔ ہم ان سے مناسب طور سے برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم ان کی اہمیت کا فیصلہ نہیں کرتے۔ کانگرس میں اس وقت ایک لاکھ کے قریب

مسلمان شامل ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو برسوں جیل کے اندر اور جیل کے باہر ہمارے گہرے ساتھی رہے۔ ہم ان کی دوستی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ کئی تحریکات ایسی ہیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ مثلاً ٹریڈ یونین کسان سبھا۔ زمیندار ایسوسی ایشن چیمبر آف کامرس وغیرہ۔ ہمیں ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ کئی مسلم جماعتیں ایسی ہیں۔ مثلاً احرار، جمعیت العلماء، پرچا پارٹی وغیرہ جو خاص توجہ کی مستحق ہیں، جتنی اہم کوئی انجمن ہوگی اتنی ہی زیادہ اس پر توجہ دی جائیگی، لیکن اہمیت باہر سے نہیں آتی۔ بلکہ خود کوئی انجمن پیدا کرتی ہے۔ دوسری انجمنیں چاہے وہ چھوٹی ہوں۔ لیکن ان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس خط میں مسلمانوں کے جملہ حقوق سیاسی بندے ماترم، زبان، قومی جھنڈے سب ہی پر خیالات ظاہر کرکے کانگرس کے ہر خیال و عمل کی تائید کی غرض اس سہ ماہہ مراسلت کا آخری بند حسب ذیل خطوط تھے

مسٹر جناح کا خط

بمبئی۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء

ڈیر پنڈت جواہر لال آپ کا خط مورخہ ۸ اپریل ملا۔ میں اپریل کے آخر تک بمبئی میں ہوں گا۔ اور مجھے خوشی ہوگی۔ اگر آپ مجھ سے ملیں۔ جہاں تک باقی خط کا تعلق ہے، مجھے پڑھ کر افسوس ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرا خط صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ کیونکہ آپ کا دماغ بین الاقوامی لاحاصلات سے بھرا ہوا ہے اسلئے ان حقائق کے متعلق جو کہ ہندوستان میں درپیش ہیں آپ مختلف طور پر سوچتے ہیں میں نے آپ کے روبرو جو پوزیشن رکھی ہے آپنے اس کا غلط طور پر مطلب نکالا ہے میں نے آپ کو اخبارات کے وہ اقتباسات بھیجے تھے جو حال ہی میں شائع ہوئے تھے کیونکہ آپنے متواتر مجھ پر زور دیا تھا اور درخواست کی تھی کہ آپ مشکور ہوں گے اگر آپ کو اخبارات کی رائے بھیجوں۔ جس سے آپ کو معاملات کے سمجھنے میں امداد ملے یہ وہ مطالبات ہیں جو ہندوستان کے مسلمانوں کی توجہ کا باعث بن رہے ہیں انہیں کس طرح پورا کیا جائے کس حد تک پورا کیا جائے اور کن ذرائع اور طریقوں سے پورا کیا جائے یہ سوال ہے جسے میں نے سچے قوم پرست کے سامنے رکھا ہے کیا ان کیلئے آئینی تبدیلیاں ضروری ہیں کیا ہمیں ان کا تصفیہ معاہدہ یا کنونشن کے ذریعے سے کرنا چاہیئے یہ ایسا سوال ہے جو میرے خیال میں بحث طلب ہے لیکن مجھے

یہ معلوم کرکے سخت رنج ہوا کہ آپ نے اپنے خط میں اپنے فیصلہ کا اعلان کردیا ہے اور دیباچہ کے ساتھ بہت سے امور کے متعلق اپنے رائے کا اظہار کردیا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ بحث کی تجویز کے جس سے سمجھوتہ ہونے کا امکان ہے، خلاف ہیں۔ کیونکہ آپ نے اپنی چٹھی میں لکھا ہے کہ مجھے اس فہرست کو دیکھ کر حیرانی ہوئی ہے کیونکہ مجھے خیال نہیں تھا کہ آپ ان میں سے بہت سے امور کے متعلق ہمارے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان میں سے کئی امور کے متعلق کانگرس پہلے ہی فیصلہ کرچکی ہے کچھ ایسے ہیں جنپر بحث کی ضرورت نہیں اس کے بعد آپنے اپنے نتائج بیان کرنے شروع کئے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق نکات مرتب کرلئے ہیں آپ کا لب ولہجہ اور زبان اس قسم کے متکبرانہ فوجی سپرٹ کا مظاہرہ کررہی ہے جیسے کانگرس حکمران طاقت ہو آپ نے لکھا کہ مسلم لیگ ایک اہم فرقہ وار جماعت ہے اور ہم اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرتے ہیں جس طرح دیگر جماعتوں کے ساتھ جنکا ہمارے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے اگر ان جماعتوں کے درمیان کوئی فرق ہے تو ہم اسے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اس کے بعد آپنے بہت سی فرقہ وار انجمنوں کا ذکر کیا ہے یہاں میں اس بات کو جسکا میں کئی دفعہ پبلک طور پر اعلان کرچکا ہوں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک کانگرس مسلم لیگ کو مکمل طور پر مساوی جماعت تسلیم نہ کرے اور مساوی جماعت کی حیثیت میں اس کے ساتھ گفت وشنید کرنے کیلئے تیار نہ ہو ہمیں اپنی طاقت پر انحصار کرنا پڑیگا اور اسوقت تک انتظار کرنا پڑیگا جب آپ اس کے اور دوسری جماعتوں کے درمیان امتیاز کا احساس کرلیں آپ کی ذہینت کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے لئے آپکو مزید اپنی پوزیشن سمجھانا مشکل ہے جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے میں ان امور پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ جن کا آپ نے خط وکتابت کے ذریعہ سے آغاز کیا۔ کیونکہ میری رائے میں اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے یہ درست طریقہ نہیں ہے آپ نے لکھا ہے کہ اردو اخبارات میں کانگرس کے متعلق شدید غلط بیانیاں کی گئی ہیں اور یو۔ پی گورنمنٹ کی کارروائیوں کے متعلق ایک سرکاری سرکلر جاری کیا گیا ہے میں اس کے متعلق تحقیقات کئے بغیر کوئی رائے ظاہر نہیں کرسکتا لیکن میں آپ کو بیشمار ایسی غلط بیانیاں بتا سکتا ہوں جو کانگرسی اخبارات میں شائع ہوئی ہیں اور کانگرسیوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے متعلق اپنے بیانات میں کی ہیں میں ایسی مثالیں پیش کرسکتا ہوں جن میں جان بوجھکر اخبارات اور کانگرسیوں کی تقریروں میں۔ بنگال۔

سندھ۔ پنجاب اور آسام کی مسلم گورنمنٹوں کو غلط صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور انہیں برا بھلا کہا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان گورنمنٹوں کو توڑا جائے لیکن ہماری خط وکتابت اس موضوع پر نہیں ہو رہی علاوہ ازیں ایسا کرنے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ آپ کی درخواست کے متعلق کہ ہماری خط وکتابت کو اخبارات میں شائع کر دیا جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ **مہاتما گاندھی** اور میرے درمیان جو خط وکتابت ہوئی ہے اسے بھی شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ ہم دونوں نے اپنی خط وکتابت میں ان کا اور ان کی خط وکتابت کا ذکر کیا ہے آپ کو اس کے متعلق گاندھی جی کی اجازت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور اگر آپ کی خواہش ہو۔ تو میں گاندھی جی کو لکھ دوں گا۔

کہ آپ کی خواہش ہے کہ ہماری خط وکتابت اخبارات میں شائع کرا دی جائے اور میں اس شرط پر تیار ہوں کہ میرے اور گاندھی جی کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی ہے۔ اسے بھی شائع کر دیا جائے۔ (آپ کا مخلص جناح)

پنڈت نہرو کا خط مسٹر جناح کے نام

ڈیر مسٹر جناح! آپ کا ۱۲ اپریل کا خط ابھی ابھی مجھے ملا، مجھے افسوس ہے کہ میری تحریر کے چند الفاظ سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ درست ہے کہ ہم پبلک مسائل کو مختلف نقطہائے نگاہ سے دیکھتے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ میں اپنا نقطۂ نظر آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ اسے پسند کریں۔

کوئی ایسی بات کہنا جس سے آپ کو تکلیف ہو نامناسب ہونے کے علاوہ میرا مقصد فوت کر دیتی ہے اس کے ساتھ ہی میرا فرض ہے کہ میں آپ کے سامنے یہ امر واضح صورت میں رکھوں کہ میرا دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور زیر بحث امور کے متعلق میری کیا رائے ہے ہمارے نقطۂ نظر میں کیا فرق ہے۔ لیکن میرا یقین ہے کہ آزادانہ بحث سے اختلافات کی خلیج کم ہو سکتی ہے میں نے خلوص دلی سے ایسا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس بات کی سعی کی ہے کہ میں کوئی بات نہ کہوں کہ جس سے گفت وشنید میں رکاوٹ پیدا ہو اپنے گزشتہ خط میں میں نے ان مختلف باتوں کا جواب دیا تھا۔ جس کے متعلق مجھے آپ نے اقتباسات بھیجے تھے میں نے آپ کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے

کہ ان کے متعلق کانگریس کی پوزیشن کیا ہے روزمرہ کی سیاسیات میں کوئی بات آخری نہیں ہوتی اگرچہ بعض سیاسیات خاص اصولوں کی بناء پر چلائی جاتی ہیں۔ کانگریس اگر چاہے تو کسی پالیسی میں تبدیلی کر سکتی ہے میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ موجودہ اور گذشتہ پالیسی کو واضح کر دوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں متکبرانہ اور فوجی سپرٹ میں لکھتا ہوں جب میں بطور ایک کانگریسی کے کانگریس کی پالیسی پر بحث کرتا ہوں۔ تو میں اس بات کو واضح کرتا ہوں کہ کانگریس کی پالیسی کیا ہے، ایسے کرتے ہوئے میں یہ ذاتی خیال پیش نہیں کرتا آپ نے لکھا ہے کہ کانگریس نے مسلم لیگ، اس کے کچھ لیڈروں اور بنگال، پنجاب، سندھ، اور آسام کی گورنمنٹوں کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی ہیں میں آپ کے اس خیال کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ اس قسم کی غلط بیانیوں اور الزامات کی مذمت کی جانی چاہیئے۔ مگر ایسا کوئی پریس نہیں ہے۔ جس پر کانگریس کو کنٹرول حاصل ہو ہاں یہ درست ہے کہ بہت سے اخبارات کانگریس کی حمایت کرتے ہیں۔ خواہ آپ ان پر اثر ڈال سکیں یا نہ ہم اس قسم کے جھوٹے اور غلط بیانات کو روکنا چاہتے ہیں اور ان کے متعلق اظہار ناپسندیدگی کرتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ خاص باتیں پیش کریں تاکہ ہم کارروائی کر سکیں میں خط و کتابت کی اشاعت کے متعلق مہاتما گاندھی کی اجازت کے لئے نہیں لکھ رہا۔

میں اپریل، مئی یا جون کے شروع میں بمبئی نہیں آسکونگا کیونکہ میں یورپ جانا چاہتا ہوں اگر میں پہلے بمبئی گیا تو آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عنقریب گاندھی جی سے مل رہے ہیں۔

ان مذاکرات کا ہنوز کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا کہ پنڈت نہرو یورپ روانہ ہو چکے تھے گاندھی جی اور مسٹر جناح کا تبادلہ خیالات ہنوز بالکل خفیہ اور تمام مراسلت جواب تک ہو چکی تھی صیغہ راز میں تھی کہ یکایک جون کو نہرو جناح مراسلت کی نقول یونائیٹیڈ پریس کو کانگریس کے سکریٹریٹ سے دیدی گئیں اس واقعہ کی اطلاع سردار پٹیل اور مولانا ابوالکلام آزاد کو ہو گئی اور بقول خود انہوں نے فوراً پریس کو اس کے شائع کرنے کی ممانعت کی لیکن اس ممانعت کی کچھ بھی پرواہ نہ کی گئی اب سردار پٹیل صرف یہ کہہ کر رہ گئے کہ یہ ایک کھلا ہوا جرم اور سنگین معاملہ ہے اور کانگریس ورکنگ کمیٹی یقیناً تحقیقات کرے گی اور جو کارروائی ضروری سمجھی جائے گی عمل میں

لائے گی۔ اس کے ساتھ کانگریس سکرٹریٹ کے ایک ذمہ دار شخص کی طرف سے اس مراسلت کے متعلق ریویو کیا گیا اور اس میں مسلمان، لیگ اور **مسٹر جناح** ہی مورد الزام قرار دیے گئے ورکنگ کمیٹی نے کیا تحقیقات کی، کیا نتیجہ نکلا، کیا سزا دی گئی یہ سب ہنوز غلاف راز میں ہے اور غالباً ہمیشہ راز ہی کے غلاف میں رہیگا۔

اس کے بعد مسٹر **جناح** کی تحریک سے گاندھی جناح مراسلت کی بھی اشاعت کردی گئی۔ مئی میں مسٹر **سبھاش چندر بوس** صدر کانگریس اور مسٹر **جناح** کے مابین مذاکرات کی باری آئی۔ مسٹر **جناح** نے یہ خیال پیش کیا کہ "جو کوئی بھی سمجھوتہ ہو وہ کانگریس اور مسلم لیگ کی پوزیشن کے متعلق ایک واضح مفاہمت پر مبنی ہونا چاہیئے" چنانچہ انہوں نے اپنی گفتگو کی بنیاد یہ قرار دی کہ "آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانان ہند کے مستند اور نمائندہ نظام کی حیثیت سے اس تحریر کے ذریعہ دو بڑی قوموں کے درمیان ایک میثاق اور ہندو مسلم مسئلہ کے تصفیہ کے طور پر حسب ذیل شرائط پر اتفاق کرتی ہیں۔

لیکن مزید گفتگو کے بعد یہ ترمیم ہوئی کہ :-

کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانان ہند کے مستند اور نمائندہ نظام کی حیثیت سے اس تحریر کے ذریعہ سے ایک میثاق کے طور پر ہندو مسلم تصفیہ کی حسب ذیل شرائط پر اتفاق کرتی ہیں"

اب **مسٹر بوس** نے ۱۴ مئی کو **مسٹر جناح** کے پاس ایک نوٹ بھیجا۔ جس میں لکھا کہ :-

مسٹر جناح کا یہ دوسرا بیان اگرچہ ظاہر میں مختصر ہے۔ لیکن اس میں بھی وہی خیال منضبط ہے، جو پہلے بیان میں منضبط تھا یعنی یہ کہ کانگریس کو ہندوؤں کی نمائندگی کرنی چاہیئے اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کی کانگریس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے متعلق یہ سمجھے کہ صرف ایک قوم کی نمائندہ ہے۔ یا ایک قوم کی نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتی ہے، چاہے وہ قوم ہندوستان کی اکثریت والی قوم ہی کیوں نہ ہو، کانگریس کے دروازے ناگزیر طور پر تمام اقوام کے لئے کھلے رہنے چاہئیں اور اسے ان تمام ہندوستانیوں کا خیر مقدم کرنا چاہیئے، جو اس کی عام پالیسی اور طریقوں سے اتفاق رکھتے ہیں کانگریس

ایک قوم کی نمائندہ ہونیکی پوزیشن کو قبول نہیں کر سکتی۔ اور اس طرح وہ اپنے آپ کو ایک فرقہ وار جماعت نہیں بنا سکتی۔ اسی کے ساتھ کانگریس دوسری جماعتوں کے ساتھ، جو اقلیت والے مفادات کی نمائندہ ہیں۔ بات کرنے اور تعاون کرنے کیلئے بالکل آمادہ ہے یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ کہ مسلمانان ہند اگرچہ کل ملک کے اندر ایک اقلیت ہیں۔ لیکن ملک کی آبادی کا ایک بہت بڑا جزو ہیں اور ہندوستان کے متعلق ہر اسکیم میں ان کی خواہشات کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ایک نظام ہے۔ جو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کی رائے عامہ کی نمائندہ ہے۔ جس کا لازمی طور پر وزن ہونا چاہیئے، اسی وجہ سے کانگریس نے مسلم لیگ کے نقطہ خیال کو سمجھنے اور اس کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی ہے مگر کانگرس کا فرض ہوگا کہ مسلمانوں کے دوسرے موجودہ نظاموں سے بھی مشورہ کرے جنہوں نے گذشتہ زمانہ میں کانگرس کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ مزید براں اگر دوسرے گروہوں یا اقلیت والے مفادات کا معاملہ آیا۔ تو ان کے نمائندوں سے بھی مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔

اور ۱۵ ارمئی کو خط لکھا کہ آپ کی تجویز پر کانگریس کے خیالات واضح کرنے کے بعد ہمارا خیال ہے کہ اب اگلی منزل کی طرف قدم بڑھانا باقی رہجاتا ہے یعنی کانگرس اور مسلم لیگ اپنی اپنی کمیٹیاں مقرر کردیں جو ملکر شرائط مفاہمت طے کریں۔

مسٹر جناح نے اس خط اور نوٹ وغیرہ کو اگزکٹو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس منعقدہ جون بمقام دہلی میں پیش کیا۔ کونسل نے غور کے بعد اپنی متفقہ رائے یہہ قائم کی کہ:۔

اگزکٹیو کونسل آل انڈیا مسلم لیگ نے اس نوٹ پر جو صدر **مسٹر سبھاس چندر بوس** کی طرف سے **مسٹر جناح** صدر آل انڈیا مسلم لیگ کو ۱۴ ارمئی کو دیا تھا۔ اور جو خط انہوں نے ۱۵ مئی ۱۹۳۸ء کو بھیجا تھا۔ اس خط پر غور کیا اور یہ معلوم کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ کانگرس کے ساتھ ہندو مسلم تصفیہ کے متعلق سوائے اس بنیاد کے کسی دوسری بنیاد پر سلوک کرے یا گفتگو کرے کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کا مستند اور نمائندہ نظام ہے۔

کونسل نے **مسٹر گاندھی** کے خط مورخہ ۲۲ ہر مئی پر بھی غور کیا اور کونسل کی رائے یہ ہے کہ

مجوزہ کمیٹی کے ارکان میں کانگریس کے مقرر کردہ کسی مسلمان کو شامل کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔

اکزکیٹیو کونسل اس بات کو صاف کر دینا چاہتی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ اعلان کردہ پالیسی ہے کہ تمام دوسری اقلیتوں کے حقوق و فوائد کا بھی تحفظ ہونا چاہیئے، تاکہ ان میں احساس حفاظت پیدا ہو اور ان کا اعتماد حاصل کیا جائے اور جب ضرورت ہوگی، آل انڈیا مسلم لیگ ایسی اقلیتوں اور دوسرے مفادات کے نمایندوں سے مشورہ کریگی۔ جن کا تعلق ہوگا۔

اس رائے کو **مسٹر جناح** نے اپنے خط مورخہ ۱۰ر جون کے ساتھ صدر کانگریس کے پاس بھیج دیا۔ اور کچھ ضمنی مراسلت کے بعد **صدر کانگریس** نے حسب ذیل خط ارسال کیا:۔

ڈیر **مسٹر جناح**، ورکنگ کمیٹی، مسلم لیگ کے اکزکیٹیو کونسل کے اس رزولیوشن پر جو آپ نے ازراہ کرم اپنے خط مورخہ ۱۰ر جون ۱۹۳۸ء کے ساتھ بھیجا تھا، جتنی بھی توجہ کر سکتی تھی وہ تمام توجہ اس نے اس رزولیوشن پر صرف کی، لیگ کونسل کے پہلے رزولیوشن میں لیگ کے مرتبہ کی تصریح کی گئی ہے اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل اس کے ہم فرقہ وارانہ مسئلہ کے تصفیہ کی شرائط پر غور کرنے کے لئے ایک نظام قائم کرنے کے لئے قدم آگے بڑھائیں۔ کانگریس کو مسلم لیگ کا وہ مرتبہ تسلیم کرنا چاہیئے، جسکی تصریح کی گئی ہے تو یہ ایک کھلی ہوئی دشواری ہے، اگرچہ رزولیوشن میں مسلم لیگ کی صفت میں "واحد" کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے اور رزولیوشن کے الفاظ ایسے نہیں ہیں، لیکن منشا یہی ہے اس سے قبل ہی ورکنگ کمیٹی کو تنبیہیں موصول ہو چکی ہیں کہ مسلم لیگ کے واحد نمایندگی کے مرتبہ کو تسلیم نہ کیا جائے، مسلمانوں کے کچھ نظام ہیں جو مسلم لیگ سے بالکل آزاد کام کر رہے ہیں، ان میں سے بعض کانگریس کے پکے مؤید ہیں علاوہ ازیں انفرادی طور پر کچھ مسلمان ہیں جو کانگریس میں ہیں ان میں سے کچھ ملک کے اندر کچھ کم اثر کے حامل نہیں ہیں، پھر صوبہ سرحد ہے، جو مسلمانوں کی زبردست اکثریت کا صوبہ ہے، وہ ٹھوس طریق پر کانگریس کے ساتھ ہے آپ غور فرمائیں کہ ان معلوم واقعہ کے پیش نظر کانگریس کے لئے ناممکن ہی نہیں۔ بلکہ نامناسب بھی ہے کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے، جو لیگ کونسل کا پہلا رزولیوشن بہ ظاہر کانگریس سے تسلیم کرانا چاہتا ہے یہ خیال بھی پیش کیا گیا کہ کسی تصریح و تعریف سے جماعتوں کو

مرتبے حاصل نہیں ہوا کرتے، کسی جماعت کو اس خدمت سے مرتبہ حاصل ہوا کرتا ہے، جس کے لئے جماعت نے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے لہٰذا ورکنگ کمیٹی کو امید ہے کہ لیگ کونسل کانگریس سے ایک ناممکن چیز کا مطالبہ نہیں کریگی، یہاں سوال یہ ہے کہ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ کانگریس صرف رضامند ہی نہیں بلکہ بے چین ہے کہ لیگ کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں اور پریشان کن ہندو مسلم مسئلہ پر لیگ کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کیا جائے اس موقعہ پر کانگریس کا دعویٰ بھی بیان کر دینا شاید اچھا ہوگا جو یہ ہے کہ اگرچہ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ کانگریس کے بے شمار رجسٹروں میں جو لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی تعداد ہندوؤں کی ہے، لیکن کانگریس میں خاصی بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہے اور دوسری قوموں کے اراکین بھی ہیں، جو مختلف مذاہب رکھتے ہیں، کانگریس کی مسلسل روایات یہ رہی ہیں کہ وہ ان تمام اقوام، تمام نسلوں اور تمام طبقوں کی نمائندگی کرتی ہے، جو ہندوستان کو اپنا وطن سمجھتے ہیں، ابتدا ہی سے ممتاز مسلمان کانگریس کے صدر اور جنرل سکریٹری رہے ہیں، جنکو کانگریس کا بھی اعتماد حاصل رہا ہے اور ملک کا بھی، کانگریس کی روایات یہ ہیں کہ اگرچہ ایک کانگریسی، کانگریسی ہونے سے اس مذہب سے علیحدہ نہیں ہو جاتا جس میں اس کی پیدائش ہوئی ہے اور اسکی پرورش ہوئی ہے اور کوئی شخص کانگریس میں اپنے مذہب کی بنا پر داخل نہیں ہوتا تاہم وہ اس بنا پر کانگریس میں آتا ہے اور کانگریس کا بنجاتا ہے کہ اس نے کانگریس کے سیاسی اصولوں اور پالیسی پر صاد کیا ہے، لہٰذا کانگریس کسی لحاظ سے ایک فرقہ وار جماعت نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نے ہمیشہ فرقہ وارانہ اسپرٹ سے جنگ کی ہے کیونکہ فرقہ وارانہ اسپرٹ خالص اور غیر مصرحہ نیشنلزم کے لئے مضر ہے، لیکن جہاں کانگریس یہ دعویٰ کرتی ہے اور وہ کم و بیش اس دعوے کے ساتھ زندہ رہی ہے وہیں اگر آپ کی کونسل کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ کرے تاکہ ہم قومی استحکام حاصل کر سکیں، اور مشترک مقصوم حاصل کرنے کے لئے گرمجوشی کے ساتھ کام کر سکیں، تو ورکنگ کمیٹی کو خوشی ہوگی، رہا لیگ کونسل کا دوسرا رزولیوشن، مجھے افسوس ہے، کہ جو خواہش لیگ کونسل نے اس میں ظاہر کی ہے، ورکنگ کمیٹی لیگ کونسل کی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔

تیسرے رزولیوشن کو ورکنگ کمیٹی سمجھنے سے قاصر ہے جہاں تک ورکنگ کمیٹی کا تعلق ہے اس کے

نزدیک مسلم لیگ اس لحاظ سے ایک خالص فرقہ وارانہ جماعت ہے کہ وہ مسلم فوائد کی خدمت کرتی دکھائی دیتی ہے اور اس کی رکنیت کا دروازہ بھی صرف مسلمانوں کیلئے کھلا ہوا ہے ورکنگ کمیٹی نے برابر یہی سمجھا ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے مسلم لیگ بجا طور پر کانگریس کے ساتھ ہندو مسلم مسئلہ پر تصفیہ چاہتی ہے جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے اگر دوسری اقلیتوں کو بھی کانگریس سے شکایت ہے تو کانگریس ہمیشہ ان کے ساتھ بھی بات کرنے کو طیار ہے کیونکہ یہ اس کا فرض منصبی ہے کیونکہ وہ اپنے دستور ہی کی بنا پر ایک ایسی جماعت ہے جو بلا لحاظ ذات و عقیدہ کے تمام ہندوستان کی نمایندہ ہے۔ ان امور کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ ہم تصفیہ کی گفت و شنید کی اگلی منزل میں داخل ہو جائینگے۔

تجویز یہ ہے کہ کیونکہ سابقہ خط و کتابت شائع ہو چکی ہے اس لئے یہ چیز دانشمندانہ ہوگی۔ کہ پبلک کا اعتماد حاصل کیا جائے اور بعد کو ہمارے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے اسکو بھی شائع کر دیا جائے۔ اگر آپ اس سے اتفاق کریں۔ تو یہ کاغذات فوراً اشاعت کے لئے دیدیئے جائیں۔

(آپ کا مخلص سبھاش چندر بوس)

اس خط کا ۲؍ اگست کو مندرجہ ذیل جواب دیا گیا۔

صدر کانگریس کو مسٹر جناح کا خط اور مسلم لیگ کا فیصلہ

ڈیر مسٹر **بوس** میں نے آپ کا خط مورخہ ۲۵؍ جولائی ۳۸ء آل انڈیا مسلم لیگ کی اکزکٹیو کونسل کے سامنے پیش کیا۔ اکزکٹیو کونسل نے ان دلائل پر پوری توجہ اور احتیاط کے ساتھ غور کیا جو آپ نے اپنے خط میں اس غرض سے پیش کئے ہیں کہ لیگ کو اس پر راضی کر لیا جائے کہ وہ اپنے لئے اس مرتبہ کا دعویٰ نہ کرے جو اس نے اپنے اسی رزولیوشن میں کیا ہے جو آپ کو بھیجا جا چکا ہے مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں آپ کو یہ بتادوں کہ اس مرتبہ کی تشریح کے سلسلہ میں کونسل کا منشاء یہ تھا کہ وہ آپ سے کوئی بات منوائے بلکہ اس نے ایک مسلمہ واقعہ بیان کیا تھا کونسل کو پورا یقین ہے کہ مسلم لیگ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد مستند اور نمایندہ جماعت ہے۔ جب ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے اندر کانگریس اور لیگ کا پیکٹ ہوا تھا۔ اسوقت اس پوزیشن کو قبول کیا گیا تھا اس وقت سے ۳۵ء تک جب **جناح راجندر پرشاد** گفتگو ہوئی تھی۔ اس

پوزیشن پر کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا، لہذا آل انڈیا مسلم لیگ کانگریس سے نہ اپنی پوزیشن قبول کرانا چاہتی ہے نہ تسلیم کرانا چاہتی ہے۔ نہ مسلم لیگ کی اگزکیٹو کونسل کے اجلاس بمبئی کے رزولیشن کا یہ منشا رہا، لیکن اس واقعہ کے پیش نظر کہ مسلم لیگ کی اس پوزیشن پر بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کے وجود ہی پر اس زمانہ کے صدر کانگریس **پنڈت جواہر لال** نہرو نے اپنے ایک بیان میں اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ ملک میں صرف دو پارٹیاں ہیں، یعنی حکومت برطانیہ اور کانگریس اسلئے مسلم لیگ کی اگزکیٹو کونسل نے کانگریس کو یہ اطلاع دینی ضروری سمجھی تھی، کہ کس بنیاد پر دونوں جماعتوں کے درمیان گفت وشنید آگے بڑھ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں یہی واقعہ کہ کانگریس نے مسلم لیگ کا دروازہ ہندو مسلم مسئلہ کے تصفیہ کی گفتگو شروع کرنے کیلئے کھٹکھٹایا اسی واقعہ کے معنی یہ ہیں کہ کانگریس مسلم لیگ کی مستند اور نمائندہ حیثیت کو مانتی ہے اور مسلم لیگ کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ مسلم لیگ مسلمانان ہند کی طرف سے معاہدہ کر سکتی ہے۔

کونسل کو اس واقعہ کا علم ہے کہ صوبہ سرحد میں کانگریس کی ایک اتحادی حکومت ہے اور دوسرے صوبوں میں کچھ مسلمان کانگریس کے نظام میں شامل ہیں، لیکن کونسل کی رائے یہ ہے کہ یہ کانگریسی مسلمان مسلمانان ہند کے نمائندے نہیں ہیں اور نمائندگی نہیں کر سکتے جسکی سیدھی سادھی وجہ یہ ہے کہ ان کی تعداد بہت حقیر ہے اور یہ کہ کانگریس کے ممبروں کی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو اس قابل نہیں رکھا ہے کہ مسلمان قوم کی نمائندگی کر سکیں، یا اسکی طرف سے بول سکیں، اگر ایسا نہیں ہے تو کانگریس کی قومی نوعیت کے متعلق جو دعوے آپ نے اپنے خط میں کیا ہے وہ دعوے پاش پاش ہو جائیگا۔

رہیں دوسری مسلم جماعتیں" جن کا حوالہ آپ نے اپنے خط میں دیا ہے، لیکن جن کے نام آپ نے نہیں لئے ہیں۔ ان کے متعلق لیگ کونسل سمجھتی ہے کہ زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ ان کے نام لیتے، اگر وہ جماعتیں اجتماعی یا انفرادی طور پر مسلمانان ہند کی طرف سے بات کرنے کی پوزیشن میں ہوتیں۔ تو صدر کانگریس اور مسٹر **گاندھی** ہندو مسلم سوال کے تصفیہ کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ گفت وشنید شروع نہ کرتے۔

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے. مسلم لیگ کو علم نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت نے یہ دعوے کیا ہو. کہ وہ مسلمانانِ ہند کی طرف سے بول سکتی ہے یا گفت و شنید کر سکتی ہے لہٰذا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اس سلسلے میں "دوسری مسلم جماعتوں" کا ذکر کیا ہے کونسل بھی پریشان کن ہندو مسلم مسئلہ کے تصفیہ کے متعلق یکساں طور پر بے چین ہے - اور اس طرح مشترک منزلِ مقصود پر جلد پہونچنے کی فکر رکھتی ہے، لیکن یہ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے. کہ مسئلہ کو الجھانے کیلئے ناموزوں دلائل پیش کئے جا رہے ہیں اور گفت و شنید کی ترقی کو پیچھے کی طرف ہٹایا جا رہا ہے -

مندرجہ صدر واقعات کے پیش نظر کونسل اس امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہے کہ وہ مجوزہ کمیٹی میں کانگریس کے مقرر کئے ہوئے مسلم اراکین کی شمولیت اسلئے ناپسندیدہ سمجھی کہ وہ کمیٹی ہندو مسلم مسئلہ کا حل نکالنے اور اسے طے کرنے کے لئے بیٹھے گی اور اس لئے متعلقہ مسائل کی نوعیت ہی کی بنا پر کانگریس کے مقرر کردہ مسلم اراکین کو نہ ہندوؤں کا اعتماد حاصل ہوگا نہ مسلمانوں کا، واقعہ یہ ہے کہ ان کی پوزیشن نہایت پریشان کن ہوگی، لہٰذا کونسل کی درخواست آپ سے یہ ہے کہ آپ مندرجہ صدر گفتگو کی روشنی میں مسئلہ پر غور کریں.

تیسرے رزولیوشن کی بابت یہ ہے کہ دوسری اقلیتوں کا ذکر کانگریس کی اس یادداشت میں کیا گیا تھا جس کا حوالہ آپ نے اپنے خط مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۳۸ء میں دیا تھا اور مسلم لیگ نے اس پر اظہار رضامندی کیا کہ اگر ضرورت ہوئی اور جب ضرورت ہوئی وہ اپنی اعلان کردہ پالیسی کے مطابق ان سے مشورہ کرے گی.

رہی آپ کی یہ خواہش کہ خط و کتابت کو .... جس میں یہ خط بھی شامل ہے، اشاعت کے لئے دیدیا جائے آپ ایسا کریں تو کونسل کو کوئی اعتراض نہ ہوگا.

(آپ کا مخلص. ایم. اے جناح)

صدر کانگریس نے ۱۷ اگست کو جواب دیا کہ "چونکہ مسئلہ بہت ہی اہم ہے اس لئے میں آپ کے خطوط کانگریس ورکنگ کمیٹی کے آئندہ اجلاس میں پیش کرنے چاہتا ہوں جو ماہ ستمبر میں ہوگا، اس کے بعد آپ کو خط لکھ سکوں گا"

چنانچہ یہ خطوط متذکرہ اجلاس میں بمقام دہلی پیش ہوئے اور ورکنگ کمیٹی نے ۲ر اکتوبر کو بنام صدر مسلم لیگ مندرجہ ذیل جواب طے کیا۔

اگرچہ آپ کے خط میں غیر صحیح چیزیں درج ہیں مگر ان پر بحث بے سود ہے آپکے خط کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیگ اس بات کی توقع کانگرس سے نہیں کرتی کہ کانگرس معناً یا صراحتاً اس کا مرتبہ اس حیثیت سے تسلیم کرے گی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد مستند جماعت ہے۔

اگر لیگ اس خیال کو قبول کرے تو مجھے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا ہے کہ ورکنگ کمیٹی اس کمیٹی کے ساتھ کانفرنس کرے گی، جس کو لیگ شرائط تصفیہ مرتب کرنے کیلئے مقرر کرے گی ورکنگ کمیٹی کے کم سے کم پانچ اراکین اس کانفرنس کے اجلاسوں میں نمایندوں کی حیثیت سے شریک ہوں گے،

اس جواب کے متعلق لیگ کونسل نے بمقام کراچی غور کر کے صدر کانگرس کو حسب ذیل جواب دینے کا اختیار دیا۔

آپ کا خط مورخہ ۲ر اکتوبر موصول ہوا جو لیگ اگزیکٹو کونسل کے سامنے پیش کیا گیا، مجھے یہ جواب دینے کا اختیار دیا گیا ہے کہ اگزیکٹو کونسل کو اس امر پر بہت افسوس ہے کہ میرے مکتوب مورخہ ۲ر اکتوبر کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے بالکل غلط سمجھا میرا مکتوب بالکل واضح تھا۔ اور نہ وہ کسی مزید تشریح کا محتاج ہے اور نہ اس کو کوئی اور معنی پہنائے جاسکتے ہیں۔

مسلم لیگ ہندو مسلم تصفیہ کے لئے گفت و شنید جاری رکھنے پر تیار ہے مگر اسی بنیاد پر جو میرے محولہ بالا خط میں پیش کی جاچکی ہے اور وہ اس کمیٹی سے گفتگو کرنے کیلئے اپنے نمایندوں کو مقرر کردے گی جسکو کانگرس ہماری پیش کردہ بنیادوں اور ہماری ۵ر جون کی قراردادوں کے مطابق جو آپ کو بھیجی جاچکی ہیں مقرر کرے گی"

ایک لطیفہ جب آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے خلاف اس بنا پر تحریک ملامت پیش ہوئی۔ کہ اس نے مسلم لیگ سے مصالحانہ گفتگو کا آغاز کر کے کانگرس کے وقار کو نقصان پہونچایا۔ تو صدر کانگرس **مسٹر بوس** نے اپنی صفائی میں ایک یہ وجہ بھی بیان کی کہ میں بنگال میں جس جگہ بھی جاتا تھا۔

مسلمان سیاہ جھنڈیوں سے میرا استقبال کرتے تھے۔ اور مطالبہ کرتے تھے کہ میں پہلے مسلم لیگ سے کانگریس کی صلح کراؤں پھر ان کے سامنے آؤں۔

باب دوازدہم

اکتوبر ۱۹۳۸ء تک سات صوبوں میں کانگریس کی حکومت کو سولہ مہینے گذر چکے۔ اس نے ہر جگہ یکے بعد دیگرے اپنے تمام اصولوں سے انحراف کیا اور جس حکومت کو کہ شیطانی حکومت کہا جاتا تھا خود اس کا عکس بن گئی۔

مسلمانوں کے ساتھ رواداری تو کجا انصاف بھی روا نہیں رکھا گیا، کراچی کا رزولیوشن مہمل الفاظ کا مجموعہ ثابت ہوا، کئی صوبوں میں ان کے ساتھ کھلے بندوں مظالم کئے گئے، زبان و ثقافت پر ہی نہیں مذہب پر حملے کئے گئے، اور اس فقرہ کو کہ "اسلام خطرے میں ہے" صحیح ثابت کر دکھایا۔

گذشتہ سولہ ماہ کے واقعات اس قدر تازہ ہیں کہ ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور مؤلف اب مسٹر **محمد علی جناح** کی تقریر صدارت اجلاس مسلم لیگ کانفرنس منعقدہ کراچی پر اس کتاب کو ختم کرتا ہے۔

مسلمانان سندھ سے خطاب

آپ نے سندھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت مجھے بخشتے ہوئے میری حد سے زیادہ عزت افزائی فرمائی۔ میں آپ سب کا تہہ دل سے شاکر و ممنون ہوں۔

سندھ کی تاریخ اپنے ساتھ ایک عجیب اسلامی شان لئے ہوئے ہے اور اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ سندھ کی اس مسلم کانفرنس کی صدارت ایک بڑی عزت ہے جسے آپ نے مجھے عنایت فرمایا۔ آپنے ایک قلیل عرصہ میں سندھ کے کونہ کونہ میں تعلقہ دار مسلم لیگ کی شاخیں قائم کرنے میں جو کامیابی حاصل کی ہے۔ میں اس پر آپ سب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سندھ کے مسلمانوں میں جو سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے وہ میرے نزدیک ایک نیک

شگون ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آگے چلکر سندھ کے مسلمانوں کے لئے قابل تقلید مثال کی حیثیت اختیار کرلیگی۔

معزز حاضرین کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ صوبہ سندھ کی علیحدگی کا سوال نہایت تندہی کے ساتھ سال ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ نے اپنے ہاتھ میں لیا، اور مارچ ۱۹۰۷ء میں دہلی مسلم لیگ کانفرنس کی تجاویز میں شامل کیا گیا۔

صوبہ سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا، ہم نے تمام مخالفتوں کا سامنا کیا، اور شکر ہے خداوند ذوالجلال کا کہ مسلمانوں کی کوششیں اس مسئلہ میں کامیاب ہوئیں اور بالآخر سندھ صوبۂ بمبئی سے علیحدہ ہوا۔ اور دوسرے صوبوں کے مطابق اصلاحات حاصل ہونے سے آپ کو صوبجاتی حکومت حاصل ہے آپ مسلمانوں پر ایک زبردست ذمہ داری عاید ہوگئی ہے، آپ پر فرض ہوگیا ہے کہ آپ اپنے صوبہ کے باشندوں کی فلاح وبہبود کا ہردم خیال کریں

خدا نے وہ منحوس دن دور کردیئے جب سندھ کے مسلمان آپس میں بگڑے ہوئے تھے جب نااتفاقی کا بازار گرم تھا۔ آج مجھے انتہائی مسرت ہے کہ آپ سب ایک ہیں ایک ہی لڑی میں پروئے جا چکے ہیں اور اگر اسی طرح آپنے اپنی مبارک کوششیں اتفاق اور نظام کے لئے صرف کیں تو وہ مبارک دن دور نہیں جب آپ اپنے صوبہ کی حکومت مسلم لیگ کے تحت میں لے آوینگے

حکومت آپ کے ہاتھ میں ہے آپ کی باندی ہے آپ پر اس امر کو زور سے واضح کردینا چاہتا ہوں کہ سندھ کی حکومت کا بوجھ آپ مسلمانوں پر ہے اور اپنے فرض میں کوتاہی کرنے کے مجرم ہوں گے اگر عنان حکومت آپنے اپنے ہاتھ میں جلد از جلد نہ لی۔

میں مانتا ہوں کہ جدید دستور اساسی خامیوں سے خالی نہیں، تاہم جو ذمہ داری اور اختیارات جدید اصلاحات کی صورت میں ہم کو ملے ہیں، انہیں آپ اپنی طاقت اپنے اعداد و شمار کی کثرت اور اپنے اتحاد کے زور سے سندھ کے عوام کے لئے عموماً اور مسلمانان سندھ کی فلاح وبہبود کے لئے خصوصاً استعمال کرسکتے ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ سندھ کی بہبودی کا راز عامتہ الناس کے ساتھ انصاف اور

اتفاق میں مضمر ہے۔

اور مجھے یقین ہے۔ کہ مسلمانان سندھ اور دور بین عقلمند ہندو اس بات کا اعتراف کریں گے۔

کراچی سندھ کے دارالخلافہ اور عظیم الشان بندرگاہ اور اسلامی ہندوستان کے باب الاسلام میں آپ کی لاثانی شاندار کانفرنس کی صدارت کرنے کا جو شرف مجھے نصیب ہوا وہ ایک اور پہلو بھی لئے ہوئے ہے، کراچی میں میری پیدائش ہوئی اور اس لئے مجھے سندھ سے از بس اُنس اور محبت ہے اسلئے میں نہایت شدّت سے اس امر کا خواہاں ہوں۔ کہ خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے آپ کو طاقت بخشے، کہ آپ سندھ کی عظمت و بہبودی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

آج ہندوستان میں چند جماعتیں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مٹانے کے درپے ہیں، بدعنوانیوں کا بازار گرم ہے، وزارت کے سبز باغ دکھا کر مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے اور وزارت کا حاصل مسلم قوم سے غداری اور مسلم اتفاق کے گلے پر چھری پھیری جا رہی ہے، سندھ کے مسلمانوں کو اس عظیم الشان خطرے سے آگاہ رہنا چاہیئے مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور آپ کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کی طاقت کو ہر ممکن اور واجب طریقہ سے بڑھانے کی کوشش کریں اور مسلم لیگ ہی کے جھنڈے تلے قوم کو منظم فرماویں یہ ہماری بدقسمتی ہے اور ہمارے لئے شرم کا باعث ہے کہ سندھ اور صوبہ سرحد ہر دو صوبے جنکی علیحدگی کے لئے مسلم لیگ نے سر توڑ کوششیں کیں، اور صدہا مخالفتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کامیابی حاصل کی وہی دو صوبے مسلم لیگ سے علیحدہ رہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ سندھ کے مسلمانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوا آپ کی یہ شاندار کانفرنس ایک مژدہ جانفزا ہے۔ اور مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک نیا اور ذی شان باب ہے۔

صوبہ سرحد کیلئے اصلاحات ایک شاندار لڑائی تھی، دوسری جماعتوں کے علاوہ کانگریس بھی ہمارے مقابلہ میں صف آرا رہی۔

لیکن مجھے افسوس ہے کہ اصلاحات ملنے پر صوبہ سرحد ہی کانگریس کے "دھرم آشرم" وار دھا

کے پاؤں کے نیچے ہے۔

لیکن میں مایوس نہیں، مجھے امید ہے کہ وہ دن قریب ہے جب سرحد کے غیور مسلمان پٹھان جنہیں کانگریس گمراہ کئے ہوئے ہے، مسلم لیگ کے جھنڈے کو بلند کرتے ہوئے ہندوستان کے باقی مسلمانوں کے دوش بدوش لیگ کا پیغام سرحد کے ہر گوشہ میں پہنچائیں گے اور وہ لوگ جو آج ان سادہ لوح فرزندان اسلام کو مسلمانوں سے علیحدہ کئے ہوئے ہیں۔ اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے۔

سیاست کے میدان میں جو لڑائی ہم لڑ رہے ہیں، وہ روٹی کے لئے نہیں۔ وزارتوں کے لئے نہیں اور نہ ہی ملازمتوں کی تقسیم کے لئے ہے ہم ہندوستان کے عوام کی سیاسی اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے خلاف نہیں، ہم ہندوستان کی بہتری کے لئے خصوصاً ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور کریں گے۔

دشمن آپ کو کہیں گے کہ لیگ کی پالیسی قدامت پسندانہ ہے، اور ہندوستان کی ضروریات کے برعکس ہے۔

ہر وہ شخص جس نے مسلم لیگ کے پروگرام اور پالیسی کا غیر جانبدارانہ طور پر مطالعہ کیا ہے وہ ضرور کہے گا کہ لیگ کا پروگرام بہر وجود آئین ہندوستان کے مفاد کیلئے ہے اور اس میں رجعت پسندی نام تک کو نہیں، لیکن بدقسمتی ہے ہندوستان کی کہ جانتے بوجھتے مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے کارندوں کو بدنام اور مطعون کرنے کی ناپاک کوششیں جاری ہیں، سچائی کو دبانا اور سفید جھوٹ کی اشاعت یہ کانگریس پریس کا شیوہ اور مسلک ہو گیا ہے، افسوس ہے کہ ہمارا پریس نہیں۔

سب سے بڑی بدقسمتی ہندوستان کی یہ ہے کہ چھ صوبوں میں حکومت کی باگ سنبھال کر کانگریس کچھ کرنا دھرتا طاقت کے نشہ میں اسقدر سرشار ہو چکے ہیں کہ ان کا رویہ مسلم لیگ کے بارے میں عناد سے پر، بغض و حسد سے معمور اور ناشائستہ ہے۔

کانگریس نے عہدے قبول کرنے کا فیصلہ کیا، اصلاحات کو قبول کیا، ہم نے اتحاد کا ہاتھ بڑھایا، انتخابات سے پہلے اور بعد ہم سمجھوتہ کے لئے آمادہ ہوئے، خیال تھا کہ ملکر ہندوستان کی

بہتری کے لئے کوشاں ہوں، لیکن وائے قسمت کہ کانگریس کے خداوندوں نے پہلا مطالبہ ہم سے یہ کیا، کہ ہم لیگ کو ختم کردیں، اور وجہ یہ بیان کی گئی، کہ مسلم لیگ سوائے چند ذیشان اصحاب کے مسلم قوم کی نمایندگی نہیں کرسکتی،

کانگریس کے ناخداؤں نے اس بات کا بھی گھر بیٹھے فیصلہ کیا کہ مسلم لیگ کو بالکل نظر انداز کردیا جائے۔

صوبجاتی اسمبلیوں میں مسلم لیگ کے نمایندوں سے عدم تعاون کیا گیا۔ اور ان سے اچھوتوں کا سا سلوک روا رکھا گیا۔ اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ جب تک مسلم لیگ کے نمایندے کانگریس کے مسلک اور پروگرام پر عمل پیرا نہ ہوں، وہ اور دعا کو اپنا سیاسی کعبہ تسلیم نہ کریں، جب تک انہیں وزارتیں اور حکومت کے اداروں میں شامل نہ کیا جائے، مسلمانوں سے توقع کی گئی کہ وہ کانگریس کے اس پروگرام پر عمل پیرا ہوں، جو کسی صورت میں بھی لیگ کے پروگرام سے بہتر اور برتر نہیں، فرق یہ ہے کہ ہم ہندوستان کے لئے حصول آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے جائز حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں، اور کانگریس سچائی اور عدم تشدد کی حامی نہیں ہے، وہ سچائی اور وہ عدم تشدد جو کانگریس کے اداروں میں برائے نام دکھاوے کے لئے موجود ہے۔

مسلمانوں سے کانگریس نے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا مسلک بدل دیں، اپنا پروگرام ترک کردیں، اپنی جماعت سے علیحدہ ہو جائیں، اور کانگریس کا مذہب قبول کریں، تب انہیں صوبوں کے کابینوں میں جگہ دی جائے گی۔

کانگریس نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر اسمبلیوں میں بسم اللہ "بندے ماترم" کے ترانہ سے کی۔ وہ ترانہ جو ایک بھجن ہے، جس سے بت پرستی کی بو آتی ہے اور مسلمانوں سے نفرت ٹپکتی ہے۔

کانگریس والوں نے سکولوں میں بچوں کو مجبور کرنا شروع کیا ہے کہ وہ ہر صبح اپنی روزانہ تعلیم کا آغاز "بندے ماترم" سے کریں حالانکہ اس بات سے کوئی انکار کرتا نہیں۔ کہ "بندے ماترم" قومی ترانہ نہیں۔

کانگریس والوں نے شہ زوری کرتے ہوئے دوسری قوموں کے جذبات کو ٹھکراتے ہوئے نہایت

دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی سے کانگریس کا سہ رنگا جھنڈا سرکاری اور غیر سرکاری عمارتوں پر لہرایا۔ جب کہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا کہ کانگریس کا جھنڈا قومی جھنڈا نہیں۔

کانگریس نے مسلم ماس کنٹکٹ کا ڈھونگ رچایا۔ اس امید موہوم کو لئے ہوئے کہ اس چال سے شاید کمیونل ایوارڈ رد ہو جائے یا برائے نام رہ جائے اور مسلمانوں کی اصلی طاقت اسمبلیوں میں سے کم ہو جائے۔ اور یا آخر اس طریقہ سے مسلمانوں کو مجبور کر دیا جائے۔ کہ وہ کانگریس کے ممبر بن جاویں۔

کانگریس کی وزارتوں نے ہندوستان کے تعلیمی اداروں اور نصاب میں دخل دینا شروع کر دیا تعلیم کی وہ واردھا اسکیم جو آج ہندوستان میں ودیا مندر اسکیم کے نام سے موسوم ہے واردھا کی ہندی زبان کو ہندوستان کی زبان بنانے کی ناپاک کوشش ہے اردو جو ہندوستانی مسلمانوں کی مروجہ اور مسلمہ زبان ہے اس زبان کو نیست و نابود کرکے ہندوستان کے مسلمانوں کی روایات کلچر، اور تہذیب کا جنازہ نکالنے کی ناپاک اور مذموم سازش کر رہے ہیں۔

ان کانگریس کے کارندوں کو عہدے دیے جاتے ہیں جو مسلم لیگ کو تباہ کرنے کا حلف لیں۔ اور اُن غدار مسلمانوں کو عہدوں اور ملازمتوں کا لالچ دیا جاتا ہے جو مسلم لیگ کی بربادی کے لئے کوشاں ہیں۔ سول لبرٹی کے معنی نئے ہو گئے ہیں، سودیشی قانون کی عدم موجودگی میں کریمنل لاء، اینڈمنٹ اور دفعہ ۱۴۴ عمل میں لائی جاتی ہے، ہر وہ آدمی جو کانگریس سے اختلاف رائے رکھے مورد عتاب ہو جاتا ہے۔ اور یہ قانونی حربے خاص طور پر مسلم لیگ کے کارکنوں کے خلاف استعمال کیے جاتے ہیں۔

اسمبلیوں میں ایسی تجاویز اور ایسے بل پیش کئے جا رہے ہیں۔ جو مسلم مفاد کے سراسر خلاف ہوں، میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کے طریق نیابت کی ترمیم ایک زندہ مثال ہے۔

مسلم پریس پر طرح طرح کی پابندیاں عاید کی جا رہی ہیں۔ قسم قسم کے ظالمانہ احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔ اور چند ایک مسلم اخبارات کی ضمانتیں بھی ضبط کی جا چکی ہیں۔

کیا یہی وہ کانگریسی پروگرام ہے جس کے بل بوتے پر ہندوستان کی آزادی حاصل کرنا ہے۔ کیا اسی کا نام نیشنلزم ہے؟۔ کانگریس کے ہاتھ میں نہیں، مرکزی حکومت پر کانگریس تا حال حاوی

نہیں ہوئی۔ تاہم یہ امثال ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

اگر یہی اس آزادی کا نمونہ ہے جو کانگریس ہندوستان کے لئے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ تو خدا حافظ ہندوستان کا۔

جب ہندوستان کی حکومت کلیتاً کانگریس کے ہاتھ آجائے گی۔ تو خدا جانے کانگریس کا سلوک ہندوستان کے ۹ کروڑ مسلمانوں سے کیا ہوگا۔

جب محدود اختیارات کا استعمال کانگریس والے اقلیتوں کے خلاف اس سختی اور شدت سے کر رہے ہیں، تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ کانگریس کے پریزیڈنٹ کا ہری پور کانگریس والا اعلان کس طرح باور کیا جا سکتا ہے۔ فروری ۱۹۳۸ء میں کانگریس کے صدر صاحب نے فرمایا۔ میں اقلیتوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ بتائیں۔ کہ جب کانگریس پروگرام عمل میں لایا جاوے گا۔ تو ان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔

میں نے مفصل طور پر کانگریس کا ظلم و استبداد بیان نہیں کیا۔ اخبارات کے کالم کے کالم اس کے متعلق کالے کئے جا چکے ہیں، بہار، یو۔ پی، اور سی۔ پی، کے واقعات کسی سے چھپے ہوئے نہیں میں ان معاملات پر روشنی ڈالتا لیکن جبکہ ہمارا کمیشن اس معاملہ کی تحقیق کر رہا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ اس کمیشن کی رپورٹ کا انتظار کیا جاوے میں امید کرتا ہوں کہ وہ رپورٹ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (دسمبر ۱۹۳۸ء) کے سامنے پیش کر دی جاوے گی۔

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں، کہ کانگریس کا ہر فرد اپنے آپ کو ہندوستان کا حاکم تصور کرتا ہے، قطع نظر اس کے کہ حکومت کی قابلیت تعلیم اور تجربہ ہو یا نہ ہو۔ کانگریس کا ہر رکن اپنے آپ کو ثابت کر رہا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ کانگریسیوں کا سلوک مسلمانوں سے آج انگریز کے اس سلوک سے بھی بدتر ہے جو انگریز آج سے ۲۵ سال پہلے ہندوستانیوں سے روا رکھتے تھے۔

کانگریس کے بڑے بڑے بُت کانگریس کے اداروں میں رشوت ستانی جھوٹ اور تشدد کا رونا روتے ہیں۔ روتے رہیں۔ اور اگر ممبروں کے رجسٹر میں جھوٹے اعداد و شمار پر معترض ہیں۔ تو ہوتے رہیں۔

یہ ہیں کانگریس کے انصاف کی درخشاں مثالیں .... آپ کے شہر کے ایک بڑے بزرگ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ چونکہ کسی صوبہ میں بھی کسی گورنر نے یا مرکز میں گورنر جنرل نے اقلیتوں کے متعلق اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال نہیں کیا۔ اسلئے اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ہر جگہ اچھا سلوک کیا جا رہا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ گورنروں اور گورنر جنرل نے اقلیتوں کو کانگریس کے رحم پر چھوڑ دیا ہے اور خاص طور پر مسلمانوں سے صریحاً بے انصافی برتی ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برٹش گورنمنٹ اور کانگریس کے درمیان ایک ناپاک سمجھوتہ ہے کہ گورنر اور گورنر جنرل اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال میں نہ لائیں گے اور ظاہر ہے کہ کانگریس کے ظلم و استبداد کی رسی دراز کی جا رہی ہے۔ کانگریس کی یہ پالیسی نہ صرف ہندوستان میں نفرت کا زہر پھیلا رہی ہے۔ بلکہ ہر فرقہ اور ہر جماعت میں تصادم پیدا کر رہی ہے اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہر طرف امن و امان مفقود ہو چکا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ اس پالیسی کا اثر ہندوستان کی جنگ آزادی کے لئے زہر قاتل ثابت ہوگا۔

کانگریس ان لوگوں کے ہاتھ میں جا رہی ہے جو اپنی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی سے ہندوستان کو خیبر سے راس کماری اور کراچی سے کلکتہ تک ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیں گے۔

صرف یہی نہیں آیئے ہم بنگال پنجاب اور آسام کے حالات کا مطالعہ کریں۔ چونکہ ان صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اس لئے کانگریس ان کی وزارتوں کے خلاف ہر روا اور ناروا سازش کر رہی ہے بنگال میں "حق وزارت" کو توڑنے کی ناپاک کوشش کا منہ توڑ جواب ملا۔ پنجاب میں سر سکندر حیات کی وزارت کو کمزور کرنے کیلئے طرح طرح کی سازشیں کیں، لیکن تاحال کانگریس والوں کو جرأت نہیں ہوئی کہ "عدم اعتماد" کی تجویز پیش کریں۔

آسام میں **سعد اللہ خاں** کی وزارت نے استعفیٰ دیا۔ تو جھٹ کانگریس کے صدر چند حواریوں کے ساتھ آسام جا دھمکے۔ اپنے کرایہ کے ٹٹوؤں کی مدد سے کانگریس کے اصول کے خلاف مخلوط وزارت قائم کی اور بار دولی وزارت کو ایک مسلم وزیر بھی نہ ملا، اور آج بھی تین وزیروں کی جگہ صرف ایک ہی مسلم وزیر نامزد کر سکے۔

آسام اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرا دیا گیا اور یہ بزدلی کی حد ہے کہ **بارودلوی** وزارت اعتماد ثابت کرنے کے لئے اجلاس بلانے کیلئے تیار نہیں، جب ۱۰۷ ممبروں میں سے ۵۶ ممبروں نے عدم اعتماد کی تجاویز بھیجیں تو مسٹر **بوس** یورپین پلانٹر کے ہاتھ پاؤں پڑنے لگے۔ **بوس** صاحب "**بارودلوی وزارت**" کے بے جان بچے میں روح پھونکنے کے لئے سرگرداں ہیں۔

کانگریس کے ناخدا صرف ایک بات چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کے اتحاد کو توڑا جائے۔ اور مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا جاوے، اس کار خیر میں خواہ کانگریس کو شرمناک اور اوچھے ہتھیاروں پر اترنا پڑے کانگریس والے شرم و حیاء بالائے طاق رکھ چکے ہیں، اخلاق کے معیار ان کے لئے نہیں۔

آج کانگریس کی پالیسی غرور و تکبر کا مجسمہ ہے اور سوائے ابن الوقتی کے اور کچھ نہیں۔ بدقسمتی سے کانگریس کو ہندو عوام کا اعتماد حاصل ہے اور اس اعتماد کا ناجائز فائدہ کانگریس کے کرتا دھرتا اٹھا رہے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ مسٹر گاندھی جنہیں ہندو عوام مہاتما تصور کرتے ہیں اور انکی ہر خواہش کو خدائی حکم سمجھتے ہیں کانگریس کے ناخداؤں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو چکے ہیں۔

مسٹر **گاندھی** جب کانگریس کی موجودہ پالیسی سے بیزار ہو جاتے ہیں اور جب ان کی ضمیر انہیں ملامت کرتی ہے تو یا چپ سادھ لیتے ہیں یا اخبارات کی آڑ لے لیتے ہیں کہ "بھائی میں تو چار آنہ والا ممبر بھی نہیں" کبھی کبھی مسٹر گاندھی کانگریسی اداروں میں غیر ذمہ داری، رشوت ستانی دروغ گوئی، اور عدم تشدد کے فقدان کا ماتم کرتے ہیں۔

کانگریس ہائی کمانڈ

"کانگریس ہائی کمانڈ" جسے ہندوستان کی حکومت ہند کے مقابلہ میں کانگریسی حکومت کا کابینہ کہا جاتا ہے عوام کی ترجمانی کا دعویٰ کرتی ہے، اس کابینہ کی چند حرکات سرکس کے مسخروں کی طرح مضحکہ خیز ہیں۔

یورپ میں جنگ کے خوفناک بادل گرجنے شروع ہوئے اور کانگریس کمیٹی کو فکر دامنگیر ہوا، رات

دن بیچارے فکر میں غلطاں رہے اور ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ یورپ کے جنگ کے سلسلہ میں زیر بحث ہوا، شروع میں کانگریس کے خداوندان نے چیکوسلواکیا سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور مسٹر **گاندھی** اور کانگریس کمیٹی اس امر کی منتظر رہی کہ کب وائسرائے ہال کے خدا مسٹر **گاندھی** کے پاؤں آکر پکڑیں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ جنگ کے متعلق کانگریسی فیصلہ سے ہندوستانیوں کو نجات مل رہی ہے حالات جن کا مقابلہ ہمیں کرنا ہے ہم مسلمانوں کو اپنی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے آج ہمیں کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلم سوال کے حل کرنے کا بھی مجاز نہیں، کانگریس ہائی کمانڈ کے ناخداؤں کے سامنے ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ ہم مسلمانوں کے نمائندہ ہیں۔" اپنی خدمات اور قربانی" ان کی خدمت میں پیش کریں۔

خیال ہے کہ غیروں سے شکوہ بے جا اور دشمنوں سے گلہ بے کار ہے اگر مسلمانوں کو شکست کا کوئی خطرہ ہو سکتا ہے تو ان غداروں سے جو مسلم اتحاد کے لئے زہر قاتل ہیں وہ اپنی بدترین سے بدترین کوشش کرلیں، لیکن میں عام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں جنکے دل میں اسلام کا درد ہے جو مسلم قوم کی فلاح و بہبود کے خواہاں ہیں کہ وہ زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں اور لیگ کے جھنڈے کے نیچے آکر مسلمانوں کو اتحاد و عمل کا پیغام دیں اور بیک آواز مسلمانوں کے حقوق کیلئے کلمۃ الحق بلند کریں۔

میں اس بات کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہندو قوم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں، میری جنگ ہندوؤں کے ساتھ نہیں۔ ہندو قوم کے بہت سے افراد میرے ذاتی دوست ہیں، میری جنگ کانگرس ہائی کمانڈ سے ہے جو میری رائے میں نہ صرف ہندوستان کی ترقی اور آزادی کی بدترین دشمن ہے بلکہ ہندوستان کے ہندوؤں کے لئے بھی مار آستین، اگرچہ بہت سے ہندو کانگریس کی پالیسی پر لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر تاہم ہندوؤں کی اکثریت کانگریس ہائی کمانڈ کے دام فریب میں گرفتار ہے وہ کانگریس کے چکنے چپڑے وعدوں اور خوش آیند الفاظ پر مفتوں ہے۔

کیا وہ دن آئے گا جب ہندو اپنی عقل کو استعمال کریں گے۔ اور آزادانہ رائے برتیں گے خدا کرے اور جلد کرے۔

مسئلہ فلسطین اور وہاں کے ہولناک واقعات اس پاک خطہ کی خونچکاں داستانیں۔ عربوں پر ظلم و تشدد ان کی مبارک جنگ آزادی۔ مسلم لیگ کی ہر ممکن خدمت کی مستحق ہے، مسلم لیگ کونسل کے ۲۶ اگست والے فیصلہ کے مطابق ہندوستان کے طول و عرض میں یوم فلسطین منایا گیا۔ ہزاروں احتجاجی جلسے ہوئے اور مسلمانوں نے اپنے سینہ کے زخم کھول کر رکھ دیئے فلسطین کے مسلمانوں پر ہر ظلم ہندوستان کے مسلمانوں کے سینہ پر ناسور ہے تمام عالم کے مسلمان حکومت برطانیہ کے ظلم و استبداد کو دیکھ رہے ہیں۔ ۳۰ جولائی ۳۸ء کو مسلم لیگ کونسل نے اپنے نمائندے قاہرہ کی مسلم کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ کہ فلسطین اور برطانیہ میں اپنے وفد بھیجے جائیں اور کونسل یہ بھی فیصلہ کرے کہ برطانیہ پر کسطرح دباؤ اور اثر ڈالا جائے کہ حکومت برطانیہ اپنی ظالمانہ اور جانبدارانہ یہود نواز پالیسی کو ترک کردے۔

بدایوں کی مجلسی لیگ میں کونسل نے عرب اور عالم اسلام کی پارلیمنٹری کانگریس میں شرکت کے لئے پانچ نمائندے نامزد کئے مسٹر **خلیق الزماں** مسٹر **عبدالرحمن صدیقی** اور **مولانا مظہر الدین** قاہرہ روانہ ہو چکے ہیں، مصری پارلیمنٹری کمیٹی کے ارشاد کے مطابق اس بات کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔ کہ اسمبلیوں کے ہر وہ مسلمان بزرگ جو قاہرہ کانفرنس میں شرکت کرنا چاہیں، روانہ ہو جائیں۔ ہم اس عظیم الشان قاہرہ کانفرنس کے فیصلہ کا انتظار کریں گے۔ اور میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں۔ کہ اس فیصلہ کے مطابق آل انڈیا مسلم لیگ ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہوگی۔

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ایک گنگا جمنی تجویز فلسطین کے مسئلہ پر پاس کی ہے۔ ایسی ضروری تجویز جس سے مسلمانان عالم کی زندگی اور موت وابستہ ہے، بغیر اظہار خیال بغیر کسی تقریر کے دو منٹ کارروائی کے بعد صدر کی طرف سے پیش ہوئی۔ اور پاس کر دی گئی۔

کانگریس کی سطحی ہمدردی جو انہیں مسلمانوں سے ہے ظاہر ہو گئی۔

موجودہ دور میں برطانیہ نے اپنے دوستوں کو بھیڑیوں کے حوالہ کر دیا ہوا ہے اور اپنے

وعدہ وعید تمام تر مٹی کے کچے برتنوں کی طرح توڑ دیے ہیں۔

سمجھتا ہوں کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ رہیں کہ کانگریس اور کانگریس ہی ہندوستان کی واحد ترجمان ہے۔ ہندوستان میں ۹ کروڑ فرزندان توحید بھی بستے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ سوڈٹین جرمن اور زیکوسلواکیہ کی مثال سے سبق حاصل کریں۔ اور درس عبرت لیں۔ اس سوال نے دنیا کو عالمگیر جنگ کی نوبت تک پہونچا دیا۔ کانگریس والے بھی اس امر پر غور کریں۔ گوش ہوش کھولیں عقل کے ناخن لیں اور موقع ہے کہ سنبھل جاویں۔

سوڈٹین جرمنوں کے ہر جائز مطالبہ کو زیکوسلاویکیا نے پیروں تلے روندا ۲۰۰ برس تک ان پر ظلم وجور کی مشق کی۔ انہیں تباہ وبرباد کیا گیا۔ ان کے حقوق غاصبانہ طور پر چھینے۔

برطانیہ کے مقابلہ میں کامیاب وہی ہوئے ہیں جو طاقتور ہوں اور جو برطانیہ کو ڈرا اور دھمکا سکیں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کو بھیڑیوں کی نظر کر دیا ہے۔

میں اس بات کو سختی سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ایشیا میں امن تب تک قائم نہ ہو سکے گا۔ جب تک برطانیہ فلسطین کے عربوں سے منصفانہ برتاؤ نہ کریگی۔

ہندوستان کی نسبت حکومت برطانیہ اور سیاسی رہنماؤں پر یہ واضح کر دینا ضروری اور اس ظلم وتشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیکوسلوایکیا کی جمہوری حکومت کے حصے بخرے ہو رہے ہیں۔ اور اب ایک نیا نقشہ بنے گا جس طرح سوڈٹین جرمن بے دست وپا اور بے یار ومددگار نہ تھے اسی طرح ہندوستان بھی بے دست وپا نہیں۔

مسلمان کسی حالت میں بھی اپنا کلچر تہذیب اور تمدن مٹنے نہ دیں گے اور ہندوستان کے براعظم میں اپنی قومی حیثیت کبھی زائل نہ ہونے دیں گے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ حکومت ہند کی اس پالیسی کی طرف بھی اشارہ کروں جو سرحد سے وابستہ ہے حکومت اس پالیسی کو جتنی جلدی بدل دے بہتر ہوگا۔ صلح کوشی، مصالحت اور مفاہمت کی طرف کوشاں ہوں۔

میں حکومت برطانیہ سے پُر زور اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ فلسطین وزیرستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق خصوصاً اور اسلامی حکومتوں کے متعلق عموماً اپنی پالیسی پر غور کرے۔

حکومت برطانیہ کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ گذشتہ ۲۰ سال کے واقعات کی روشنی میں اپنی پالیسی تبدیل کرے۔

اس لئے میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آگے بڑھو۔ اپنے آپ کو ہندوستان کے طول و عرض میں منظم کرو۔ اور اگر منطق اور عقلی دلیلیں کام نہ دیں تو ہم اپنی قوت اور طاقت بازو سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل ہوں۔

میں مایوس نہیں ہوں اور نہ ہی ہمیں اس زندگی اور موت کی جنگ میں نتائج کی پرواہ کرنا چاہیئے۔ اس جنگ سے ۹ کروڑ فرزندان توحید کی قسمتیں وابستہ ہیں۔ خدا پر بھروسہ کرو اور بڑھے چلے جاؤ ——————

تمام شد